انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

تبع تابعین کرامؒ

دار الاشاعت کراچی

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (القرآن)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

تبع تابعین کرامؒ (حصہ دوم)

جلد نہم

حصہ پانزدہم (15)

چوہتر جلیل القدر تبع تابعینؒ کے حالاتِ زندگی جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والی نامور دینی شخصیات شامل ہیں

تحریر و ترتیب

جناب ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

رفیق دارالمصنفین

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : ۳۷۳ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continental (London) Ltd
Cooks Road London E15 2PW

فہرست

اسمائے تبع تابعین (حصہ دوم)

پیش لفظ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۷_۹

دیباچہ از مؤلف ۱۰

حضرت آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ ۱۳

حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶

حضرت ابواسحاق ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹

حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ ۲۴

حضرت ابومعشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۳۱

حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ ۳۶

حضرت ابونعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ ۴۵

حضرت اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ ۵۰

حضرت اسد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ ۶۹

حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ ۷۱

حضرت اسرائیل بن یونس کوفی رحمۃ اللہ علیہ ۷۶

حضرت اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰

حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ ۸۹

حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۹۹

حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱

حضرت قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۶
حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۸
حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۳
حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۸
حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۶
حضرت خالد بن الحارث تجیمی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۰
حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۲
حضرت روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۱
حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۴
حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۶
حضرت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۹
حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۲
حضرت سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۵
حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۷
حضرت شجاع بن الولید رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۹
حضرت شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۱
حضرت ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۹
حضرت عبدالاعلیٰ بن مسہر رحمۃ اللہ علیہ (ابومسہر)	۱۷۳
حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۸
حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۲
حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۸
حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۷
حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ	۲۰۱
حضرت عبداللہ بن عمرو بن حفص رحمۃ اللہ علیہ	۲۰۸
حضرت عبداللہ بن ابی الہیعہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۱

حضرت عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۵
حضرت عبداللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۰
حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۲
حضرت علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۴
حضرت عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۶
حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۹
حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۳۵
حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ	۲۳۸
حضرت قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۴۳
حضرت قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ	۲۴۷
حضرت مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۵۱
حضرت محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۵۳
حضرت محمد بن ادریس (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)	۲۵۵
حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ	۲۷۷
حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ	۲۷۹
حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۳
حضرت معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۶
حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ	۲۹۰
حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ	۲۹۳
حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	۲۹۶
حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ	۲۹۸
حضرت نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ	۳۰۳
حضرت نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ	۳۰۶
حضرت وضاح بن عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ	۳۱۲
حضرت وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ	۳۱۶

حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ	۳۲۶
حضرت وہیب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۰
حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۳
حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ	۳۳۸
حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی رحمۃ اللہ علیہ	۳۴۲
حضرت یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۱
حضرت یزید بن زریع العیشی رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۴
حضرت یزید بن ہارون اسلمی رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۷
حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ	۳۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی اَمَّا بَعدُ۔

علامہ شبلی اور ان کے لائق جانشینوں، اور فاضل تلامذہ نے دارالمصنفین کے نام سے علم و دین کی جو محفل سجائی، اس کی شمع فروزاں اس ذات ﷺ کی سیرت تھی، جس کو وحی الٰہی نے سراج منیر کا لقب دیا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرسَلنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیرًا○ (سورۃ احزاب ۴۵۔۴۶)

اے پیغمبر (ﷺ) ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور خدا کی طرف بلانے والا، اور روشن چراغ۔

ان کی عمر کا آخری کارنامہ سیرنبوی ﷺ پر ان کی وہ زندہ جاوید کتاب ہے جس نے اہل علم کے طبقہ میں قبولیت عام کی سند حاصل کی اور جو خود ان کی کتاب زندگی کا وہ نورانی اختتام ہے، جس کی بنا پر ان کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر (ﷺ) خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں رفقائے دارالمصنفین نے پہلے ان نفوس قدسیہ کے تعارف وسوانح نگاری کی سعادت حاصل کی جو شمع ہدایت سے براہ راست مستنیر تھے۔ مولانا شبلیؒ کے اسلوب کے متبع خاص مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ نے اسوۂ صحابہ کے نام سے وہ معرکۃ الآرا کتاب لکھی جس کو اس موضوع پر وہی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی جو اُردو میں سیرت کے مبارک سلسلہ سیرت النبی ﷺ کو حاصل ہوئی

تھی۔ اس سلسلہ کی تکمیل مہاجرین، سیر انصار اور سیر الصحابہ کے ناموں سے دارالمصنفین کے دوسرے فاضل رفقاء مولانا حاجی معین الدین ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اور مولانا سعید انصاری صاحب نے کی، پھر اس سلسلہ کو ان حضرات تک آگے بڑھایا گیا، جنہوں نے شمع نبوت کے ان پروانوں سے کسب فیض کیا اور تابعین کہلائے۔ اس مبارک جماعت پر بھی دارالمصنفین کی طرف سے مفصل اور ضخیم کتابیں شائع ہوئیں اور اس گروہ کو اہل کتاب صحابہ اور تابعین تک وسیع کیا گیا۔

ضرورت تھی کہ اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا جائے اور تابعین کے ساتھ تبع تابعین کے بھی حالات وکمالات، اخلاق واوصاف اور ان کے علمی وعملی کارناموں اور خدمات کو روشنی میں لایا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ نبوت کی تعلیم وتربیت کے اثرات اور اسلام کی آدم سازی اور مردم گری کا اعجاز اسی زمانہ تک محدود نہیں تھا، جو سادگی اور فقر وقناعت کا دور تھا، اور جس میں تمدن، علم وفن اور حکومت وسیاست نے وسعت وترقی اختیار نہیں کی تھی، بلکہ اس دور میں بھی رشد وہدایت، زہد وتقویٰ اور عزیمت واستقامت کے وہ محیر العقول نمونے سامنے آئے، جن کی نظیر دوسری امتوں اور ملتوں میں ملنی مشکل ہے یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ زبان نبوت نے اس تیسری نسل کے لئے بھی خیر وبرکت کی شہادت دی ہے۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِىْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.

یعنی میرے بہترین امتی میرے زمانے کے لوگ ہیں، یعنی (صحابہ) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا۔ (یعنی تبع تابعین)۔

کے الفاظ اس پر شاہد ہیں، درحقیقت یہ سب اسی ایک چراغ کا پرتو ہے، جس کے متعلق قرآن نے ہمیشہ روشن، اور دنیا کو روشنی اور تابانی پہنچانے کی پیشین گوئی کی ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ الصف ۸۔۹)

(ترجمہ) یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔

چنانچہ تبع تابعین پر مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی (سابق رفیق دارالمصنفین) عرصہ ہوا ایک مفصل کتاب تالیف کر چکے تھے، بڑے شکر ومسرت کا مقام ہے کہ دارالمصنفین ہی کے ایک ہونہار اور فاضل رفیق عزیز گرامی حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی نے تبع تابعین کی دوسری ضخیم ومفصل جلد تصنیف کی جس میں دارالمصنفین کی قدیم علمی روایات اور اس کے معیار کے مطابق قدیم مستند مآخذ سے جن میں ان باکمال ہستیوں کے حالات یکجا یا متفرق طور پر موجود ہیں۔ معلومات اخذ کر کے ان کو سلیقہ اور قابلیت کے ساتھ اس کتاب میں مرتب کر دیا، اس مواد کو جمع کرنے میں وہ محض ناقل یا مرتب نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خوش مذاقی، محنت، حسن انتخاب اور تصنیفی لیاقت کا ثبوت دیا ہے۔ زبان دبستان شبلی کے تربیت یافتہ لوگوں کی طرح شگفتہ، طرز بیان سلجھا ہوا اور متین وسنجیدہ ہے، انہوں نے کہیں کہیں اپنے ذہن، مطالعہ اور تحقیق سے بھی کام لیا ہے، اور وہ محض لکیر کے فقیر نہیں بنے رہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر قلم اٹھانا بڑا مشکل کام تھا کہ وہ ایک عظیم وعالمگیر فقہی مذہب کے بانی ہیں، جن کا شمار امت محمد ﷺ کے اعلام واعیان میں ہے، لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے توازن واعتدال اور حسن تلخیص وانتخاب کا ثبوت دیا ہے، اس طرح اس امت کی علمی ودینی تاریخ کی ایک اہم کڑی اور اس کی زندگی کا ایک اہم دور اردو داں طبقہ کے سامنے آ گیا، اور اس وقت کی مردم خیزی، اور زمانہ نبوت سے قرب کے اثرات وبرکات کا ایک ثبوت فراہم ہو گیا، جو اسلام کی عظمت اور اس کی تعلیمات کی ابدیت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے قارئین کے صرف معلومات ہی میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ وہ اس سے ایمان کی قوت، دلوں کی حرارت اور علوئے ہمت وعزیمت کی دولت بھی حاصل کریں گے، جس کا پیغام اس کتاب کے صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے ملتا ہے۔

دارالمصنفین اس تحتی براعظم کے مسلمانوں کے (جن کی زبان اردو ہے) شکریے اور اعتراف کا مستحق ہے، کہ اس نے خانہ نبوت کے ان ریزہ چینوں کی تاریخ وتذکرے کا یہ سلسلہ شروع کیا اور اس کو اتنی وسعت دی کہ تبع تابعین تک پہنچ گیا، مصنف بھی اس حسن انجام پر قبولیت وتوفیق کی دعا اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

۲۰/شوال المکرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۷۸ء سہ شنبہ

دیباچہ

اسلام کی بہار اور اسلامی سعادتوں اور برکتوں کے عروج و شباب کا اصل دور عہد رسالت اور پھر صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا، لیکن کردار و عمل کے تقریباً وہ تمام محاسن جن سے قرن اول کا معاشرہ معیاری اسوہ قرار پایا، صحابہ کرامؓ کی فیض یافتہ مقدس جماعت تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے بعد تبع تابعین کے عہد تک موجود رہے، واقعہ یہ ہے کہ ان مشہود بالخیر قرون ثلثہ کی علمی، مذہبی اور اخلاقی تاریخ کا مطالعہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے دلیل راہ اور مضطرب قلوب کے لئے آب حیات ہے۔ راقم سطور کے خیال میں تبع تابعین کی اہمیت اس حیثیت سے تابعین سے بھی زیادہ ہے کہ انہوں نے ایک نہایت پر فتن اور پر شور زمانہ میں اسلام کے دفاع، علوم دینیہ کی تدوین اور مذہب کی حفاظت و صیانت کے روشن کارنامے انجام دیئے اور حسن کردار و عمل کی قندیلیں فروزاں کیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس برگزیدہ اور مقدس جماعت نے اسلامی افکار و عقائد کے سرچشمہ کو صاف و شفاف رکھنے اور علوم دینیہ کی ترتیب و تدوین کی کوشش نہ کی ہوتی تو نہ معلوم آج اسلامی علوم کی تاریخ کیا ہوتی۔

خلافت راشدہ کی فصل بہار گزرتے ہی جب عنان قیادت بنو امیہ (عہد تابعین) اور اس کے بعد بنو عباس (عہد تبع تابعین) کے ہاتھوں میں آیا تو اسلامی معاشرہ نئے نئے فتنوں اور برائیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ فتوحات کی وسعت سے اسلام کا پرچم بلاد عجم کے آخری حصوں تک لہرانے لگا تو فلسفیانہ علوم و افکار کا شیوع ہوا، بکثرت اعتقادی فرقے دین قیم کا چہرہ بگاڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیعہ اور خوارج کے علاوہ معتزلہ، جہمیہ اور قدریہ وغیرہ نے اپنے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی ترویج کے لئے علم اور سیاست سے آگے بڑھ کر حرب و پیکار کی حد تک کوششیں کیں، تبع تابعین نے پامردی اور استقامت کے ساتھ ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا، مثال کے طور پر معتزلہ نے عہد مامونی میں خلق قرآن کا عظیم ترین فتنہ کھڑا کر دیا۔ جس کا ذکر اس کتاب میں متعدد جگہ ملے گا۔ یہ عقیدہ دراصل مسئلہ صفات کی موشگافیوں کا ایک شاخسانہ تھا۔ معتزلہ نے اس عقیدہ کی اشاعت و ترویج کے لئے حکومت کے ایوانوں کو منتخب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس مسئلہ کو دلیل و برہان اور فکر و تعمق کی روشنی میں حل ہونا تھا اس کو قید و بند اور تازیانوں کے ذریعہ حل کرے

کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ بکثرت فقہاء و محدثین کو (جو زمرۂ تبع تابعین سے تعلق رکھتے تھے) مسئلہ خلق قرآن پر معتزلہ سے تصادم میں موج خون سے گزرنا پڑا۔ کتنوں نے اس راہ عزیمت میں جام شہادت نوش کیا۔ کتنوں نے دار و رسن کو لبیک کہا، کتنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور بہت سے ایسے بھی تھے، جنہوں نے "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ" (۱) پر عمل پیرا ہوکر رخصت کی راہ اختیار کی۔ فرضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔

خدا بانیانِ دارالمصنفین کو کروٹ کروٹ جنت نعیم نصیب فرمائے کہ انہوں نے صحابۂ کرامؓ، تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے مستند سوانح حیات اور ان کے علمی، مذہبی اور اخلاقی کارناموں کا مرقع تیار کرانے کا ایک وسیع منصوبہ مرتب کیا، پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر راقم رنج و مسرت کے ملے جلے جذبات سے دوچار ہے، مسرت اس بات کی ہے کہ خداوند قدوس نے اس گناہ گار کو اتنے مقدس اور پاکیزہ کام کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائی اور شاید ان برگزیدہ اخیار امت کے صدقہ میں راقم کی مغفرت کا بھی سامان ہو جائے، لیکن ساتھ ہی اس بات کا رنج و افسوس بھی ہے کہ استاذ محترم شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم جنہوں نے بڑی توقعات کے ساتھ یہ کام خاکسار کے سپرد کیا تھا، کتاب کی اشاعت سے قبل ہی عالم بقا کو سدھار گئے۔ نہ معلوم ان کی توقعات کس حد تک پوری ہوسکی ہیں۔ جیسا کہ مرحوم نے "تابعین" کے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ وہ خود ہی تبع تابعین کی تالیف کے بھی متمنی تھے، مگر دارالمصنفین کے فرائض منصبی اور دوسرے علمی کاموں کی مصروفیت میں انہیں اس کا موقع نہ مل سکا، وہ اگر آج ہوتے تو اپنے دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر دیکھ کر یقیناً قلبی مسرت محسوس کرتے۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ یہ اہم کام محترمی سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے عہد نظامت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ میں مخدومی مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس کتاب کے مسودے کا ایک ایک حرف خاکسار سے پڑھوا کر سنا۔

تبع تابعین کا خالص دور تقریباً ایک صدی تک محیط رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت میں بہت کثرت سے فقہاء، محدثین اور ارباب دعوت و ارشاد پیدا ہوئے ہوں گے۔ اگر ان سب کا استقصا کیا جائے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہوسکتی ہیں، لیکن تبع تابعین کی پیش نظر جلد میں صرف ایسی ۹۶ شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جنہوں نے کسی خاص میدان علم میں علم امتیاز بلند کیا ہے، یا

(۱) ترجمہ: سوائے اس شخص کے جو حد درجہ مجبور کردیا گیا اور (اس حال میں بھی) اس کا دل ایمان و یقین پر قائم رہا۔

علوم دینیہ کی ترتیب وتدوین میں ان کی نمایاں خدمات رہی ہیں یا وہ دنیائے معرفت وتصوف اور دعوت وارشاد میں بلند مرتبہ حاصل کر کے صلحائے امت میں شمار کئے گئے۔ اس کتاب میں آپ کو متعدد ایسے تبع تابعین مثلاً ابو معشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ، اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حالات وکارنامے بھی ملیں گے جنہوں نے بغرض تجارت سرزمین ہند کو اپنے ورود میمون سے سرفراز کیا، اور اپنے طویل قیام کے دوران میں یہاں کی فضاؤں کو اخوت، انسانیت، مساوات، حب الٰہی، رضا طلبی، ایمان ویقین اور قناعت وتوکل کے پاکیزہ جذبات سے معمور کیا، آج ہندوستان میں ہر سو اسلام اور اسلامیات کی جو بہار نظر آتی ہے، درحقیقت یہ سب پودا ان ہی سابقین اولین بزرگوں کی لگائی ہوئی ہے۔

آخر میں راقم سطور اپنے شفیق استاذ مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے کہ موصوف نے نہ صرف کتاب کے مسودہ کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر گرانقدر ہدایات اور مشوروں سے رہنمائی فرمائی، بلکہ اس پر وقیع اور حوصلہ افزا مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ دعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر اہل یقین کی عملی زندگی میں استغنا و بے نیازی، زہد واتقاء، حق گوئی و بے باکی، سادگی وتواضع اور باہمی اخوت ومودت کی وہی کیفیات پیدا ہو جائیں جو تبع تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا طغرائے امتیاز تھیں۔

خاکسار
محمد نعیم صدیقی
دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ
۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت آدم ابن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام آدم اور کنیت ابوالحسن تھی، جتنا نسب نامہ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن بن محمد۔(۱) لیکن خطیب بغدادی اور بعض دوسرے محققین نے ان کے والد کا نام ناہیہ اور جدامجد کا شعیب بتایا ہے، امام بخاری نے جنہیں ابن ابی ایاس سے تلمذ خاص کا شرف حاصل ہے، اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔(۲) یہ نسلاً تمیمی نہیں تھے، بلکہ آقا کے خاندان کی نسبت سے تمیمی کہلاتے ہیں۔

ولادت اور وطن:۔ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، مرو (خراسان) کے رہنے والے تھے، لیکن نشوونما بغداد میں پائی، پھر علم وفضل میں باکمال ہونے کے بعد عسقلان کو وطن ثانی بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اسی بنا پر عسقلانی کہلاتے ہیں۔(۳)

علمی سفر:۔ وہ تمام عمر فنافی العلم رہے، جہاں کہیں بھی انہیں کسی چشمہ علم کا پتہ چلا راہ کی تمام صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچے اور سیرابی حاصل کی، ابتداء میں انہوں نے شیوخ بغداد سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں وقت کے دوسرے ممتاز علمی مراکز تک پہنچایا، چنانچہ انہوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز اور شام کی رہ نوردی کر کے وہاں کے ماہر فن اساتذہ کے باغ علم سے خوشہ چینی کی، امام زمانہ شعبہ بن الحجاجؒ سے تلمذ خاص کا شرف رکھتے تھے۔(۴)

فضل وکمال:۔ وہ نہ صرف علمی حیثیت سے صاحب کمال تھے، بلکہ زہد وعبادت، ضبط وحفظ اور ثقاہت وتثبت میں بھی جلیل المرتبت تھے۔ امام شعبہؒ کی مجلس درس میں جو سات علماء روایات کو ضبط تحریر میں لاتے تھے ان میں ابن ابی ایاسؒ سب سے ممتاز تھے۔(۵) حافظ ذہبیؒ انہیں ''المحدث الامام الذاہد'' لکھتے ہیں۔(۶)

قرآن:۔ علوم قرآن کی کامل معرفت اور مختلف قراتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے، طلبہ کو اس کا درس بھی دیا کرتے تھے۔(۷)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۱۹۶۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۷۔ (۳) کتاب الانساب ورق ۳۹۰۔ (۴) تاریخ بغداد، ج ۷ صفحہ ۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ، ج ا، صفحہ ۳۷۵۔ (۶) ایضاً۔ (۷) تاریخ بغداد، ج ۷، صفحہ ۲۷

حدیث:۔ حدیث میں انہیں جن شیوخ سے سماع اور اکتساب فیض کا موقع ملا تھا، ان کی فہرست خاصی طویل ہے، کیونکہ انہوں نے بغداد کے علاوہ دوسرے مقامات کے اساتذہ کے سامنے بھی زانوے تلمذ تہہ کیا تھا، ممتاز اور لائق ذکر علماء میں امام شعبہؒ کے علاوہ ابن ابی ذئب، اسرائیل بن یونس، لیث بن سعد، اسمٰعیل بن عیاش، ربیع بن صبیح، حماد بن سلمہ، مبارک بن فضالہ، ابومعشر المدنی، عبداللہ بن مبارک، ابی خالد الاحمر اور بقیہ بن الولید خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔(۱)

اسی طرح خود ان کے دبستان علم سے بھی ایک بڑی جماعت نے گل چینی کی ہے، جن میں امام بخاریؒ، ابوزرعہؒ، ابو حاتمؒ، ابراہیم بن ہانی النیسا پوری، امام دارمی، عبید بن آدم، اسحاق بن اسمٰعیل جیسے ائمہ اعلام کے نام شامل ہیں۔(۲)

ثقاہت:۔ اکثر علماء نے ان کی ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، حضرت ابو حاتمؒ کا قول ہے "**ثقة مامون متعبد**"(۳) سلیمان الاشعث ابن معین اور عجلی نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ابن اثیر **کان ثقة حفاظاً** لکھتے ہیں۔(۴)

عبادت اور اتباع سنت:۔ جلالت علم کے ساتھ صلاح وتقویٰ کے بھی پیکر مجسم تھے۔ ابن عمادؒ نے لکھا ہے کہ وہ صالح اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔(۵) خطیب بغدادی رقم طراز ہیں **کان احد عباد الله الصالحين**۔(۶) عجلی کا قول ہے، وہ اللہ کے بہترین بندے تھے۔(۷) علامہ ابن جوزی انہیں صاحب صلاح اور متبع سنت قرار دیتے ہیں،(۸) ابن ابی ایاس اتباع سنت کا مثالی نمونہ تھے۔ ان کا ہر عمل اسی سانچہ میں ڈھلا ہوتا تھا، خطیب رقم طراز ہیں:۔

کان آدم مشهور بالسنة شديد التمسک بها والحض علیٰ اعتقادها (۹)

"حضرت آدم بن ایاس اتباع سنت میں شدت کے لئے مشہور ہیں۔"

فتنۂ خلقِ قرآن میں ان کا موقف:۔ مامون اور معتصم کے عہدِ خلافت کا بدنام زمانہ خلقِ قرآن ابن ابی ایاس کی وفات سے دو سال قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔ مرکزِ خلافت سے بہت دور عسقلان میں گوشہ گیر ہونے کی وجہ سے وہ اس فتنہ کی آنچ سے محفوظ رہے، لیکن اس مسئلہ میں

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۷، صفحہ ۲۷ و تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۳۷۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۸۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۷۔ (۴) اللباب فی الانساب ج ۲ صفحہ ۱۳۶۔ (۵) شذرات ج ۱ صفحہ ۴۷۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۷۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ الذہبی ج ۱ صفحہ ۳۷۵۔ (۸) صفوۃ الصفوۃ، ج ۴ صفحہ ۳۸۰۔ (۹) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۸

ان کا موقف بہت واضح تھا، بلکہ اپنے عقیدہ میں ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ خلق قرآن کے قائلین کو سلام کرنا اور جواب دینا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر اعین اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بغداد سے ابن ابی ایاسؒ کی خدمت میں عسقلان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لیث بن سعد کے کاتب عبداللہ بن صالح نے آپ کو ہدیہ سلام پیش کیا ہے، فرمایا کہ میری طرف سے سلام کا جواب نہ کہنا، عرض کیا کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟'' فرمایا'' اس لئے کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔''

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے انہیں ابن صالح کی ندامت وشرمندگی، عذرخواہی اور رجوع کی خوش خبری سنائی تو ابن ابی ایاس نے فرمایا کہ'' اب میری جانب سے بھی ان کو بہت بہت سلام کہنا۔''

اس کے بعد راوی مذکور بیان کرتے ہیں کہ میں عسقلان میں کچھ دنوں قیام کے بعد بغداد واپس ہونے لگا تو ابن ابی ایاس نے فرمایا'' احمد بن حنبل سے سلام کے بعد کہنا کہ آپ اس وقت جس سخت ابتلاء سے گزر رہے ہیں اسے آپ تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنایئے، بلاشبہ اس وقت آپ جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں، نیز ان سے میری طرف سے یہ حدیث بھی بیان کر دینا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من ارادکم علی معصیۃ اللہ فلا تطیعوہ.

'' جو تم سے اللہ کی معصیت کا خواہاں ہو، اس کی اطاعت نہ کرو۔''

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ میں بغداد کے قید خانہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے ملا اور ابن ابی ایاسؒ کا پیغام اور حدیث ان تک پہنچا دی، اسے سن کر امام موصوفؒ تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر فرمایا:

رحمۃ اللہ حیاو میتا ولقد احسن النصیحۃ (۱)

'' اللہ ان پر زندگی اور موت کے بعد رحم فرمائے انہوں نے بڑی اچھی نصیحت کی۔''

وفات: ۔ جمادی الاخریٰ ۲۲۰ھ میں بمقام عسقلان رحلت فرمائی۔ یہ معتصم باللہ عباسی کی خلافت کا زمانہ تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی۔ (۲)

حضرت ابوعلی المقدسیؒ کہتے ہیں کہ جب امام موصوف کا وقت آخری نزدیک آ گیا تو انہوں نے قرآن پاک کا ایک ختم کیا اور موت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تو آج کے دن کا شدت سے منتظر تھا اور تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ پھر لَاالٰہَ اِلَّااللّٰہُ پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (۳)

(۱) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۸۔ ۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد، جلد ۷ صفحہ ۱۸۲۔ (۳) صفوۃ الصفوۃ، ج ۴ صفحہ ۲۸

حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام ابراہیم، کنیت ابواسحاق اور شجرۂ نسب یہ ہے:

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن حضرت عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔(۱)

قریش کے خاندان بنوزہرہ سے نسبی تعلق تھا، مشہور صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی تمام اولاد اپنے جد امجد کی طرف منسوب ہوکر عوفی کہلاتی ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیمؒ بھی عوفی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔(۲)

ولادت، وطن اور خاندان:۔ دیارِ اقدس مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، ان کے سنہ ولادت کے بارے میں صریح طور پر صرف امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہؒ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ولد ابراہیم بن سعد سنہ ثمان ومائۃ۔(۳) ابراہیم بن سعد ۱۰۸ھ میں پیدا ہوئے ان کی عمر اور سنہ وفات کے بارے میں علماء بہت مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۸ھ، ۱۰۹ھ یا ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ان میں اول الذکر کے تائید کی بیانات زیادہ ہیں۔

ان کے خاندان کی علمی فضیلت اور علوئے شان محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کے جداعلیٰ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ان جانباز صحابہ کرامؓ میں تھے جن کا کیسۂ فضل وکمال نہ صرف علمی زروجواہر سے مالا مال تھا، بلکہ ان کی اصابت فکرونظر، صدق وعفاف، انفاق فی سبیل اللہ اور ترحم وفیاضی خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلم خیال کی جاتی تھی، اس طرح قاضی ابراہیم کے ہم نام دادا اپنے عہد کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے، کمال علم کے باعث ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ کے قاضی رہے۔(۴)

حدیث:۔ حدیث نبوی ﷺ کی تحصیل وسماع سے انہیں خاص شغف تھا، منتخب روزگار شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے دامن کو حدیث نبوی ﷺ کے جواہر پاروں سے پر کیا۔

علامہ ابن سعدؒ ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔(۵) خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم بن سعدؒ اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۱۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۵۸۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔
(۴) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۸۳۔ (۵) طبقات ابن سعد، ج ۷ صفحہ ۶۸

بڑے عالم حدیث تھے، اور اس وقت کے مدنی علماء میں ان سے زیادہ ذخیرہ روایات کسی کے پاس موجود نہ تھا(۱) ابراہیم زبیریؒ کا بیان ہے کہ:

کان عند ابراهیم بن سعد عن ابی اسحاق سبعة عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی رواها البخاری عنه واحتج به فی کتب الاسلام (۲)

ابراہیم بن سعدؒ کے پاس مغازی کے علاوہ صرف احکام کے سلسلہ کی سترہ ہزار حدیثیں تھیں جنہیں امام بخاریؒ نے ان سے روایت کیا ہے، اور ابراہیمؒ قابل استاد تھے۔

علامہ خزرجیؒ انہیں **احد الاعلام** اور حافظ ذہبیؒ **احد الاعلام الثقات** لکھتے ہیں۔(۳)

اساتذہ:۔ قاضی ابراہیمؒ کے شیوخ حدیث کی طویل فہرست میں ان کے والد سعد کے علاوہ درج ذیل اسمائے گرامی بہت ممتاز ہیں۔

امام زہری، ہشام بن عروہ، محمد بن اسحاق، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، یزید بن الہاد، شعبہ۔

تلامذہ:۔ اسی طرح ان سے روایت کا شرف حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی کافی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ، بصرہ اور بغداد کا کوئی ایسا قابل ذکر عالم نہیں جس نے ان سے روایت نہ کی ہو، اس میں ان کے صاحبزادگان یعقوب اور سعد کے علاوہ امام احمد بن حنبل، منصور بن ابی مزاحم، حسین بن یسار، یزید بن ہارون، یونس بن محمد المؤدب، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرحمن بن مہدی، نوح بن یزید، سلیمان بن داؤد الہاشمی، علی بن الجعد محمد بن جعفر، عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں لیث بن سعد، قیس بن الربیع، یزید بن ہارون اور امام شعبہؒ نے بھی اپنی جلالتِ مرتبت اور تقدم کے باوجود ان سے روایت کی ہے۔(۴)

مرویات کا پایا:۔ تمام ائمہ جرح وتعدیل نے ایک زبان ہو کر ان کی ثقاہت وعدالت کو سراہا اور ان کے ثبات واستناد کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ابراہیم بن سعد کی ثقاہت میں کلام کرتا ہے تو وہ بڑا ظالم ہے۔(۵) ابن معینؒ کا قول ہے،

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۹۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۷ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۱ و تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۱۸۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۳۔

ابراہیم بن سعدؒ ثقہ اور حجت ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں "ھو من ثقات المسلمین" علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سعدؒ بغیر کسی شرط کے ثقہ ہیں (۱) امام احمد، ابو حاتم ابوزرعہ اور ابن خراشؒ بھی ان کی صداقت وثقاہت کے معترف ہیں۔ (۲)

عہدۂ قضا:۔ مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ تک قضا کے فرائض بھی انجام دیئے، اسی لئے قاضی مدینہ کہے جاتے ہیں۔ (۳)

بغداد میں آمد اور خزانہ کی افسری:۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ قاضی ابراہیمؒ کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا، جہاں وہ ایک عرصہ تک فضل ودانش کی گہرباری کرتے رہے، پھر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مرکز علم وفن بغداد منتقل ہو گئے، وہاں ان کی آمد کے صحیح وقت کی تعیین مشکل ہے، خطیبؒ نے صرف اتنے ہی ذکر پر اکتفا کیا ہے کہ:

كان قد نزل بغداد واقام بها الى حين حياته (۴)

"وہ بغداد آئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔"

خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے بغداد آنے پر ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور ان کی دیانت وتقویٰ کے اعتراف کے طور پر انہیں بیت المال کا نگران مقرر کیا۔ (۵)

موسیقی:۔ تاریخ بغداد کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے، لیکن یہ روایتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

وفات:۔ ۷۳ یا ۷۴ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ عمر کی طرح سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے، کوئی ۱۸۳ھ کہتا ہے، کوئی ۱۸۴ھ (۶) مگر ساری روایتوں پر غور کرنے کے بعد ۷۴ سال کی عمر اور ۱۸۳ھ سنہ وفات صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (۷)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۱۸، شذرات الذہب ج ا صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۲۹۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۱۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۸۔ (۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بغدادی ج ۶ صفحہ ۸۴۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۸۔

حضرت ابو اسحاق ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔ ابراہیم نام، ابو اسحاق کنیت، مکمل شجرۂ نسب یہ ہے:

ابراہیم بن محمد بن ابی حصن الحارث بن اسماء بن خارجہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر (۱) نام کے بجائے کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ قبیلہ بنو فزارہ سے نسبت ولاء رکھنے کی وجہ سے فزاری کہلائے۔ (۲)

مولد اور خاندان: ۔ کوفہ سے چند فرلانگ پر واقع مقام واسط کو ان کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن بعد میں شام کے سرحدی شہر مصیصہ میں مستقل سکونت، اختیار کر لی تھی، ان کا خاندان علم وفضل میں بہت ممتاز تھا، ان کے جدامجد اسماء بن خارجہ (۶۶ھ) تابعین کرام کے طبقہ علما میں شمار ہوتے تھے۔ (۳)

فضل وکمال: ۔ حضرت ابو اسحاق الفزاری علم ودانش کا وہ نیر تاباں تھے، جس کی روشنی دور دور پھیلی۔ ان کی ذات صرف تبحر علم ومہارت فن ہی میں نہیں بلکہ مکارم اخلاق، طہارت عقائد اور استغناء وبے نیازی وغیرہ کے اعتبار سے بھی بے نظیر تھی، حدیث وفقہ میں امامت واجتہاد کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، ابو داؤد والطیالسی کا بیان ہے۔

مات ابو اسحاق الفزاری وماعلیٰ وجه الارض افضل منه (۴)

''ابو اسحاق الفزاری نے وفات پائی تو پورے روئے زمین پر ان سے بڑا افاضل کوئی نہ تھا۔''

حافظ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں:

ابو اسحاق الفزاری امام اهل الشام بعد الاوزاعی فی المغازی والعلم والعبادة (۵)

''امام اوزاعیؒ کے بعد شام میں ابو اسحاق الفزاریؒ مغازی، علم اور عبادت میں درجہ امامت رکھتے تھے۔''

علامہ ابن عساکر دمشقیؒ لکھتے ہیں، **احد ائمة المسلمین واعلام الدین۔ (۶)**

شیوخ وتلامذہ: ۔ جن اساطین علم سے انہوں نے فیض حاصل کیا ان میں امام اعمش، ہشام

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۱ وطبقات ابن سعد، ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۲۱۳۔ (۳) الاعلام ج ۲ صفحہ ۱۰۲۔ (۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۳۰۔ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱۰، صفحہ ۱۸۶۔ (۶) التاریخ الکبیر، ج ۲ صفحہ ۲۵۲

بن عروہ، ابو اسحاق السبیعی، حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن سعید، مالک بن انس، شعبہ، سفیان ثوری، عطاء بن السائب اور عبید اللہ بن عمر کے اسماء لائق ذکر ہیں۔

اور اسی طرح معاویہ بن عمر، زکریا بن عدی، عبد اللہ بن مبارک، محمد بن کثیر، مسیب بن واضح، محمد بن سلام، عبد اللہ بن عون، محمد بن عبید الرحمٰن اور علی بن بکار ان کے نامور تلامذہ میں ہیں۔

حدیث:۔ یوں تو وہ جملہ اسلامی علوم میں کمال رکھتے تھے، لیکن حدیث نبوی ان کا خاص موضوع تھا، اسانید اور اسماء الرجال کی معرفت میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے، ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید نے ایک بددین کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا ''اے امیر المومنین آخر آپ میرے قتل کا حکم کیوں دیتے ہیں؟ ہارون نے جواب دیا ''اللہ کے بندوں کو تیرے فتنے سے بچانے کے لئے۔ اس پر وہ زندیق بولا: ''آپ مجھے قتل کر کے کیا کریں گے میں نے جو چار ہزار روایات وضع کر کے عوام میں پھیلاوی ہیں، ان کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟'' ہارون نے فوراً کہا:

این انت یاعدو اللہ من ابی اسحاق و عبداللہ ابن مبارک یخلا نہا فیخرجانہا حرفاً حرفاً (۱)

''اے دشمن خدا! تو ہے کس خیال میں! ابو اسحاق الفزاری اور عبد اللہ بن مبارک ان تمام جعلی حدیثوں کو چھلنی میں چھانیں گے اور ان کا ایک ایک حرف نکال باہر کریں گے۔''

امام جرح و تعدیل عبد الرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہر عالم کسی نہ کسی فن میں درجہ امتیاز رکھتا ہے، چنانچہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید، کوفہ میں زائدہ و مالک بن مغول، حجاز میں مالک بن انس، اور شام میں ابو اسحاق الفزاری و اوزاعیؒ سے بڑا حدیث کا نکتہ شناس کسی کو نہیں دیکھا، اگر کوئی راوی ان سے حدیث بیان کرے تو بلا ریب و شک وہ قابل اطمینان ہے، کیونکہ یہ لوگ سنت کے امام ہیں۔ (۲)

فقہ:۔ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی کمال حاصل تھا، علی بن بکارؒ کہتے ہیں کہ میں جن ائمہ علم و فن سے مل سکا ہوں ان میں ابو اسحاق الفزاری سے بڑا فقیہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ (۳) امام عجلیؒ کا بیان ہے کہ وہ کثرت حدیث کے ساتھ صاحب فقہ بھی تھے۔ (۴)

---

(۱) معجم الادباء، ج ا صفحہ ۲۸۵ و کتاب الموضوعات ملا علی قاری، صفحہ ۱۳۔ (۲) التاریخ الکبیر، ج ۲ صفحہ ۲۵۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ، ج ا صفحہ ۲۴۹۔ (۴) تہذیب التہذیب، ج ا صفحہ ۱۵۲

جرح وتعدیل:۔ اکثر علماء نے ان کی ثقاہت وعدالت کو تسلیم کیا ہے، امام عجلیؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ ثقہ، فاضل اور صاحب سنت تھے، (۱) امام نسائی اور ابو حاتم انہیں امام معتبر قرار دیتے ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، (۳) امام اوزاعیؒ ان کے شیوخ میں شامل ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے روایات کرتے ہیں، جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟ تو فرماتے:۔

حدثنی الصادق المصدوق ابو اسحاق الفزاری. (۴)

''مجھ سے صادق اور مصدوق ابواسحاق الفزاری نے یہ حدیث روایت کی ہے۔''

سرحد شام کی پاسبانی:۔ مصیصہ شام کا ایک نہایت خوبصورت شہر ہے، جس کی حفاظت ونگرانی کے فرائض علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیئے ہیں۔

ابواسحاق الفزاری بھی اس شرف سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہوں نے وہاں نہ صرف اپنے ایک لائق محافظ ہونے کا ثبوت دیا بلکہ اس سرحدی علاقہ کو قال اللہ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے بھی معمور کردیا، عجلی کا بیان ہے کہ:

هو الذی ادب الثغر و علمهم بالسنة. (۵)

''ان ہی نے سرحدی لوگوں کو باادب بنایا اور انہیں حدیث کی تعلیم دی۔''

پاکیزگی عقائد:۔ عقائد کے بارے میں وہ نہایت متشدد تھے، چونکہ خود ان کا آئینہ قلب شفاف تھا، اس لئے وہ اسی کا پرتو دوسروں میں بھی دیکھنے کے متمنی رہا کرتے تھے، اہل بدعت سے ملنا تک گوارا نہ فرماتے، حضرت ابومسہرؒ بیان کرتے ہیں کہ ''ابواسحاق الفزاریؒ دمشق میں آئے تو تشنگان علم گروہ در گروہ ان سے سماع حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو شخص قدریہ کے عقائد رکھتا ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے جو فلاں فلاں غلط عقائد کا حامل ہو وہ بھی ہماری مجلس میں شریک نہ ہو اسی طرح جو شخص حکمران وقت کے یہاں آمد ورفت رکھتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حسب الحکم یہ بات لوگوں کے گوش گزار کردی۔ (۶)

مصیصہ ہی کے دوران قیام میں ایک دن امام فزاریؒ کو خبر ملی کہ فرقہ قدریہ کا کوئی شخص ان

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۳۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۳۔ (۵) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔

سے ملاقات کا خواہاں ہے، امام صاحب نے کہلا بھیجا کہ وہ فوراً یہاں سے چلا جائے۔(۱) عقائد کے بارے میں ان کی شدت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب انہیں علم ہوتا کہ سرحد میں کوئی بدعتی شخص داخل ہوا ہے تو فوراً اسے شہر بدر کرا دیتے۔(۲)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: ۔ دوسرے علماء سلف کی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کا خاص شیوہ تھا اور اس میں وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اس تبلیغ ودعوت کے اثر سے اس وقت شہر مصیصہ میں شعائر اسلام کا بہت رواج ہو گیا تھا۔

استغنا: ۔ امام فزاریؒ کے پاس اگرچہ مال ودولت کی بڑی فراوانی تھی، لیکن ان کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے اپنی ذات پر کبھی ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا، جو کچھ ملتا وہ یا تو معذور اور اپاہج لوگوں میں تقسیم کر دیتے یا اہل طرطوس پر خرچ کر دیتے، ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو تین ہزار دینار دیئے، فرمایا کہ میں اس سے مستغنی ہوں اور کل رقم فوراً ہی خیرات کر دی۔(۳)

بشارت: ۔ حضرت فضیل بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شب مجھے عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کے پہلو میں کافی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھنے کے ارادہ سے آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے روک کر ارشاد فرمایا ھذا مجلس الفزاری !(۴) یہ ابو اسحاق الفزاری کی نشست گاہ ہے۔

وفات: ۔ ۱۸۵ھ، ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ میں بمقام مصیصہ رحلت فرمائی، علامہ یاقوت حمویؒ نے مؤخر الذکر سال وفات کو اصح قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر روایات سے ۱۸۵ھ کی تائید ہوتی ہے۔(۵) اس وقت ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر سن کر یہود ونصاریٰ تک فرط رنج والم سے اپنے سروں پر خاک اڑانے لگے، حضرت عطاءؒ کو جب ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو رو پڑے۔ اور فرمایا۔

ما دخل اھل الاسلام من موت احد ما دخل علیھم من موت ابی اسحاق(۶)

''ابو اسحاق الفزاری کی موت سے مسلمانوں کے دلوں پر جو کچھ گزر گئی وہ کسی اور کے مرنے

---

(۱) التاریخ الکبیر، ج ۲ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) معجم الادباء، ج ا صفحہ ۲۸۳۔ (۳) ایضاً ج ا صفحہ ۲۸۶۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۴۸۔ (۵) طبقات ابن سعد، ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ شذرات الذہب ج ا صفحہ ۳۰۷ ومعجم الادباء ج ا صفحہ ۲۸۲۔ (۶) تاریخ ابن عساکر، ج ۲ صفحہ ۲۵۵

سے نہیں گزری۔

تصنیف: ۔ تدلیس حدیث کی ساتھ وہ صاحب تصنیف بھی تھے، ابن ندیم نے فہرست میں ان کی تصنیف "کتاب السیر فی الاخبار والاحداث" کا ذکر کیا ہے، (۱) اس کتاب کے متعلق حمیدی امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس کے قبل سیرت میں کسی نے کتاب تصنیف نہیں کی، ابن ندیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو اسحاق الفزاریؒ (۲) اسلام کی پہلی شخصیت ہیں، جنہوں نے آلہ فلکی ایجاد کیا۔ اس فن میں ان کی تصنیف بھی ہے۔ (۳)

(۱) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) الفہرست بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲

حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ ابو حارث کنیت اور نام محمد تھا۔(۱) نسب کے اعتبار سے خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے۔(۲) اسی بنا پر قریشی اور مدنی کہلاتے ہیں، ان کا نام اگر چہ محمد تھا، لیکن جد امجد کی نسبت سے ابن ابی ذئب کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور نشوونما:۔ محرم ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اس سال مکہ میں بہت ہی ہولناک سیلاب آیا تھا، جس میں بڑی تعداد میں انسان اور حیوان غرق آب ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانی کی سطح اس حد تک بلند ہو گئی تھی کہ کعبہ مقدسہ کے ڈوب جانے کا خطرہ ہو گیا تھا، چونکہ یہ سیلاب ہر چیز کو بہا لے گیا تھا، اس لئے اسے سیل جحاف کہتے ہیں اور اس سال کا نام عام جحاف پڑ گیا۔(۳)

حضرت ابن ابی ذئبؒ نے زندگی کی بیشتر بہاریں اپنے مولد مدینہ طیبہ ہی میں گزاریں۔ خوش قسمتی سے انہوں نے وہ مبارک زمانہ پایا جب تابعین عظام کی مسند علم وفضل آراستہ تھی اور ان کے انوار کمال سے ایک عالم منور تھا۔ حضرت ابن ابی ذئبؒ کو ایسے جلیل المرتبت تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت حاصل ہوئی جن کی نظیر زمرہ اتباع تابعین میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

حدیث:۔ انہوں نے بکثرت علماء سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی، جن میں عکرمہ، نافع، عبداللہ ابن سائب ابن یزید، عجلان، صالح، سعید المقبری، اسحاق بن یزید، جبیر ابی صالح، عبدالرحمٰن ابن عطا، محمد بن المنکدر، شعبہ، محمد بن قیس (۴) وغیرہم داخل ہیں۔

حضرت ابی ذئبؒ کو امام مالکؒ کی ہم درسی کا شرف بھی حاصل تھا، ابن خلکانؒ رقمطراز ہیں کہ:

کانت بینھما الفۃ کبیدۃ و مودۃ صحیحۃ (۵)

ان دونوں (امام مالک اور ابن ابی ذئب) میں غایت درجہ مودت وانسیت تھی۔

فقہ:۔ حدیث رسول ﷺ میں امتیاز کے ساتھ انہیں فقہ میں بھی خصوصی درک تھا۔ مدینہ اور کوفہ میں عرصہ تک افتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، بغدادیؒ نے ان کے ورع وصلاح کے ساتھ ان کے تفقہ کا بھی اعتراف کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ اپنے شہر میں مفتی کے فرائض بھی انجام

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۷۔ (۲) تاریخ ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔ (۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۹ صفحہ ۳۱۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲ و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۶ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۲۔ (۵) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۲۷

دیتے تھے۔(۱) مصعب الزبیری اور ابن حبان انہیں مدینہ کے فقہاء اور عبادت گزاروں میں شمار کرتے تھے۔(۲)

تلامذہ:۔ درس وتحدیث کے لئے مدینہ سے باہر شاذ ونادر ہی گئے۔ خطیب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ایام حج میں خلیفہ مہدی جب مدینہ گیا تو وہاں حضرت ابن ابی ذئبؒ کے علم و فضل سے اتنا متاثر ہوا کہ انہیں اپنے ہمراہ بغداد لیتا آیا، جہاں انہوں نے کچھ عرصہ تک حدیث کا درس (۳) دیا، لیکن سفر سے اجتناب کے باوجود ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں حسب ذیل ائمہ وفضلاء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سفیان ثوری، معمر، سعد بن ابراہیم، ولید بن مسلم، عبداللہ بن مبارک، حجاج بن محمد، شبابہ بن سوار، محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک، یحییٰ بن سعید القطان، محمد بن ابراہیم بن دینار، محمد بن عمر الواقدی، عبداللہ بن وہب، معن بن عیسیٰ، اسحاق بن محمد الفروی، آدم بن ابی ایاس، ابو عاصم، ابو نعیم۔(۴)

فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے حضرت ابن ابی ذئبؒ بلند مرتبہ اتباع تابعین میں تھے، انہوں نے کثیر التعداد تابعین سے استفادہ کیا تھا، اس لئے حدیث وفقہ میں کامل الفن بن کر نکلے۔

امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اپنے ملک میں ابن ابی ذئبؒ علم وفضل کے اعتبار سے کوئی ہمسر رکھتے تھے؟ فرمایا نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کی نظیر مفقود تھی۔

(۵) امام شافعیؒ بایں ہمہ جلالت شان اکثر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

مافاتنی احد فاسفت علیه ما اسفت علی اللیث و ابن ابی ذئب(۶)

"مجھے کسی اور امام سے مستفید نہ ہونے کا اتنا افسوس نہیں جتنا اس بات کا رنج اور افسوس ہے کہ مجھے لیث بن سعدؒ اور ابن ابی ذئبؒ سے کسب فیض کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔"

حافظ ابن حجرؒ نے امام احمدؒ کا یہ قول بروایت ابی داؤد نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئب اپنے علم و فضل میں شہرۂ آفاق تابعی سعید بن المسیبؒ سے مشابہ تھے۔(۷)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار امام مالکؒ خلیفہ منصور کے پاس گئے تو اس نے دریافت کیا "مدینہ میں اس وقت کون کون اساتذہ علم وفن ہیں؟" فرمایا "امیر المومنین! وہاں ابن ابی ذئب،

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۰۶۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۴۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۲۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۴

ابن ابی سلمہ اور ابن ابی سبرہ جیسے یکتائے روزگار شیوخ ہیں۔(۱) امام احمدؒ انہیں علم وفضل کے اعتبار سے امام مالکؒ سے افضل قرار دیتے تھے۔ سوائے اس کے کہ امام مالکؒ رجال کی تحقیق میں نسبتاً زیادہ سخت تھے۔(۲)

قوت حافظہ:۔ جمیع اتباع تابعین کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے ایک چیز ان میں قدر مشترک کے طور پر نظر آتی ہے، وہ ان کی غیر معمولی قوتِ حافظہ ہے۔ اس کا سبب دراصل طہارت اخلاق اور کبائر و معاصی سے کلی اجتناب ہے، امام وکیع ؒ اپنے تلامذہ کو برابر اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قوتِ حافظہ بڑھانا ہو تو معاصی سے پرہیز کرو اور ظاہر ہے کہ اتباع تابعین سے زیادہ پاک وصاف زندگی کس کی ہو سکتی ہے، اس لئے ان کے دوسرے مناقب کے ساتھ ذہانت و فطانت اور حفظ وضبط بھی ان کے صحیفۂ کمال کے درخشاں ابواب ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن ابی ذئبؒ کو بھی مبداء فیض سے ذہانت وفطانت کا وافر حصہ نصیب ہوا تھا، بلاشبہ ان کے علم وفضل میں مشاہیر شیوخ کے فیض صحبت کے ساتھ ان کی طبعی ذہانت اور فطری استعداد کو بھی بڑا دخل تھا۔ خود ان کے بھائی کا بیان ہے کہ ان کے پاس کتاب نہیں تھی۔ وہ حدیث یاد کر لیا کرتے تھے۔(۳) واقدیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ:

و کان یحفظ حدیثہ لم یکن لہ کتاب و لا شئی ینظر فیہ(۴)

''وہ اس طرح حدیث یاد کرتے تھے کہ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب ہوتی ورنہ کوئی اور ہی چیز جس میں دیکھ سکیں۔''

ثقاہت و عدالت:۔ حضرت بن ابی ذئبؒ کی ثقاہت و عدالت پر ائمہ اور ماہرین فن متفق ہیں، ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں نمایاں طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

احد الاعلام الثقات متفق علیٰ عدالتہ (۵)

''وہ ثقہ کبار ائمہ میں سے تھے، ان کی عدالت پر اتفاق ہے۔''

امام نسائی، یعقوب بن شیبہ اور امام احمدؒ نے بتصریح ان کی توثیق کی ہے، یحییٰ بن معین کا قول ہے:

ابن ابی ذئب مدنی ثقۃ (۶)

---

(۱) وفیات الاعیان ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۷۱۔ (۳) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۴۵۔ (۴) تاریخ بغداد، ج ۲ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۹۰۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۳

''ابن ابی ذئب مدنی ثقہ ہیں۔''

ابو جابر بیاضی کے علاوہ ابن ابی ذئب کے تمام شیوخ بھی ثقہ اور صدوق تھے، بیاضی کی عدالت میں کلام کیا گیا ہے، چنانچہ احمد بن صالح اور یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ:

شیوخ ابن ابی ذئب کلھم ثقات الا اباجابر البیاضی (۱)

''ابن ابی ذئب کے شیوخ ثقہ ہیں، صرف ابو جابر بیاضی کے بارے میں کلام ہے۔''

ان کی ثقاہت کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں ان کی روایت نقل کی ہے۔(۲)

قدری ہونے کا الزام:۔ بعض لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام بھی عائد کرتے ہیں، فرقہ قدریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان تمام کام اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، خدا کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن مورخین نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔(۳)

اس الزام کی حقیقت پر سب سے زیادہ وضاحت سے واقدیؒ نے روشنی ڈالی ہے وہ رقمطراز ہے:

ما کان قدریاً لقد کان ینفی قولھم ویعیبه، ولکنه کان رجلاً کریما یجلس الیه کل احد ویغشاه فلا یطرده ولا یقول له شیئا وان ھو مرض عاده، فکانوا یتھمونه بالقدر لھذا وشبه (۴)

''وہ قدری نہیں تھے، بلکہ وہ تو اہل قدر کو اور ان کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے، بات یہ ہے کہ وہ شریف انسان تھے، ہر قسم کے اشخاص ان کے پاس بیٹھتے اور جمع ہو جاتے وہ فرط شرافت میں ان کو کچھ بھی نہیں کہتے بلکہ اگر وہ بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کو بھی جاتے۔ اسی بناء پر لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام لگانے لگے۔

ایک دفعہ احمد بن علی الابار نے شیخ وقت مصعب الزبیریؒ سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ ابن ابی ذئب پر قدری ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا'' خدا کی پناہ! اس الزام کے تار و پود صرف اس واقعہ سے تیار کئے گئے کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں کچھ اہل قدر (فرقہ قدریہ کے لوگ) مدینہ آئے، کچھ مقامی لوگوں نے پکڑ کر انہیں مارنا شروع کر دیا، اسی دوران مضروبین میں سے کچھ لوگ بھاگ کر ابن ابی ذئبؒ کے پاس جا بیٹھے تا کہ مار سے محفوظ رہیں۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱

بس کل اتنی سی بات تھی جس میں افسانہ کی رنگ آمیزی کر کے کہا گیا کہ وہ لوگ ابن ابی ذئبؒ کے پاس اس لئے بیٹھے کہ وہ عقیدہ قدر کے قائل تھے،(۱) اس کے بعد مصعب الزبیری کہتے ہیں "مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ قدریین مار کے ڈر سے ابن ابی ذئبؒ کی پناہ میں جا کر بیٹھ گئے، تاہم شیخ نے ان سے گفتگو بالکل نہیں کی۔(۲)

ائمہ کا اعتراف:۔ بیشتر علماء وائمہ نے حضرت ابن ابی ذئبؒ کے گوناگوں کمالات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہ پُرحسرت قول اوپر گذر چکا کہ مجھے زندگی بھر اس کا غم رہے گا کہ ابن ابی ذئبؒ سے استفادہ نہ کر سکا۔ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ابن عجلان اور ابن ابی ذئب میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ فرمایا" دونوں ہی ثقہ ہیں۔"

حماد بن ابی خالدؒ کا بیان ہے کہ خصائل وکمالات میں ابن ابی ذئبؒ اپنے زمانہ کے سعید بن المسیبؒ تھے، وہ ثقہ، صدوق اور صالح تھے۔

حق گوئی اور بے باکی:۔ حضرت ابن ابی ذئبؒ کے صحیفہ کمال کا سب سے درخشاں باب جو انہیں بہت سے دوسرے ائمہ سے ممتاز کرتا ہے، ان کی جرأت، حق گوئی اور بیباکی ہے، انہوں نے حق بات کہنے میں کبھی بھی امراء اور اعیانِ سلطنت کا لحاظ نہیں کیا۔

اس معاملہ میں وہ بسا اوقات اتنی شدت سے کام لیتے تھے کہ ان کے عقیدت مندوں کو تشویش پیدا ہو جاتی تھی، مگر انہوں نے اس آئین جوانمردی میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر تمام ائمہ محققین نے کیا ہے۔ چنانچہ ابن حبانؒ لکھتے ہیں:

کان من اقول اھل زمانه للحق

"اپنے زمانہ میں وہ سب سے بڑے حق گو تھے۔"

واقدیؒ کا بیان ہے، وہ مردِ حق گو تھے(۳)

امام احمد کا قول ہے:

ابن ابی ذئب اقوم بالحق من مالک عند السلاطین (۴)

"ابن ابی ذئبؒ سلاطین کے سامنے امام مالکؒ سے کہیں زیادہ حق گو ثابت ہوتے تھے۔"

ان کی جرأت و بے باکی کے متعدد واقعات ملتے ہیں، جن میں سے نمونہ کے طور پر دو ایک

(۱) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۶۔ (۴) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال

یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت محمد بن القاسم بن خلادؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ زمانہ حج میں خلیفہ مہدی مسجد نبوی (علی صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) میں داخل ہوا تو تمام حاضرین نے دوردیہ کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا۔ اتفاق سے حضرت ابن ابی ذئبؒ بھی وہاں موجود تھے، مگر وہ حسب سابق بیٹھے رہے۔ مسیب بن زہیر نے جب ان سے کہا ''کھڑے ہوجایئے، امیر المومنین آئے ہیں'' تو بڑے پرسکون اور طمانیت کے ساتھ فرمایا:

انما یقوم الناس لرب العالمین

''صرف پروردگار عالم کے لئے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔''

شاہانہ تمکنت کے خلاف یہ جواب سن کر مقربین کی پیشانیاں شکن آلود ہوگئیں، لیکن صورتحال کی نزاکت کا خیال کر کے فوراً ہی مہدی سے کہا ''چھوڑ دو چھوڑ دو جاتے دو۔'' (۱)

اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس جا کر بہت سخت الفاظ میں ظلم وجور سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ منصور نے سب کچھ سن لینے کے بعد گردن جھکالی اور پھر محمد بن ابراہیم سے کہا کہ **ھذا الشیخ خیر اھل الحجاز** (۲) ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ پہلے تو کچھ کہنے سے انکار کرتے رہے، پھر جب اس نے قسم دلاکر پوچھا تو فرمایا:

اللھم لااعلمک الا ظالماً وجائراً

''بخدا میں تجھے محض ظالم اور جابر خیال کرتا ہوں۔''

عسرت:۔ حضرت ابن ابی ذئبؒ نے پوری زندگی نہایت تنگدستی اور عسرت کے عالم میں گذاری۔ اعیان سلطنت ہزاروں دینار دینا چاہتے تھے، مگر ان کی شانِ استغناء اسے قبول نہ کرنے دیتی۔ آخر عمر میں بصد اصرار ایک ہزار دینار اس شرط پر قبول کیے کہ انہیں اپنے استعمال میں نہ لائیں گے بلکہ مستحقین میں تقسیم کردیں گے۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ذئبؒ تنگدست تھے، واقدیؒ بھی ان کی مالی حالت حد درجہ سقیم بتاتے تھے، صرف روغن زیتون اور روٹی ان کی مستقل خوراک تھی۔ ان کے پاس صرف ایک چادر اور ایک کرتا تھا، جاڑے اور گرمی دونوں میں اسی کو استعمال کرتے تھے۔ (۳)

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔ (۲) مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۴۰۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۴

عبادت وریاضت:۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت عابد اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ ہمہ وقت خشیت الٰہی سے لرزاں رہتے، تمام رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے، ابن ابی ذئبؒ کی کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان سے کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہوگی تو اس کے لئے انہیں کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ (۱) بغدادیؒ نے ان کے بھائی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئبؒ نے ایک زمانہ تک صوم داؤدی کو معمول بنائے رکھا، ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز ناغہ کرتے۔ پھر آخر عمر میں مسلسل روزہ رکھنے لگے۔ (۲)

ورع وتقویٰ:۔ اس کے ساتھ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

كان من اورع الناس وافضلهم (۳)

''وہ لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور افضل تھے۔''

وفات:۔ رحلت سے چند سال قبل خلیفہ مہدی انہیں اپنے ہمراہ مدینہ سے بغداد لے آیا تھا، جہاں وہ کچھ عرصہ تک حدیث کا درس دیتے رہے اور ۱۵۸ ہجری میں وفات ہوگئی، کوفہ ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت عمر ۷۹ سال تھی۔ (۴) یہ ابن ابی فدیک کی روایت ہے، لیکن ابونعیم کا بیان ہے کہ ۱۵۹ ہجری میں وفات پائی۔ (۵) ابن عماد حنبلی اور یافعی وغیرہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۶)

---

(۱) مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۳۰ وشذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۵۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۵۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۴۔ (۶) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۵ ومراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۳۰

حضرت ابو معشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۷۰ھ

حضرت ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور راوی حدیث گزرے ہیں، عرصہ تک غلامی کی زندگی گزارنے کے باوجود علم و فضل میں نہایت بلند مقام حاصل کیا، مشہور تابعی ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔

وہ سندھی الاصل تھے، لیکن ان کے علم و فضل کی بناء پر عرب ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا، چنانچہ خود ان کی زندگی میں اُن کے عرب اور غیر عرب ہونے کی بحث چھڑ گئی تھی، ایک مرتبہ کسی نے انہیں یمنی کہا تو فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا:

ولاء نافی بنی ھاشم احب الی من نسبی فی بنی حنظله (۱)

''بنو ہاشم کے غلاموں میں ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے بنو حنظلہ میرا نسب ہو۔''

خطیب بغدادی نے خود ان کے صاحبزادے محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''میرے والد سندھی تھے۔'' عرب میں مدت تک رہنے کے باوجود زبان میں سندھیت کا اثر آخر وقت تک باقی رہا، چنانچہ وہ بعض عربی حروف کو صحیح طور پر تلفظ کرنے پر قادر نہ تھے۔ مثلاً کعب کو ہمیشہ قعب کہا کرتے تھے۔ ابونعیمؒ کہتے ہیں:

کان ابو معشرا سندیاً و کان رجلاً لکن یقول حدثنا محمد بن قعب یرید ابن کعب (۲)

ابو معشر سندھی تھے، ان کے عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہ تھا، وہ حدثنا محمد بن قعب کہتے تھے اور قعب سے کعب مراد ہوتی تھی۔

ابتدائی حالات:۔ حضرت ابو معشرؒ کے ابتدائی حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سندھ کی کسی جنگ میں جو مسلمانوں اور سندھیوں میں ہوئی تھی، گرفتار ہو کر حجاز گئے، وہاں بنی مخزوم کی ایک عورت نے خرید کر مکاتب بنالیا، کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ مہدی کی ماں

(۱) تاریخ بغداد، ج ۱۳ صفحہ ۴۲۸۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۳۱۳ و نزہۃ الخواطر، ج ۱ صفحہ ۴۵

نے رقم کتابت ادا کر کے آزاد کر دیا۔(۱) مدینہ میں عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مدنی بھی مشہور ہیں۔

تحصیل علم:۔ حضرت ابو معشرؒ کی زندگی کا کافی حصہ متعدد خاندانوں میں غلامی کرتے گزرا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں نے انہیں تحصیل علم کے پورے مواقع بہم پہنچائے۔ اس طرح وہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے چشمہائے علم سے سیراب ہوئے اور علم حدیث مغازی اور فقہ میں کمال پیدا کیا، بالخصوص فن مغازی میں ان کا پایہ درجہ امامت تک پہنچا ہوا ہے۔

حضرت ابو معشرؒ کے شیوخ میں درج ذیل ممتاز نام ملتے ہیں:

محمد بن کعب القرظی، نافع مولیٰ بن عمر، سعید المقبری، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ، ابی بردہ بن ابی موسیٰ، موسیٰ بن یسار، محمد بن قیس۔(۲)

حافظ ابن حجرؒ نے مشہور تابعی سعید بن المسیبؒ کو بھی ان کے شیوخ میں شمار کرایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ان کے استاذ سعید بن المسیبؒ نہیں، سعید المقبری تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔(۳)

تلامذہ:۔ حضرت ابو معشرؒ کے حلقہ درس سے جو طالبان علم فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بے شمار ہے، جس میں بہت سے جلیل القدر ائمہ اور علماء کے نام ملتے ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن بکار، عبدالرزاق، ابونعیم، لیث بن سعد، وکیع بن الجراح، سعید بن منصور۔(۴)

علم و فضل:۔ حضرت ابو معشرؒ فن مغازی و سیر کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی بلند پایہ تھے۔ خطیب کا قول ہے کہ وہ فن مغازی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔(۵)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود علم کا مخزن تھے۔(۶) حضرت بکر بن خلف کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ فصیح آدمی نہیں دیکھا۔

ائمہ کی رائے:۔ حضرت ابو معشرؒ کے علم و فضل کو تمام ائمہ و علماء نے سراہا ہے۔ چنانچہ محدث عمر بن عوف اپنے تلامذہ کے سامنے ابو معشرؒ کے متعلق ہشیم کا یہ قول نقل فرمایا کرتے تھے:

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۰۹۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۲۷ و تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۴۲۰ و تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۴۲۷۔ (۵) ایضاً صفحہ ۴۲۹۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲

مارأیت مدنیاً یشبه ولا الیس منه (۱)

''میں نے ان کے جیسا فہیم وذکی مدنی نہیں دیکھا''

حضرت ابوحاتم بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ، حضرت ابومعشرؒ کو پسند کرتے تھے اور فن مغازی میں ان کی بصیرت کے قائل تھے، میں ان سے روایت کرتے ہوئے ڈرتا تھا، حتیٰ کہ میں نے امام احمدؒ کو ایک شخص کے واسطہ سے ابومعشرؒ سے روایت کرتے دیکھا تو میں نے بھی ان سے روایت حدیث کے بارے میں اپنے مسلک میں وسعت پیدا کرلی۔(۲)

سیر ومغازی میں انہماک کی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ابن معین کا قول ہے، وہ ضعیف ہیں، مگر زہد ورقاق کی حدیثیں نقل کی جاسکتی ہیں۔(۳) ابوحاتم سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضرت ابومعشر ثقہ ہیں؟ فرمایا، نیک شخص ہیں، گو روایت حدیث میں کمزور ہیں، مگر سچے ہیں۔

امام بخاری ومسلمؒ نے اسی ضعف کی بناء پر صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں لی ہے، امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں ان کا شمار ضعفاء میں کیا ہے۔(۴) ابوداؤد اور نسائی نے بھی تضعیف کی ہے، لیکن علامہ نسائی اپنی سنن میں حضرت ابومعشر کی روایت سے حجت لائے ہیں۔(۵) لیکن اس کے باوجود حضرت ابومعشرؒ پایہ اعتبار سے بالکل ساقط نہیں ہیں۔ابن عدیؒ نے بصراحت بیان کیا ہے کہ ائمہ ثقات نے ان کی روایتیں قبول کی ہیں۔

حدث عنه الثقات مع ضعفه یکتب حدیثه (۶)

''ثقات نے ان سے روایت کی ہے۔ضعف کے باوجود ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔''

علاوہ ازیں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ جو جرح وتعدیل کے شہرۂ آفاق امام ہیں، وہ بھی حضرت ابومعشرؒ سے روایت کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس متن کی حدیث کی یادداشت میں حضرت ابومعشر کا حافظہ کمزور نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سلسلہ اسناد کے یادرکھنے میں ان سے غلطیاں ہوجاتی ہیں۔پھر دوسری بات یہ کہ ان کا حافظہ عمر کے آخری ایام میں کمزور ہوا تھا، جیسا کہ بغدادی نے تصریح کی ہے کہ:

کان ابومعشر تغیر قبل ان یموت (۷)

''موت سے کچھ پہلے ابومعشرؒ میں تبدیلی آگئی تھی۔''

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔(۳) ایضاً صفحہ ۴۲۱۔(۴) تاریخ صغیر صفحہ ۱۹۲۔(۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔(۶) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔(۷) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۲۹

اس لئے اس نقص کے پیدا ہونے سے قبل کی روایتیں مقبول اور قابل حجت ہیں۔

بغداد میں آمد اور وفات:۔ خلیفہ مہدی ان کے علم و فضل کا بڑا قدر دان تھا، ان سے ان کی انسیت کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی ماں کے غلام رہ چکے تھے، ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر دونوں کا ساتھ ہوگیا۔ مہدی نے ان کی قدر افزائی کی اور حکم دیا کہ وہ شاہی خیمہ میں بلائے جائیں اور اس قافلہ کے لوگ ان سے فقہ حاصل کریں۔ پھر مہدی نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار کا تحفہ پیش کیا، اس کے بعد وہ انہیں ۱۶۰ ہجری میں اپنے ہمراہ مدینہ سے بغداد لائے اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی، اس کے بعد وہیں مستقل قیام اختیار کرلیا اور رمضان ۱۷۰ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۱) خلیفہ وقت ہارون الرشید نے جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی۔ بغداد کے مقبرہ کبیر میں مدفون ہوئے۔ (۲)

اولاد:۔ صرف ایک صاجزادے محمد بن ابی معشر تھے، اپنے والد کی طرح وہ بھی صاحب علم و فضل تھے اور مشہور محدث ابوذئب کے محبوب تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے، حضرت ابومعشرؒ کی کتاب المغازی ان ہی کی روایت کی ہوئی ہے، ان کی ثقاہت پر تمام ائمہ متفق ہیں۔ ۹۹ سال کی عمر میں ۲۴۴ ہجری میں وفات پائی۔

تصنیف:۔ حضرت ابومعشرؒ صاحب تصنیف بھی تھے۔ ابن ندیم نے ولــه مــن الكتب لکھا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات ایک سے زائد ہیں، لیکن صرف کتاب المغازی ہی کا پتہ ملتا ہے۔

خلیلی کا بیان ہے کہ ائمہ ان کی تاریخ سے استدلال کرتے ہیں، اس بیان سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ فن تاریخ میں بھی ان کی کوئی تصنیف ہے، لیکن دراصل یہ ایک ہی کتاب ہے، جس کو خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی کہتے ہیں۔ متقدمین کے نزدیک سیر اور تاریخ ایک ہی فن سمجھے جاتے ہیں۔ ابن ندیم لکھتے ہیں:

عارف بالاحداث والسير واحد المحدثين وله من الكتب كتاب المغازى (۳)

وہ تاریخ و سیر کے عارف اور محدث تھے، ان کی کچھ کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب المغازی ہے۔

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۸ العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۲) الانساب للسمعانی ورق ۳۱۳ طبع قدیم۔

(۳) الفہرست صفحہ ۱۳۶

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ سیرت میں ابو معشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

ابو معشر نجیح المدنی (م ۱۷۰ھ) ہشام بن عروہؒ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔(۱)

(۱) سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۲۲

حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جہاں اقلیم علم وفن کے بہت سے تاجدار شامل تھے، وہیں بکثرت ایسے صاحب کمال بزرگ بھی تھے جو علمی اعتبار سے خواہ زیادہ بلند مرتبہ نہ ہوں، لیکن زہد واتقاء، رشد وہدایت اور بلند روحانی مدارج میں غیر معمولی حیثیت کے مالک تھے۔ عمل صالح ان کی شخصیت کا زیور اور عبادت وریاضت ان کا طغرائے امتیاز تھا، ابوسلیمان الدارانی کا شمار ایسے ہی صلحائے امت میں کیا جاتا ہے، وہ یقیناً علم وفضل میں بھی بلند مرتبہ اور مقام عالی رکھتے تھے، لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ ایک عظیم المرتبت صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ دین کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا سینہ شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھا، انہوں نے اپنی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وہدایت سے ایک عالم کو مستفید کیا، ابن عماد حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ان اکابر اولیاء میں تھے، جو اپنے روحانی کمالات کے اعتبار سے ارباب کشف وشہود خیال کئے جاتے ہیں۔ (۱)

ان کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا، لیکن اپنی کنیت ابوسلیمان سے شہرت پائی، والد کا اسم گرامی احمد اور دادا کا عطیہ تھا۔ اصلاً واسط کے رہنے والے تھے، مگر داریا میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، جو غوطہ (دمشق) کے مغرب میں ایک گاؤں کا نام ہے، غوطہ دمشق کا حسین ترین خطہ شمار ہوتا ہے، بعض سیاحوں نے اس کو جنت ارضی سے تعبیر کیا ہے، وہاں نوع بنوع قدرتی مناظر، میووں اور پھولوں سے لدے ہوئے باغات بل کھاتی نہریں اور سرسبزی وشادابی قدم قدم پر دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اسی اہمیت کے باعث اس خطہ کے طبعی اور جغرافیائی حالات پر ڈاکٹر صفوح خیر نے ''غوطہ دمشق'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے۔ جس کے آغاز کی درج ذیل چند سطور میں گویا پوری کتاب کا ماحصل آ گیا ہے:

اجمع الباحثون علی ان غوطة دمشق کلها نزهة وعدها وجنة الارض لنضارتها وکثرت میاهها وبساتینها وحدائقها فاذآ صعدت علی مرتفع تری الاشجار والبساتین تحیط بالمدینة من کل جانب احاطة الهالة بالقمر واذا خرجت من المدینة لاتری الا حدائق غناء ومیاه جاریة واشجاراً نامیةً وحقولاً

---

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴

جمیلة خضرا(۱)

''محققین کا اتفاق ہے کہ غوطۂ دمشق مکمل شادابی ہے۔اس کو اس کی سرسبزی کثرت باغات اور چمنستانوں اور پانی کی زیادتی کے باعث جنت ارضی شمار کیا جاتا ہے۔اگر آپ کسی بلندی پر چڑھ کر نظارہ کریں تو آپ کو درخت اور باغات چاند کے ہالہ کی طرح شہر کا احاطہ کیے ہوئے دکھائی پڑیں گے اور جب شہر سے نکلیں گے تو آپ کو گھنے باغات، رواں دواں پانی اور اونچے اونچے درخت اور حسین وسرسبز کھیتیاں نظر آئیں گی۔''

حضرت ابوسلیمان الدارانی کا مسکن دمشق کے اسی جنت نظیر خطہ میں واقع تھا۔یاقوت رومی اور علامہ سمعانی دونوں اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

هی قرية كبيرة حسنة من قرى غوطة دمشق (۲)

''یہ غوطہ دمشق کا ایک خوبصورت اور بڑا گاؤں ہے۔''

اس کی طرف جدید وقدیم علماء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے۔(۳) جس میں درج ذیل چار شخصیتوں کے نام نہایت ممتاز ہیں۔

(۱) مشہور عالم ابوعتبہ عبدالرحمٰن الازویؒ جو امام مکحول شامی کے شاگرد عبداللہ بن مبارکؒ کے استاذ اور فقہائے شام کے طبقہ دوم میں شمار ہوتے ہیں۔

(۲) نامور تابعی ابوبکر سلیمان بن حبیبؒ جو اپنی فقہی مہارت کے باعث دمشق میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کی جانب سے قاضی تھے، تیس سال تک نہایت شان وشوکت، بکمال حق گوئی اور عدل گستری کے ساتھ منصب قضا کے فرائض انجام دیئے۔ان کے شیوخ حدیث میں حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔خود ان کے فیضان علم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، مرو بن سنان اور عثمان بن ابی العاتکہ جیسے نادرۂ روزگار علماء مستفید ہوئے۔

حضرت ابوسلیمان الدارانی بھی اسی معدن فضل وکمال کے ایک لعل گرانمایہ تھے۔(۴) بلکہ داریا کی طرف منسوب اہل علم میں سب سے زیادہ شہرت وعظمت ان ہی کے نصیب میں آئی، ان کا خاندانی تعلق بنوانس سے (۵) تھا، جو یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہے، جس کے

(۱) غوطہ دمشق صفحہ ۱۵۔(۲) معجم البلدان ج ۲ صفحہ ۴۳۔ کتاب الانساب جدید ایڈیشن حیدرآباد، ج ۵ صفحہ ۲۷۱۔
(۳) اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲ صفحہ ۴۴۔(۴) معجم البلدان ج ۴ صفحہ ۴۲۔(۵) اخبات الاعیان ج ۱ صفحہ ۲۹۵

جدامجد عنس بن مالک تھے، اسی خاندان میں ممتاز اہل علم، فضلائے روزگار اور کبار عباد و زہاد کثرت سے ہوئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ابوعبدالرحمٰن عنسی۔ یہ شام کے ایک بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ خدا ان کی قسم کو ہمیشہ پوری کرتا تھا۔

(۲) جلیل المرتبت حضرت عمر بن ہانی عنسی۔ انہوں نے تیس صحابہ کرام کے دیدار سے اپنی چشم عقیدت کو روشن کیا تھا، ان کے دامن فیض سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں امام اوزاعی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۳) اسماعیل بن عیاش عنسی بھی اسی معدن علم کے گوہر شب چراغ تھے۔ (۱) ان کے بارے میں ابوزرعہ کا قول ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد اسماعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا۔ (۲) ہزاروں حدیثیں ان کو ازبر تھیں، ارباب تذکرہ ان کی ذہانت وفطانت اور حیرت انگیز قوت حافظہ پر متفق اللسان ہیں، بقول امام احمد ان کے دماغ کے خزانہ میں تیس ہزار حدیثیں محفوظ تھیں۔ (۳)

علمی فضل وکمال:۔ حضرت ابوسلیمانؒ نے حدیث کا علم عراق کے نامور محدثین سے حاصل کیا تھا اور انہیں حضرت سفیان ثوری اور ربیع بن صبیح جیسے منتخب روزگار علماء حدیث سے شرف تلمذ حاصل تھا، امام ثوریؒ کی شخصیت زمرہ تبع تابعین کا گل سرسبد تھی۔ وہ علم وعمل اور سیرت وکردار دونوں اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ انہیں اپنے استاد ابراہیم نخعی پر بھی بایں ہمہ علوئے مرتبت وجلالت شان فوقیت دیتے تھے۔ (۴) اور امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ عراق ہم پر درہم ودینار کی بارش کیا کرتا تھا، مگر حضرت سفیان کے بعد اس نے علم کی بارش شروع کردی۔ (۵) اسی طرح شیخ دارانی کے دوسرے قابل ذکر استاد ربیع بن صبیح بھی علم وعمل میں یگانہ عہد تھے۔ ان کا شمار حضرت حسن بصریؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت محمد بن سیرین، محمد بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح وغیرہ کے آفتاب کمال سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ امام شعبہ کا قول ہے:

ان فی الربیع خصالا لاتکون فی الرجل واحدۃ منھا (۶)

(۱) کتاب الانساب ج ۲ صفحہ ۲۰۱ قدیم ایڈیشن۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۱۶۹۔ (۵) ایضاً (۶) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۴

''بلاشبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے حامل ہیں، جن میں سے کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔''

ان کی عدالت وثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے مشہور امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

خود شیخ دارانیؒ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں حضرت احمد بن ابی الحواری اور قاسم بن عثمان الجوعی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ اول الذکر کو ان سے خاص تلمذ حاصل تھا۔ چونکہ ابوسلیمان کے زہد وورع اور عبادت وریاضت میں فنا ہو جانے کے باعث ان کے علمی کمالات پس پشت پڑ گئے تھے۔ اس لئے اہل طبقات نے ان کی علمی حیثیت نمایاں کرنے کے بجائے ان کے سلوک وطریقت کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ صرف محدث ابن جوزی نے اتنا مزید اضافہ کیا ہے کہ ابوسلیمان کے واسطہ سے مروی تین مسند حدیثیں مجھ تک پہنچی ہیں، جن میں سے پہلی حدیث بروایت حضرت انسؓ یہ ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صل قبل الظھر اربعاً غفر لہ ذنوبہ یومہ ذلک

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس کے اس دن کے گناہ معاف کر دیے گئے۔

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تواضع للہ رفعہ اللہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا، اللہ اس کے مراتب بلند فرمادیں گے۔

تیسری حدیث بہت طویل ہے، اس میں ایک شامی ایک وفد کو حضور اکرم ﷺ نے بیش قیمت نصائح اور ہدایات سے نوازا ہے۔ (۲)

اصلاح تزکیہ:۔ ان کے صحیفہ زندگی کا زیادہ درخشاں باب سلوک وتصوف سے متعلق ہے، بقول حافظ ذہبی وہ روحانیت ومعرفت کے بحر ناپید کنار کے ایک کامیاب شناور تھے۔ (۳) اسی وجہ سے اہل سیر نے ان کے اس روشن پہلو کو بہت ہی شاندار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ابن

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۴۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۴ صفحہ ۱۰۴۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۴

خلکان رقمطراز ہیں:

احد رجال الطریقة کان من جملة السادات وارباب الجد فی المجاهدات(۱)

وہ اہل طریقت میں تھے۔ ان کا شمار بہت سے اہل سادات اور کثرت سے مجاہدہ کرنے والوں میں ہے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

الزاهد القدوة احد الابدال(۲)

''وہ بہت بڑے زاہد وابدال میں سے تھے۔''

سمعانی نے لکھا ہے:

كان من افاضل اهل زمانه وعبادهم وخيار اهل الشام وزهادهم

وہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے فاضل اور عبادت گزار اور شام کے بہترین لوگوں اور زاہدوں میں سے تھے۔

ابن عماد حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ زہد وصلاح میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ (۳) خطیب بغدادی نے اپنی مشہور تاریخ میں انہیں "احد عباداللہ الصالحين ومن الزهادو المتعبدين" لکھ کر خراج عقیدت پیش کیا ہے:

صحت عقیدہ: ۔عقائد کی صفائی اور صحت کے معاملہ میں وہ نہایت متشدد تھے، حضرت ابوجعفر محمد بن احمد الوصلی بیان کرتے ہیں کی میں نے ۲۰۳ ہجری میں ابوسلیمان الدارانی کو بغداد میں دیکھا۔ ان کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا۔ وہ مسجد عبدالوہاب الخفاف میں مقیم تھے۔ ایک دن کسی نے عرض کیا، حضرت عبدالوہاب الخفاف تو قدریہ کے عقائد رکھتے تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی شیخ دارانی نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا، اور دوسری مسجد میں چلے گئے۔ (۴) احمد ابن ابی الحواری ان کا قول نقل کرتے ہیں۔ ''قدری کے سوا ہر اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھو، مگر قدری کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھو، خواہ وہ حاکم ہی کیوں نہ ہو'' (۵)

اقوال زریں: ۔ ابوسلیمان الدارانی نے اپنے حکمت وبصیرت سے پر فرمودات میں حقائق

---

(۱) تاریخ ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۳۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۴ صفحہ ۲۴۸۔ (۴) ایضاً صفحہ ۲۴۹۔ (۵) تاریخ داریا لخولانی صفحہ ۱۱۷

ایمانی وقائق احسانی اور اسرار حکمت ربانی کو برملا فاش کیا ہے، ان تمام اقوال کے راوی شیخ کے تلمیذ رشید اور مرشد خاص ابن الحواری ہیں۔ اگر استقصار کر کے تمام ملفوظات کو یکجا کیا جائے تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔ محدث ابن جوزیؒ نے صفوۃ الصفوۃ، حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ، خطیب نے تاریخ بغداد، قاضی عبدالجبار الخولانی نے تاریخ دار اور شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بہت بسط وتفصیل کے ساتھ ان کے ملفوظات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں چند بصیرت آموز اقوال درج کئے جاتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا کہ ”بہترین عمل خواہشات نفسانی کی مخالفت کرنا ہے۔ اولاد، دولت اور گھربار میں سے جو چیز تم کو خدا کی یاد سے غافل کر دے، وہ نحوست کا باعث ہے۔“(۱)

فرمایا ”میں رات میں محراب میں دعا کرنے میں مصروف تھا، میرے دونوں ہاتھ خدا کے حضور میں پھیلے ہوئے تھے، اس اثناء میں مجھے زیادہ ٹھنڈک معلوم ہوئی تو میں نے ایک ہاتھ سمیٹ لیا۔ پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں اس طرح سو گیا۔ اتنے میں ایک ہاتف غیبی نے آواز دی، اے ابوسلیمان! ہم نے پھیلے ہوئے ہاتھ میں وہ سب کچھ رکھ دیا جو تمہیں مطلوب تھا اور اگر تم دوسرا ہاتھ بھی اسی طرح پھیلائے رکھتے تو اسے بھی بھر دیتے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے قسم کھائی تھی کہ خواہ کیسی ہی گرمی یا سردی ہو دعا کے وقت دونوں ہاتھ پھیلائے رکھوں گا۔

حضرت احمد بن الحواریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ کی زبان سے بارہا یہ ارشاد سنا ہے کہ ”دنیا وآخرت میں ہر خیر ونیکی کی جڑ اللہ جل شانہ کی خشیت اور اس کا خوف ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کنجی یہ ہے کہ انسان شکم سیر ہو کر زندگی گزارے اور آخرت کی کنجی بھوکا رہنا ہے۔“(۲)

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوسلیمان الدارائیؒ کو گرم گرم روٹی نمک سے کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے ان کو لا کر دی۔ شیخ نے اس میں سے تھوڑا سا ٹکڑا توڑا اور پھر پوری روٹی پھینک دی۔ اس کے بعد زار وقطار رونے لگے اور کہتے جاتے:

یارب عجلت لی شھوتی

”خداوندا! میری خواہش نفسانی نے مجھے مغلوب کر دیا، میں صدق دل سے اپنی اس لغزش

---

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۶۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۴ آخری مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان آخرت میں کامیابی چاہے تو اس کو خرخرفات دنیا میں نہ پڑنا چاہئے، فقر وفاقہ کے عالم میں خشیت وانابت الی اللہ کا غلبہ ہوتا ہے اور فراغت وخوشحالی خدا سے غافل کر دیتی ہے۔

کی توبہ کرتا ہوں۔"

راوی کا بیان ہے کہ پھر تاحیات انہوں نے نمک نہیں چکھا(۱) ابن ابی الحواری ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ ابوسلیمان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

الا من اتی اللہ بقلب سلیم

"مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے۔"

تو شیخ نے فرمایا کہ قلب سلیم صحیح معنی میں وہ ہے جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس میں سوائے ذات حق کے غیر کا وجود نہ ہو۔ یہ کہہ کر شیخ ابوالحواری رونے لگے اور فرمایا کہ جب سے میں نے شام میں اقامت اختیار کی ہے، دارانی کے اس مقولہ سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ اور بلاشبہ حضرت شیخ کی ذات ان ہی خاصان خدا میں سے تھی جو اپنے پروردگار سے اس حال میں ملے کہ بجز اللہ جل شانہ کسی کا وجود ان کے قلب میں نہ تھا۔(۲)

فرمایا "بلاشبہ چور کسی ویران مکان میں نقب زنی کرنے نہیں جاتا، حالانکہ وہ اس میں جہاں چاہے جا سکتا ہے، وہ صرف ایسے گھر کا قصد کرتا ہے جو مال وزر سے معمور ہو، بعینہ یہی حال ابلیس لعین کا ہے، وہ ان ہی قلوب پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو خشیت الٰہی، انابت الی اللہ اور ذکر و فکر سے معمور رہتے ہیں۔"

فرمایا "اللہ کے کچھ برگزیدہ بندے ایسے ہوتے ہیں، جن کے لئے جنت کی نوع بنوع نعمتوں میں بھی کوئی ایسی کشش نہیں ہوتی جو انہیں یاد الٰہی سے غافل کردے، دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی نہیں، اس لئے اس میں زہد و اتقاء کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ہاں! جنت میں رہ کر حور و غلمان کی موجودگی میں خدا کے سوا اس کے دل میں کسی کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو وہی زاہد اور متقی ہے۔

فرمایا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ مال جمع کر کے اہل ثروت بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ دولت کثرت مال کا نام ہے، خوب سمجھ لو کہ اصل غنی (سرمایہ دار) وہ ہے جو قناعت کی دولت رکھتا ہو، اسی طرح راحت خوشحالی میں نہیں بلکہ تنگی میں ہے، لوگ عام طور پر نرم اور باریک لباس، عمدہ غذا اور آرام دہ مکان میں آسائش تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دراصل اسلام، ایمان اور عمل صالح اور ذکر اللہ میں پوشیدہ ہے۔

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۶۔ (۲) تاریخ داریا للخولانی صفحہ ۵۲

فرمایا ’’قیامت کے دن خدائے رحمٰن کی ہم نشینی کا شرف ان لوگوں کو حاصل ہوگا جو کرم، حلم، علم، حکمت، نرم خوئی، رحم دلی، عفوو درگزر، احسان، نیکی، لطف و مروت، اور رافت و محبت کی صفات سے متصف ہوں گے۔

حضرت ابن ابی الحواریؒ کہتے ہیں کہ میرے شیخ برابر فرمایا کرتے تھے:

ان النفس اذا جاعت و عطشت صفا القلب ورق واذا شبعت عمی القلب (۱)

’’جب نفس بھوکا پیاسا ہوتا ہے تو دل میں صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور شکم سیری کی حالت میں قلب اندھا ہو جاتا ہے۔‘‘

فرمایا ’’جس شخص نے استغنا کے ساتھ اور حلال ذریعہ کے ساتھ دنیا کو طلب کیا تو قیامت کے روز خدا سے اس عالم میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں ہوگا۔‘‘ (۲)

فرمایا ’’ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے، صدق کی آرائش خشوع ہے، تواضع کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں کبر و غرور سے محفوظ رہے۔ دنیا میں غور و فکر، آخرت کا جواب ہے اور آخرت کے بارے میں تفکر دلوں کی زندگی اور ثمرۂ حکمت ہے، آنکھوں کو رونے اور دل کو آخرت کے بارے میں فکر کرنے کا عادی بنالو۔‘‘ (۳)

فرمایا ’’جو شخص دن میں نیک عمل کرتا ہے، اس کی دن بھر حفاظت کی جاتی ہے۔ بہترین سخاوت وہ ہے جو ضرورت کے مطابق ہو۔ جو شخص اپنی جان کو قیمتی جانے، وہ ہرگز خدمت کی حلاوت نہیں پا سکتا۔ (۴)

کشف و کرامات:۔ حضرت ابوسلیمان الدارانیؒ کی کرامات بھی کثرت سے منقول ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے اپنی کتاب محن المشائخ میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ دارانیؒ کسی بات پر اہل دمشق سے ناراض ہو کر وہاں سے کسی سرحدی مقام پر چلے گئے، ان کے جانے کے بعد کسی شخص نے عالم خواب میں دیکھا کہ اگر شیخ دارانی دمشق واپس نہ آئیں گے تو تمام اہل وطن تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ عوام کا ایک جم غفیر ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے پاس پہنچ کر نہایت عجز و تذلل کے ساتھ واپسی کی درخواست کی، یہاں تک کہ شیخ پھر دمشق واپس آ گئے۔ (۵)

---

(۱) صفوۃ الصفوۃ ج ۴ صفحہ ۱۰۲۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۳) تذکرۃ الاولیاء عطار ج ۲ صفحہ ۲۴۳۔ (۴) ایضاً صفحہ ۲۳۵ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۸

وفات:۔ باختلاف روایت ۲۰۴ھ، ۲۰۵ھ اور ۲۳۵ھ میں علم و عمل کا یہ نیر تاباں غروب ہوگیا۔(۱) ابن جوزیؒ نے ان سنین وفات میں اول الذکر ہی کو ارجح قرار دیا ہے اور ابن عماد حنبلی، علامہ ذہبی، ابن خلکان اور خطیب بغدادی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔(۲)

ان کے انتقال کی خبر سن کر مروان الطاطری نے کہا:

لقد اصیب اهل الاسلام کلهم (۳)

ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو شدید رنج و غم ہوا۔

قریہ داریا میں تدفین ہوئی اور وہاں ان کا مزار آج بھی مرجع انام ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

''ان کے مزار کی عمارت بہت شاندار ہے۔ امیر ناصر الدین بن عمر النہروانی نے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ مزید برآں اس میں قیام کرنے والوں کے مصارف کے لئے کچھ زمین بھی وقف ہے جس کی پیداوار اور آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے۔''(۴)

ان کی اولاد میں شیخ سلیمان کا تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے۔ وہ بھی اپنے وقت کے مشہور عابد و زاہد تھے۔ اپنے والد کی طرح انہوں نے بھی ہدایت و ارشاد کی مجلس آراستہ کی تھی۔ اس میں شریک ہوکر بہ کثرت تشنگان معرفت سیراب ہوتے تھے۔ ان کے حقیقت افروز اقوال بھی ابوسلیمان ہی کے مذکورۃ الصدر ملفوظات کے رنگ کے ہوتے تھے، اپنے والد کی وفات کے دو سال ایک ماہ بعد ۲۳۷ ہجری میں رحلت فرمائی۔(۵)

---

(۱) البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۹۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۴ صفحہ ۲۰۸۔ (۳) شذرات ج ۲ صفحہ ۱۳، العبر ج ۱ صفحہ ۳۴۷۔ ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۹۵۔ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۲۴۸۔ (۴) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۹۔ (۵) معجم البلدان ج ۴ صفحہ ۲۴

حضرت ابونعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ فضل نام، ابونعیم کنیت اور سلسلہ نسب یہ ہے:

فضل بن دکین عمرو بن حماد بن زہیر ابن درہم (۱) ال طلحہ بن عبداللہ التیمی کے غلام تھے۔ کوفہ میں ایک شخص عبدالسلام بن حرب کی شرکت میں ملاءۃ (چادر یا عورتوں کا بالائی لباس) کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے تیمی اور ملائی دونوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (۲)

وطن اور ولادت:۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ سنہ ولادت کے بارے میں خود ان کے دو بیان منقول ہیں۔ ایک کے مطابق وہ ۱۲۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسرے کے اعتبار سے ۱۳۰ ہجری میں پیدائش ہوئی۔ لیکن اکثر علماء نے مؤخر الذکر ہی کو اختیار کیا ہے، اس لئے وہی مرجح ہے۔

فضل وکمال:۔ علم وعمل، حق گوئی وبیباکی اور زہد واتقاء کے اعتبار سے حضرت ابونعیمؒ ایک سدا بہار گلدستہ تھے۔ وہ صغار تابعین کے دامان فیض سے وابستہ رہ کر آسمان علم وفضل پر مہر تاباں بن کر چمکے۔ امام بخاریؒ جیسے عبقری وقت ان کے تلمذ پر تاحیات فخر ومسرت محسوس کرتے رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابونعیم کی شہرت ومقبولیت میں جہاں ان کے گوناگوں کمالات کو دخل ہے، وہاں امام بخاریؒ کی یگانہ روزگار شخصیت نے بھی ان کو چار چاند لگائے۔ امام بخاریؒ نے استفادہ ان کے صحیفہ کمال کا درخشاں باب ہے۔ یحیٰ بن معینؒ کا بیان ہے، جو لوگ حیات ہیں ان میں حضرت ابونعیم وعفان سے زیادہ فاضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (۳)

حافظ ذہبیؒ انہیں "الحافظ محدث الکوفۃ" علامہ یافعی "محدث الکوفۃ الحافظ" اور امام خزرجی "الحافظ العلم" لکھتے ہیں۔ (۴) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

کان یقظان فی الحدیث عارفاً (۵)

"وہ حدیث کے بہت باخبر واقف کار تھے۔"

انہی کا دوسرا بیان ہے کہ ابونعیم کی وفات کے بعد ان کا مجموعۂ روایات سے خطا وصواب کا معیار قرار پایا، جب بھی لوگ کسی مسئلہ میں مختلف رائے ہوتے تو اسی کتاب کی طرف رجوع

(۱) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۰ وطبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۹۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۱۲ صفحہ ۳۴۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۱۲۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۱۲۔ (۴) العبر، ج ۱ صفحہ ۳۷۷۔ مراۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۹۷۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۰۸۔ (۵) مراۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۹۷

کرتے۔(۱)

حدیث:۔ حدیث رسول ان کی توجہ کا خصوصی مرکز تھی۔ اس فن میں حضرت ابونعیمؒ کی جلالت مرتبت اور علوئے شان کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے سو سے زائد ان اکابر شیوخ سے اکتساب علم کیا تھا جن سے سفیان ثوری کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ خود بیان کرتے ہیں:

کتبت عن ازید من ماۃ شیخ فمن کتب عنه سفیان

''میں نے سو سے زیادہ ان شیوخ سے حدیثیں لکھیں جن سے سفیان ثوری کو شرف سماع حاصل تھا۔''

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ خود ان کے بیان کے مطابق چار ہزار حدیثیں تو انہوں نے صرف سفیان ثوری سے حاصل کی تھیں، ان تمام روایات کا پایہ ثقاہت نہایت بلند ہے۔

حضرت ابونعیمؒ جن محدثین وائمہ کے فیضان صحبت سے مستفید ہوکر مرتبہ کمال کو پہنچے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ کچھ ممتاز نام یہ ہیں:

سلیمان الاعمش، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، اسرائیل بن یونس، ابن ابی لیلیٰ، شعبہ بن الحجاج، شریک بن عبداللہ، حماد بن زید۔

تلامذہ:۔ اساتذہ کی طرح خود ان کے آفتاب علم سے مستنیر ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا، جس میں عبداللہ بن مبارکؒ جیسے جلیل القدر ائمہ کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ جن کے فضل و کمال کی پوری دنیا معترف تھی اور جو حضرت ابونعیمؒ سے عہد و عمر دونوں میں متقدم تھے۔

تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن شیبہ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابوزرعہ، محمد بن سعد (کاتب الواقدی) یعقوب بن شیبہ، عباس الدوری، احمد بن حسم، زہیر بن حرب، عثمان ابن ابی شیبہ اور ابوحاتم کے اسمائے گرامی ذکر کے لائق ہیں۔(۲)

رجال وانساب کا علم:۔ فن حدیث میں رجال وانساب کے علم کو ہمیشہ بڑی اہمیت وعظمت حاصل رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی صحت وسقم کا مدار بڑی حد تک اسی علم کی مہارت اور ژرف نگاہی پر ہوتا ہے۔

حضرت ابونعیمؒ کو اس بارے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ماہرین فن نے ان کو علم الانساب و

(۱) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۳۱۴

رجال کا سب سے بڑا عالم اور واقف کار قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ برملا اعتراف کرتے ہیں:

كان اعلم من وكيع بالرجال وانسابهم (۱)

وہ امام وکیع سے بھی زیادہ رجال وانساب کا علم رکھنے والے تھے۔

''البتہ فصاحت میں امام وکیع سے وہ کم مرتبہ تھے۔''

ثقاہت: ثقاہت وعدالت کے لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ علمائے حدیث نے ان کی مرویات کو قابل حجت ٹھہرایا ہے۔ احمد ابن صالحؒ کا قول ہے:

ما رايت محدثا اصدق من ابی نعيم (۲)

''میں نے ابونعیمؒ سے زیادہ سچا کوئی محدث نہیں دیکھا۔''

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

''ابونعیم سچے ثقہ اور حدیث میں لائق حجت ہیں۔ (۳)

علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

''وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔'' (۴)

حافظ ذہبیؒ حافظ حجة کے الفاظ سے ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ (۵)

تثبت واتقان: اسی طرح اتقان وتثبت میں بھی وہ غایت درجہ مہارت وکمال کے حامل تھے۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابونعیمؒ سے زیادہ صاحب تثبت کسی کو نہیں دیکھا۔ (۶)

امام یعقوب الفسویؒ کہتے ہیں:

اجمع اصحابنا ان ابانعيم كان غاية فی الاتقان والحفظ وانه حجة (۷)

''ہمارے معاصرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابونعیم حفظ واتقان کی انتہاء تھے اور بلاشبہ وہ حجت ہیں۔''

خلقِ قرآن اور ابونعیمؒ: خلیفہ بغداد مامون کے آخری عہد (۲۱۸ھ) میں خلقِ قرآن کا فتنہ اٹھ چکا تھا۔ مامون کو اس مسئلہ میں از حد غلو تھا۔ چنانچہ وقت کے تمام مشاہیر، علماء اور فقہاء اس

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۴۶ وتہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۱ وتہذیب التہذیب و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۴۷ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۳ (۵) الطبقات الکبیرات لابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۸۰ (۶) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۲۹ (۷) العبر ج ۱ صفحہ ۳۷۷۔ مراۃ الجنان للیافعی ج ۲ صفحہ ۲۹۔ خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۳۰۹

فتنہ کی زد میں آئے۔ اس ابتلاء و آزمائش کا سب سے زیادہ نشانہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز شخصیت بنی۔ مامون اور اس کے بعد معتصم ہر قسم کے جبر و تشدد کے باوجود امام موصوف سے اس عقیدۂ باطل کا اقرار نہ کرا سکے۔

معتصم کے عہد میں یہ فتنہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا، اس نے تمام ممالک محروسہ میں فرامین جاری کر دیئے تھے کہ علمائے وقت سے زبردستی خلق قرآن کا اقرار کرایا جائے۔ چنانچہ جو ارباب علم و فضل میدان عزیمت و ہمت کے شہسوار نہ تھے انہوں نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے سر اقرار خم کر دیئے۔ لیکن صاحبانِ عزیمت نے خلقِ قرآن کا اقرار کرنے کے مقابلہ میں طوق و سلاسل اور دار و رسن کو ترجیح دی۔ انہی اہل عزیمت علماء میں حضرت ابونعیمؒ بھی تھے۔

خطیب بغدادیؒ نے اس فتنہ میں ابونعیم کے ابتلاء کی پوری تفصیل درج کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابونعیمؒ کوفہ ہی میں تھے، جس وقت فرمان خلافت کے تحت والی کوفہ نے خلق قرآن کا اعتراف کرنے کے لئے علماء کو طلب کیا۔ چنانچہ حضرت ابونعیم بھی ملنے گئے۔ ان سے پہلے ابن ابی حنیفہؒ، احمد بن یونسؒ اور ابوغسانؒ پہنچ چکے تھے۔ والی نے سب سے پہلے ابن ابی حنیفہ سے اقرار کرنے کے لئے کہا، انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ پھر اس نے حضرت ابونعیمؒ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھو انہوں نے (ابن ابی حنیفہؒ نے) بھی اقرار کر لیا ہے۔ حضرت ابونعیمؒ نے یہ سن کر نہایت خشمناک لب و لہجہ میں ابن ابی حنیفہؒ کو سخت سست کہا اور والی سے مخاطب ہو کر کہا میں نے کوفہ میں کم و بیش سات سو شیوخ کو یہ کہتے سنا ہے کہ القران کلام اللہ غیر مخلوق۔ یعنی قرآن خدا کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے اور یہی میرا بھی عقیدہ ہے اور اس برملا اظہار حق کی خاطر خواہ میری گردن سر سے جدا کر دی جائے میں اس سے باز نہیں رہ سکتا۔

والی کوفہ کے دربار میں حضرت ابونعیمؒ کی اس بے مثال جرأت، حق گوئی اور بیباکی کو دیکھ کر احمد بن یونسؒ فوراً اٹھے اور انہوں نے حضرت ابونعیمؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا "جزاک اللہ خیراً" حالانکہ ان سے قبل دونوں بزرگوں میں سخت غلط فہمیاں تھیں۔ (۱)

تشیع کا الزام: ان پر یہ اتہام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ ان میں تشیع کا رجحان موجود تھا، لیکن انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کی سخت تردید کر دی تھی۔ چنانچہ احمد بن میثم بن ابی نعیم کا بیان ہے کہ جب میرے جدامجد ابونعیمؒ بغداد تشریف لے گئے تو میں ان کے ہمراہ تھا، وہاں وہ حدیث کا

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۴۹

درس دینے لگے۔ ایک دن اثناءِ درس ایک خراسانی اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا کہ آپ رافضی ہیں؟ احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی حضرت ابونعیمؒ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا ور فرطِ غضب سے انہوں نے منہ پھیر لیا۔ (۱)

خوش طبعی:۔ بایں ہمہ جلالت علم وفضل وہ بہت خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ خطیب رقمطراز ہیں کہ:

کان ابونعیم مزاحاً ذا وعابة مع تدینه وامانته وثقاهته (۲)

''ابونعیم اپنے تدین اور ثقاہت وامانت کے باوجود بہت زندہ دل اور پُر مذاق انسان تھے۔''

استغناء:۔ وہ مال ودولت اور مزخرفات دنیا سے بے نیاز تھے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ ان پر تعلیم کی اجرت لینے کا الزام لگاتے ہیں۔ جیسے اس زمانے میں بہت معیوب اور تدین و ثقاہت کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت ابونعیمؒ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح ہوتا تو پھر میرے ۱۳ نفری گھر کی عسرت اس حال کو نہ پہنچتی کہ اس وقت ایک روٹی بھی میرے گھر میں نہیں ہے۔ (۳)

وفات:۔ شب سہ شنبہ ماہ شعبان ۲۱۹ ہجری کو بمقام کوفہ رحلت فرمائی، عبدالدوس بن کامل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ماہ ربیع الاول ۲۱۸ ہجری کو کوفہ میں ابونعیم کی صحبت میں حاضر تھے، اسی اثناء میں محاضر بن ابورع کے صاحبزادے تشریف لائے۔ حضرت ابونعیمؒ نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ میں نے گزشتہ شب خواب میں تمہارے والد کی زیارت کی تھی، انہوں نے مجھے ڈھائی درہم مرحمت فرمائے۔ تمہارے نزدیک اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ ابن المحاضر نے عرض کیا کہ مجھے تو خیر ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میں اس کی تاویل یہ کرتا ہوں کہ میں اب یا تو ڈھائی یوم اور زندہ رہوں گا یا ڈھائی مہینے یا ڈھائی سال۔ چنانچہ ٹھیک ڈھائی سال کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ (۴)

سہ شنبہ کی شب میں انتقال ہوا تھا۔ اس کے دوسرے دن مقام حبان میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ محمد بن داؤدؒ نے پڑھائی۔ تدفین کے بعد والی کو اطلاع ہوئی تو دوڑا ہوا آیا اور وفات کی اطلاع نہ دینے پر سخت برہم ہوا اور پھر قبر سے ذرا ہٹ کر ایک کثیر مجمع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس وقت عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی حکومت تھی۔ (۵)

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۴۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۵۔

(۴) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۸۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۵۷

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ اسد نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا اسم گرامی فرات اور جد امجد کا نام سنان تھا۔ وہ اکثر ازراہ مزاح کہا کرتے تھے کہ میں اسد (شیر) ہوں جو وحشی جانوروں میں سب سے زیادہ بہتر ہے، میرے والد فرات ہیں، جو دریاؤں میں اعلیٰ ہیں اور میرے دادا سنان (نیزے کی انی) تھے جو ہتھیاروں میں بہترین ہے۔

خاندان، ولادت اور ابتدائی حالات:۔ ان کا خاندان بنوسلیم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، قاضی اسد کا آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا، وہ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ ان کے والد ہجرت کر کے حران (دیار ابی بکر) چلے آئے اور یہیں ۱۴۲ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی (سال ولادت کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، بعض ۱۴۳ ہجری اور بعض ۱۴۵ ہجری قرار دیتے ہیں، لیکن خود قاضی اسد کی زبان سے ۱۴۲ ہجری ہی مروی ہے۔ اس لئے وہی اصح واولیٰ ہے)۔

آبائی پیشہ سپہ گری تھا، دو برس کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ ۱۴۴ ہجری میں محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ افریقہ آئے۔ پانچ سال کی عمر تک قیروان میں رہے۔ پھر جب ان کے والد نے ٹیونس میں قیام کیا تو نو سال وہاں مقیم رہے۔

۱۸ سال کی عمر میں ٹیونس کے ایک گاؤں میں قرآن مجید کی تعلیم ختم کی۔ ان دنوں ان کی والدہ نے ان کے متعلق عالم رؤیا میں دیکھا کہ ان کی پشت پر گھاس اُگی ہوئی ہے، اور اسے مویشی چر رہے ہیں۔ علمائے تعبیر نے بتایا کہ یہ لڑکا آئندہ علم وفضل کا مالک ہوگا اور تشنگان علم اس کے چشمۂ فیض سے شادکام ہوں گے۔

تحصیل علم:۔ اس کے بعد ان کے دینی علوم کی تکمیل کا وقت آیا۔ اس وقت ٹیونس میں حضرت علی بن زیادؒ مسند درس بچھائے ہوئے تھے۔ قاضی اسدؒ نے اسی کی طرف رجوع کیا اور ان سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔ مؤطا امام مالک پہلی مرتبہ ان ہی سے پڑھی۔

پھر ۱۷۲ ہجری میں تکمیل علم کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالکؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ امام مالکؒ کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ موطا کے درس میں

طلبہ کے سوالوں کے جوابات دیتے، جنہیں تلامذہ لکھتے جاتے۔

عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمن بن قاسم امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ان کی حیثیت امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب امام محمد اور امام ابویوسف کے مثل تھی، اور یہی دونوں ان کے جوابوں کو لکھتے تھے۔

امام مالکؒ طبعاً قیل وقال کو پسند فرماتے تھے اور سہل وسادہ طور پر محض روایات کی بنیاد پر جوابات دیتے تھے اور اس کی وجہ سے تلامذہ اپنے دلی خدشات کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جب اسد ان کی مجلس میں شریک ہوئے تو ابن قاسم وغیرہ نے ان کے ذریعہ سے اپنے خدشات مٹانے چاہے۔ چنانچہ وہ انہیں سوال در سوال سکھاتے۔

اسد امام صاحبؒ کے سامنے پیش کرتے، بالآخر امام صاحب نے انہیں بھی ممانعت کردی۔ یہ پورا واقعہ خود قاضی اسدؒ کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں:

مالکؒ کے اصحاب ابن قاسم وغیرہ مجھے سکھاتے کہ فلاں مسئلہ کے متعلق ان سے دریافت کروں، چنانچہ میں جب ان سے سوال کرتا تو وہ مجھے جواب دے دیتے۔ اس کے بعد میرے ساتھی مجھے یوں سکھانے لگے کہ "اگر یہ ایسا ہے تو یوں ایسا ہوگا، اور یہ یوں ہے تو یہ یوں ہوگا۔" اس پر میں اسی طریقہ سے سوالات کرنے لگا۔ ایک دن وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور فرمانے لگے: "سلسلہ پر سلسلہ چھیڑ رکھا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ ایسا ہے اور ایسا..... اگر تم یہ چاہتے ہو تو تمہارے لئے عراق کا راستہ ہے۔"

اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ "تم لوگ میرا سہارا پکڑتے ہو، میں آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کروں گا۔" (۱)

امام مالکؒ سے سبقاً سبقاً موطا پڑھ چکنے کے بعد انہوں نے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا:

"وہی تمہارے لئے کافی ہے جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں۔"

جب یہاں تعلیمی سلسلہ کی تکمیل ہوگئی تو انہیں عراق جا کر فقہ حنفی کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا اور

(۱) اس واقعہ کو بعض مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس نے ایک دن امام صاحب سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس نے دوبارہ پوچھا، امام صاحب نے دوبارہ جواب دیا اور پھر سہ بارہ بھی جواب ملا۔ لیکن جب چوتھی مرتبہ اس پر کچھ پوچھا تو امام مالکؒ نے فرمایا "مغربی" "بس یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اگر تم رائے چاہتے ہو تو عراق جاؤ۔ اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اسی وجہ سے عراق چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ اسد کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جب یہاں درس کی تکمیل کرلی تب عراق گئے تاکہ فقہ حنفی کی تحصیل کریں۔

امام مالکؒ سے رخصت ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے امام صاحبؒ نے التفات خاص کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔

قاضی اسد بیان کرتے ہیں کہ:

میں اور حارث بن اسد قفصی اور غالب بن مہدی امام صاحب کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ میرے دونوں ساتھی مجھ سے پہلے باریاب ہوئے اور امام مالکؒ سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے، انہوں نے ان دونوں کو وصیت کی، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے تقویٰ، قرآن اور اس امت کی خیرخواہی کی وصیت کرتا ہوں۔" اس کے بعد ہم لوگ باہر نکلے تو میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ "اے عبداللہ! واللہ انہوں نے تمہیں اپنی وصیت میں ہم لوگوں سے زیادہ عطا فرمایا۔"

راوی سلیمان کا بیان ہے کہ امام مالکؒ رخصت کرتے وقت اپنے تلامذہ کو صرف "تقویٰ اللہ" کی وصیت فرماتے تھے۔

اس کے بعد قاضی اسدؒ مدینہ سے عراق روانہ ہوئے۔ یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مجلس درس آراستہ تھی۔ وہ یہاں آکر امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اسدؒ بن عمرو (۱) کے حلقوں میں شریک ہوئے اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے ممتاز فقہائے احناف کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

امام محمد کا التفاتِ خاص:۔ امام محمدؒ کی خدمت میں انہیں نمایاں اختصاص حاصل ہوا، ان کی اجازت سے ان کے عام درس میں شریک ہونے کے علاوہ شب کے وقت بھی ان سے پڑھتے تھے اور پھر جب ان کی غریب الوطنی کا علم ہوا تو امام محمدؒ نے ان کی مالی امداد بھی فرمائی۔ انہوں نے یہ واقعات خود سلیمان بن سالمؒ سے بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

میں نے امام محمد بن حسن سے کہا کہ میں پردیسی ہوں اور آپ سے فقہ اور حدیث کا بہت کم سرمایہ جمع کرسکا ہوں، کیونکہ آپ کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے میرے لئے کیا خاص عنایت ہوسکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عراقی طلبہ کے ساتھ دن کے وقت درس میں شریک رہو اور رات کا وقت صرف تمہارے لئے خاص کرتا ہوں۔ رات میرے ہی پاس گزارو، میں تمہیں حدیثیں

(۱) ان شیوخ میں صاحبینؒ کے اسمائے علوم و مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر اسد بن عمرو بھی امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ان کا امتیاز خاص یہ ہے کہ انہی نے سب سے پہلے امام اعظمؒ کی کتابیں ان سے نقل کی ہیں۔ الجواہر المضیہ میں ان کے حالات درج ہیں۔ (ج ا صفحہ ۱۴۰)

سنایا کروں گا۔ چنانچہ میں شب کو امام محمدؒ کے یہاں رہنے لگا، وہ خود کوٹھے پر رہتے تھے اور میں نیچے کی منزل میں رہتا تھا۔ لیکن میری خاطر سے وہ نیچے ہی اتر آتے اور درس کے لئے اپنے سامنے ایک پیالے میں پانی رکھ کر بیٹھ جاتے۔ جب پڑھتے پڑھتے رات زیادہ گذر جاتی تو مجھے نیند آنے لگتی۔ وہ مجھے اونگھتے دیکھ کر ایک چلو پانی میرے منہ پر چھڑکتے اور میں بیدار ہو جاتا۔ ان کا اور میرا یہی طریقہ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ میں جس قدر ان سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ لیتا۔"

امام محمدؒ کی شفقتوں کے سلسلہ میں وہ مزید لکھتے ہیں:

"میں ایک دن محمد بن حسن کے حلقہ درس میں بیٹھا تھا، ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی۔ میں جلدی سے اٹھ کر گیا اور پانی پی کر حلقہ میں واپس چلا آیا۔ اس پر امام محمدؒ نے مجھ سے پوچھا "مغربی، تم سبیل کا پانی پیتے ہو؟" میں نے عرض کیا "خدا آپ کو فلاح دے، میں تو ابن السبیل ہوں۔" درس ختم کر کے میں گھر چلا گیا، تو رات کے وقت کسی نے دروازہ پر آواز دی۔ دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کا خادم ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ سے کہا ہے کہ مجھے آج سے پہلے بالکل معلوم نہ تھا کہ تم ابن السبیل ہو، اس لئے اس نفقہ کو لے لو اور اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس کے بعد اس خادم نے ایک بھاری تھیلی میری طرف بڑھائی۔ میں دل میں خوش ہوا کہ اس میں دراہم کی کافی تعداد ہے۔ جب گھر میں آ کر تھیلی کھولی تو دیکھا کہ اس میں ۱۸۰ اشرفیاں بھری ہوئی ہیں۔

امام مالکؒ کی وفات اور لوگوں کا ان کے تلامذہ کی طرف مرجوعہ:

قاضی اسدؒ عراق میں تحصیل علم میں مصروف تھے کہ اچانک مدینہ سے امام مالکؒ کی وفات کی خبر صاعقہ اثر ملی اور اسی وقت سے امام مالکؒ کے تلامذہ طالبان علم کے مرجوعہ بن گئے۔ جن میں قاضی اسدؒ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ کو وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ہم لوگ ایک دن امام محمدؒ کے حلقہ درس میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور لوگوں کو پھاندتا ہوا امام محمدؒ کے قریب پہنچا اور ان سے کوئی خبر بیان کی، جس پر امام محمدؒ بول اٹھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک مصیبت ہے کہ اس سے بڑھ کر دوسری مصیبت نہیں، مالک بن انس کا انتقال ہو گیا ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث نے وفات پائی۔

یہ خبر مسجد میں پھیلی، پھر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی۔ لوگ مالک بن انسؒ کی وفات پر اظہار غم کے لئے جمع ہونے لگے اور اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جب کوئی مالک بن انسؒ کی حدیث

روایت کرنے لگتا تو ایک خلقت اس کے گرد امنڈ آتی اور اس قدر مجمع ہوتا کہ راستے بند ہو جاتے۔

صاحبین کی قاضی اسدؒ سے موطا کی تحصیل:

اسی سلسلہ میں قاضی اسدؒ سے بھی لوگوں نے امام مالکؒ کی روایتیں حاصل کیں۔ بلاشبہ انہیں یہ قابل فخر اعزاز حاصل ہوا کہ امام ابو یوسفؒ نے اس تشنۂ علم کو سیراب کرنے کے بعد اس سے اس فیض کے حاصل کرنے کی خواہش کی جو وہ مدینۃ العلم یثرب سے حاصل کر کے لایا تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اسدؒ سے موطا امام مالک کا درس لیا۔

پھر جب امام محمدؒ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا "ابو یوسفؒ علم کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔" اور اس کے بعد انہوں نے بھی قاضی اسدؒ سے موطا کے درس کی خود بھی خواہش ظاہر کی اور اس حیثیت سے قاضی اسدؒ کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اولین کے درمیان ایک سلسلۃ الذہب قرار پاتی ہے۔

قاضی اسدؒ نے مشرق میں فقہ مالکی وحنفی کی تحصیل کے علاوہ علم حدیث پر بھی نظر رکھی۔ امام محمدؒ سے تحصیل حدیث کا ذکر اوپر گذرا، ان کے علاوہ شیوخ عراق میں سے یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی، ابوبکر بن عیاشؒ، مسیب بن شریک اور ہشیم بن شریکؒ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے حدیثیں نقل کیں۔ ان سے صرف مؤخر الذکر ہشیم بن شریکؒ سے بارہ ہزار حدیثیں لکھیں۔

وطن کو مراجعت:۔ قاضی اسدؒ نے مشرق میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکنے کے بعد وطن واپسی کا ارادہ کیا، لیکن مصارف سفر کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے سخت پریشان تھا۔ بالآخر امام محمد کے سامنے اس کا تذکرہ آیا۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا ذکر ولی عہد (غالباً شہزادہ امین مراد ہے) کے سامنے کروں گا۔ امید ہے تم بآسانی وطن پہنچ جاؤ گے۔

چنانچہ امام محمدؒ نے ولی عہد سے قاضی اسدؒ کا تذکرہ کیا اور اس سے قاضی اسدؒ کے ملنے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ جب قاضی اسدؒ ولی عہد کے محل میں جانے لگے تو امام محمدؒ نے انہیں سمجھایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جس رکھ رکھاؤ سے پیش آؤ گے، ویسا ہی وہ بھی تم سے برتاؤ کریں گے۔ اگر تم اپنی خودداری قائم رکھ کر ان سے ملو گے تو وہ بھی تمہیں باعزت اور خوددار سمجھیں گے۔

اس کے بعد قاضی اسد ولی عہد کے محل میں پہنچے۔ ایک خادم نے ان کا استقبال کیا اور ایک جگہ بٹھایا۔ یہاں ان کے سامنے ایک ڈھکا ہوا خوان لایا گیا۔ قاضی اسدؒ نے پوچھا "یہ جو کچھ تم لائے ہو تمہاری طرف سے یا تمہارے آقا کی جانب سے؟" وہ بولا "آقا کے حکم سے لایا ہوں۔"

قاضی اسدؒ نے نہایت خوبصورتی سے جواب دیا:

''تمہارا آقا کبھی اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا مہمان اس کی شرکت کے بغیر کھانا کھائے، صاحبزادے! یہ تمہارا ہی احسان ہے، مجھ پر بھی تمہاری مکافات واجب ہے۔'' یہ کہہ کر جیب ٹٹولی، اس میں ان کا سرمایہ کل چالیس درہم تھے۔ انہوں نے اس کے صلے میں اس کو بڑی فراخ حوصلگی سے چالیسوں درہم اس کی طرف بڑھا دیئے اور خوان اٹھا لینے کا اشارہ کیا۔ خادم قاضی اسدؒ سے بے حد خوش ہوا اور سارا واقعہ اپنے آقا سے سنایا۔ وہ سن کر بہت محظوظ ہوا اور قاضی اسدؒ کو اندر طلب کیا۔ اس کے بعد قاضی اسدؒ کی زبانی سنئے:

میں ولی عہد کی خدمت میں پہنچا، وہ ایک تخت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے سامنے ایک دوسرا تخت بچھا تھا، جس پر حاجب بیٹھا تھا، تیسرا تخت خالی تھا، اس پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر مجھ سے مختلف گفتگو میں کرتا رہا اور میں مناسب جوابات دیتا رہا۔ جب میری واپسی کا وقت آیا تو ایک رقعہ لکھ کر سر بمہر لفافہ میں میرے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے صاحب دیوان کے یہاں لے جاؤ، پھر مجھ سے دوبارہ ملنا، تمہیں انشاء اللہ یہاں آنے سے مسرت ہوگی۔

اس لفافہ میں دس ہزار دیئے جانے کی ہدایت تھی۔ جب یہ رقم وصول ہوگئی تو قاضی اسدؒ نے ولی عہد کی ہدایت کے مطابق اس کے یہاں دوبارہ جانا چاہا، مگر امام محمد نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ اگر اب ان لوگوں کے پاس دوبارہ جاؤ گے تو وہ تمہیں اپنا ملازم تصور کریں گے۔ چنانچہ قاضی اسدؒ نے ملنے کا خیال ترک کر دیا اور اپنے شفیق استادوں سے رخصت ہو کر مصر روانہ ہو گئے۔

قاضی اسدؒ نے امام محمدؒ کے دل پر اپنی محنت، جفاکشی اور تحصیلِ علم کے شوق کے گہرے نقوش چھوڑے تھے، وہ ان کے آنے کے بعد مجلسوں میں ان کی تعریف فرماتے تھے۔ صاحب معالم نے لکھا ہے:

''امام محمدؒ مکہ میں ان کی تعریف کرتے تھے، اور ان کے مناظرہ، طریق درس اور علم حدیث کی توصیف وستائش فرماتے تھے۔''

مصر میں: مصر میں اس وقت عبداللہ بن وہب، اشہب اور عبدالرحمٰن بن قاسم کے علمبردار تھے اور یہ تینوں امام مالکؒ کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے، جن کا احترام امام مالک کے تمام شاگرد کرتے تھے۔ قاضی اسد باری باری ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، لیکن عبداللہ بن وہب او راشہب سے نبھ نہ سکی اور موخر الذکر سے تو ایسی سخت نوک جھونک ہوئی کہ اگر عبداللہ بن عبدالحکیم

وغیرہ درمیان میں نہ آ جاتے تو برے نتائج پیدا ہوتے۔

آخر میں عبدالرحمٰن بن قاسم کی طرف رجوع کیا۔ یہ اپنے علم و فضل، زہد و ورع اور کبرسنی کی وجہ سے بڑے احترام سے دیکھے جاتے، عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ دن رات میں تین ختم پڑھتے اور گھنٹوں نماز میں قیام کرتے تھے۔

علم فقہ میں روایت، رائے اور قیاس سب پر یکساں نظر رکھتے تھے اور ابن قاسم کی یہی جامعیت قاضی اسدؒ کے لئے وجہ کشش تھی، ایک دن انہوں نے جوش عقیدت میں ان کے متعلق مسجد میں بآواز بلند یہ کہا:

''حضرات! اگر مالک بن انسؒ کا انتقال ہو چکا ہے تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے سامنے موجود ہے۔''

یہ کہتے ہوئے ابن قاسمؒ کی طرف اشارہ کیا اور پھر التزام سے روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

اسدیہ کی تدوین:۔ اس کے بعد قاضی اسد کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ ابن قاسمؒ سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے۔ قاضی اسدؒ سوال و جواب دونوں کو بالترتیب لکھتے جاتے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؒ اپنے جوابوں میں امام مالکؒ کے فتاویٰ بیان کرتے۔ ان پر احادیث سے استدلال لاتے اور قیاس و رائے سے ان جوابوں کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان جوابوں کے املا کرانے میں روزانہ کے تین ختموں کے معمول میں سے ایک ختم کو ترک کر دیا۔

اس طرح یہ سوال و جواب ساٹھ جزوں میں مدون ہو گئے اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی اولین کتاب ہے۔ قاضی اسدؒ نے اس مجموعہ کو اپنے نام پر ''الاسدیہ'' سے موسوم کیا ہے۔

الاسدیہ کی شہرت اور اس کی نقلیں:۔ الاسدیہ کی تدوین کے بعد قاضی اسد کو افریقہ واپسی کا خیال آیا۔ اس اثناء میں الاسدیہ کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اہل مصر نے قاضی اسدؒ سے اس کا ایک نسخہ حاصل کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کے دینے میں تامل کیا اور یہ معاملہ قاضی تک پہنچا۔ قاضی اسدؒ کا دعویٰ تھا کہ اس کی نقلیں ان کے حوالہ سے کی جائے لیکن اہل مصر اس پر آمادہ نہ تھے۔ تھوڑے سے رد و کد کے بعد قاضی نے اس کی نقل اس سے دلوا دی۔

جب قاضی اسدؒ مصر سے روانہ ہونے لگے تو ابن قاسم نے کچھ سامان ان کے حوالہ کیا کہ

اسے افریقہ میں فروخت کر کے اس کی قیمت سے کاغذ خرید اجائے اور اسدیہ کی نقل ان کے پاس بھیج دی جائے۔ چنانچہ افریقہ پہنچ کر قاضی اسد نے اس کی نقل ایک عدد تیار کرا کے اپنے استاد کی خدمت میں ارسال کر دی۔

۱۸۱ ہجری میں قاضی اسد مصر سے قیروان واپس آئے اور یہاں پہنچتے ہی خلق خدا کا ہجوم امنڈ پڑا اور انہوں نے مؤا امام مالک اور الاسدیہ کا درس جاری کر دیا۔ امام مالک سے بیک واسطہ احادیث لینے اور الاسدیہ کی روایت اور سماع کے لئے افریقہ اور مغرب کے جلیل القدر علماء نے قاضی اسدؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور چند ہی دنوں میں ان کی اسدیہ کی روایت جسے عرف عام میں "المدونۃ" بھی کہنے لگے تھے، سارے افریقہ و مغرب میں پھیل گئی۔

تیسری نقل موسومہ المدونۃ الکبریٰ اور امام سحنون اور قاضی اسدؒ میں علمی چشمک:

جب "الاسدیہ" شہرۂ آفاق حیثیت حاصل کر کے خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئی تو اہل علم نے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ کی اور اس کی نقل کا اہتمام کیا۔ اسد کے حلقہ درس میں دو جلیل القدر علماء سحنون اور محمد بن رشید بھی شریک تھے، ان دونوں نے اسد کی لاعلمی میں ان کی نقل تیار کرنی شروع کی۔

لیکن ایک زمانہ میں اہل علم کے درمیان کتاب کے نسخوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ تلامذہ کا فرض تھا کہ استاد کی اجازت کے بغیر اس کی نقل نہ لیں اور دراصل وہ نسخے جو استاد کی تصدیق کے بغیر ہوتے معتبر بھی نہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں نے اس کی نقل حاصل کرنی شروع کی، اس لئے جب قاضی اسدؒ کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہیں سخت ناگوار گذرا۔ اب وہ لوگوں کو نسخہ کی جزوی نقل دینے میں بھی احتیاط برتنے لگے، مگر اس وقت تک سحنون کا نسخہ قریب قریب مکمل ہو چکا تھا۔ صرف ایک باب کتاب القسم کی نقل باقی رہ گئی تھی۔

بہر حال سحنون اس کی نقل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص جزیرہ سے اسدؒ کے پاس آیا اور اس کی کتاب القسم کی نقل چاہی۔ قاضی اسدؒ کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ سحنون کا فرستادہ نہ ہو، اس لئے اسے نقل دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ اس کی نقل سحنون کو نہ دے گا۔ اس پر قاضی صاحب نے کتاب القسم اس کے حوالہ کر دی اور اس نے نقل حاصل کر لی۔

وہ شخص فی الواقع سحنون کا فرستادہ ہی تھا، چنانچہ مطلوبہ نقل لے کر جب وہ امام سحنون کی

خدمت میں واپس گیا تو اس نے کہا:

''ابو سعید! یہ لو، مگر یہ نقل مجھے بغیر حلف اٹھائے نہ مل سکی۔ اب مجھے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہے۔''

اس طریقہ سے ''الاسدیہ'' کی نقل سحنون کے پاس مکمل تیار ہوگئی مگر قاضی اسدؒ کو اس خبر نہیں ہوئی۔ چند دنوں کے بعد سحنون نے مصر کا قصد کیا۔ روانگی کے وقت افریقہ کے اہل علم ان کی مشایعت کو نکلے۔ ان میں اسد بھی موجود تھے۔ اسد نے در پردہ دریافت کرنے کے لئے کہ الاسدیہ کی نقل مکمل ہوگئی یا نہیں، ان سے کہا:

''اگر تمہارے پاس یہ مدونہ ہوتی تو تم اسے ابن قاسمؒ سے سن سکتے۔''

سحنون نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا:

''وہ میرے سامان میں موجود ہے۔''

قاضی اسدؒ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ سحنونؒ کے سفر مصر کی اصل غرض وغایت ابن قاسمؒ سے الاسدیہ کی روایت وسماع ہی ہے۔

المدونۃ بسماع سحنون کی وقعت واہمیت:۔ چنانچہ امام سحنون مصر میں عبدالرحمٰن بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے سب سے پہلے قاضی اسد کی خیر وعافیت دریافت کی۔ سحنون نے کہا ''تمام ممالک میں ان کا علم پھیل گیا ہے۔'' ابن قاسمؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد سحنون نے ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت اس طرح لینی شروع کی کہ قاضی اسدؒ کے مرتب کئے ہوئے سوالات سحنون پڑھتے اور ابن قاسم اپنے جوابات کو دہراتے۔ اس طریقہ سے پوری ''اسدیہ'' تمام ہوئی۔

اس قرأت میں ابن قاسم نے ''اسدیہ'' کے جوابوں میں حذف وترمیم بھی کردی تھی اور بعض فتوؤں سے رجوع کرلیا تھا۔ جب سحنون مصر سے رخصت ہونے لگے تو ابن قاسمؒ نے قاضی اسدؒ کے نام ایک خط لکھا کہ:

''تمہاری مدونہ کے جوابوں میں کہیں کہیں ترمیم ہوگئی ہے، تم اپنے نسخہ کی سحنون کے نسخہ سے ملا کر تصحیح کرلو۔''

اگرچہ موجودہ زمانہ میں بظاہر یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ کی

تنقیح کر لی جائے مگر اس عہد میں کتابوں کے نسخہ کے لئے جو اہتمام کیا جاتا تھا اور ان کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے ان میں جو فرق مراتب قائم ہوتا تھا، اس لحاظ سے قاضی اسدؒ کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ لیکن وہ بڑی فراخدلی سے سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر دوسری طرف ان کے تلامذہ کی جماعت تھی۔ قاضی اسدؒ نے ان سے بھی تذکرہ کیا، انہوں نے اس میں اپنے استاد کی توہین محسوس کی کہ وہ امام مالکؒ سے شرف تلمذ رکھنے کے باوجود سحنون کی شاگردی میں داخل ہوں، کیونکہ سحنونؒ کے نسخہ سے مقابلہ کر لینے کے بعد اس زمانہ کے درس و تدریس کے قواعد کے مطابق قاضی اسدؒ سحنونؒ کی شاگردی میں داخل ہو جاتے۔

چنانچہ ان لوگوں نے قاضی اسدؒ کو آمادہ کر لیا کہ وہ ابن قاسم کے پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور قاضی اسدؒ نے فیصلہ کا اعلان کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ اسد کا یہ فیصلہ الاسدیہ کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ امام سحنونؒ نے مصر سے واپس آ کر بڑی شان و شوکت سے اپنی مسند درس بچھائی۔ سارے مغرب میں ابن قاسمؒ کے مکتوب کی شہرت ہو چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق سحنون کے پاس آئے اور ان کی ترمیم شدہ اسدیہ کی روایت ان سے لی۔ جس کی وجہ سے اسد کا نسخہ روز بروز بے وقعت ہوتا چلا گیا اور سحنونؒ کی مدونہ کو اعتبار حاصل ہوتا گیا، یہاں تک کہ سحنون کو "امام" کا لقب حاصل ہوا اور ان کے نسخہ کی بدولت ان کا نام قاضی اسدؒ کے نام پر غالب آ گیا۔

اگر چہ موجودہ زمانہ میں سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے سے اسدؒ کا گریز کرنا ناپسندیدہ سمجھا جائے مگر اس زمانہ میں نسخوں کی برتری اور پستی اور روایتوں میں راویوں کے لقاء وسماع کے جو اعتبارات قائم تھے، انہیں دیکھتے ہوئے قاضی اسدؒ کا طرز عمل شاید قابل الزام نہ سمجھا جائے اور دراصل اس میں صحیح رائے اسی زمانہ کے اہل علم قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابوالفاضل، ابوالقاسم بن احمد برزلی قاضی اسدؒ کے اس طرز عمل کے متعلق یوں اظہار رائے فرماتے ہیں:

"درست وہی ہے جو اسد نے کیا۔ کیونکہ انہوں نے ابن قاسم سے اپنے سوالوں کے جواب بالمشافہ حاصل کئے تھے۔ خط کے ذریعہ سماع کی مقبولیت کا مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس لئے کسی ایسی چیز کو جو متفق علیہ ہو کسی ایسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑ سکتے جو مختلف فیہ ہو۔"

یعنی ابن قاسم کے اس خط کی بنیاد پر جسے سحنون مصر سے لائے تھے، اسد کے اپنے نسخہ میں جو بالمشافہ سنا ہوا تھا ترمیم و اصلاح کرنے سے وہ متفق علیہ نسخہ مختلف فیہ بن جاتا ہے۔

قاضی اسدؒ کے لئے اس وقت بہتر شکل یہ تھی کہ وہ خود مصر کا سفر کرتے اور ابن قاسمؒ کے سامنے اپنے نسخہ کو دہرا لیتے، مگر ان کے مکتوب کے رد کر دینے کے بعد شاید استاد و تلمیذ میں ایسی صفائی باقی نہ رہ گئی ہو کہ وہ مصر کا سفر کرتے، البتہ اس کا امکان مکتوب کے رد کر دینے سے پہلے ہی تھا، تاہم ان تمام حالات کے باوجود قاضی اسد تمام عمر ابن قاسمؒ کا نام عزت واحترام سے لیتے رہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی مشہور ہو چکی تھی کہ جب عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کو قاضی اسدؒ کے انکار کی خبر ملی تو انہوں نے اسدیہ کے غیر مقبول ہونے کی بددعا کی، اور شہرت تھی کہ ان کی دعا باب اجابت تک پہنچی، مگر قاضی اسدؒ نے کبھی استاد کے ادب واحترام میں کمی نہیں کی۔ اسی زمانہ میں جب یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا، فقیہ معمرؒ ان کی خدمت میں پہنچے اور انہیں روتے ہوئے پایا۔ معمر نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ''نہیں کوئی مصیبت نہیں، لیکن میرے پاس ابن قاسمؒ کا خط آیا ہے، وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اپنی کتاب سحنون کی کتاب سے دہرا لوں۔ حالانکہ سحنون کی میں نے تربیت کی ہے۔''

اس پر معمرؒ نے اسدؒ سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی اور ابن قاسمؒ کے خط لکھنے پر نکتہ چینی شروع کی تو قاضی اسد فوراً بولے ''ایسا نہ کرو، اگر تم ابن قاسم کو دیکھتے تو تمہارے لئے یہ کہنا دشوار ہوتا۔''

اسی طرح قاضی اسدؒ کے عہدۂ قضا کے زمانہ میں کسی فقیہ نے ابن قاسمؒ کی تنقیص کی اور ان کی روایت حدیث پر جرح کی۔ جب اسد کو خبر ملی تو انہوں نے اس کی تفتیش کر کے اس فقیہ کو سنگین سزا دی اور انہیں بری طرح پٹوایا۔

الغرض اسدیہ کی تیسری نقل یہی ''المدونۃ الکبریٰ'' ہے۔ صرف ان دونوں میں چند مسائل کا فرق ہے اور اس کتاب سے دور حاضر تک یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے بڑی اور مستند ترین کتاب خیال کی جاتی ہے۔

''المدونۃ'' پہلی مرتبہ ۱۳۲۴ ہجری میں مطبع خیریہ مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اگرچہ اس مطبوعہ نسخہ میں الاسدیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ سحنون کے مصر جانے کے بعد ضابطہ کے لحاظ سے ان کی تملیک کا حق سحنون کو بھی حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن اہل علم دخیر اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ یہ اصل کمائی اسد ہی کی ہے اور امام سحنونؒ نے بھی بخوبی اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ ابن فرحونؒ نے بھی اپنی کتاب میں امام سحنون کے وہ کلمات درج کئے ہیں جو انہوں نے المدونہ کے متعلق ظاہر کئے تھے اور اس نے المدونہ کے تمام شروح وحواشی اور ملخصات وغیرہ کو اسد کے

ترجمہ میں الاسدیہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہے:

قال سحنون عليكن بالمدونة فانها كلام رجل صالح و روايته وكان يقول انما المدونة من العلم بمنزلة ام القران تجزی فی الصلوٰة عن غيرها ولا يجزی غير عنها (۱)

سحنونؒ کا قول ہے کہ "تمہیں اس مدوّنہ کو اپنے لئے لازم کر لینا چاہئے۔ وہ ایک صالح شخص (ابن قاسم) کا کلام ہے اور ایک صالح شخص (اسد) کی روایت ہے اور سحنون کہا کرتے تھے۔ یہ مدوّنہ علم میں وہی درجہ رکھتی ہے جو نماز میں ام القران کا ہے۔ نماز میں اس کے علاوہ دوسری صورتیں پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن اس کے بغیر کوئی نماز جائز نہیں۔"

اس لئے گویا علم کی تکمیل مدوّنہ کے بغیر ممکن نہیں رہی۔ مدوّنہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ علامہ ابن فرحون اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

افرغ الرجال فيها عقولهم وشرحوها وبينوها فما اعتكف احد على المدونة ودراستها الاعرف فی ورعه وزهده (۲)

"لوگوں نے اس میں اپنی خوب طبع آزمائیں کی ہیں، شرحیں لکھی ہیں اور اس کی توضیحیں کی ہیں، ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے اس مدوّنہ پر بھروسہ نہ کیا ہو اور اس کا درس نہ لیا اور پھر وہ اسد کے زہد وورع کا قائل نہ ہوا ہو۔"

فقہی مسلک: ۔ الاسدیہ کے متعلق جس واقعہ کا ذکر سطور بالا میں ہوا، اس کے بعد قاضی اسدؒ نے اپنے فتووں میں دوسری روش اختیار کی، یعنی بعض مسائل خصوصاً معاملات میں وہ فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دینے لگے، پھر عہدۂ قضا پر مامور ہونے کے بعد تو تقریباً تمام معاملات کے فیصلے فقہ حنفی کی رو سے کرتے تھے، کیونکہ ایک طرف ان کے نسخے کے مسائل امام سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے کے باعث کلیۃً مشتبہ ہو گئے تھے، اس کے علاوہ مسائل معلومات میں جس قدر جزئیات دولت عباسیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ حنفی میں منضبط ہو گئے تھے، وہ الاسدیہ میں موجود نہ تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم زیاد بن یونس سیوری کا بیان ہے:

"اسد نے ابن قاسم کے خط کو قبول نہیں کیا اور اپنی کتاب موسومہ الاسدیہ پر اعتماد کئے رہے۔ پھر اہل عراق (احناف) کے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔"

(۱) الدیباج المذہب صفحہ ۹۸ _ (۲) معالم الایمان ج ۲ صفحہ ۱۰

اس طریقہ سے قاضی اسدؒ افریقہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے اور یہ قدرۃً مالکیوں کو ناگوار گزرا اور ان کے خلاف مختلف افواہیں پھیلائیں، جن میں ایک یہ بھی تھی کہ انہیں امام مالک سے شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا، اس کا اندازہ مقدسی (۳۷۵ھ) صاحب احسن التقاسیم کی ایک روایت سے ہوتا ہے، جسے اس نے کسی افریقی سے سن کر اپنی کتاب میں جگہ دی ہے، وہ رقمطراز ہے:

میں نے بعض اہل افریقہ سے سوال کیا کہ تمہارے یہاں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کیونکر پہنچا، حالانکہ وہ تمہارے راستہ میں نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ:

۱۔ ہمارے یہاں سے وہب بن وہب مالک کے یہاں سے فقہ و دیگر علوم میں ماہر ہو کر واپس آئے تو اسد بن عبداللہ پر ان کی جلالت شان اور کبر نفس کی وجہ سے یہ شاق گذرا کہ وہ وہب کے سامنے درس کے لئے زانوئے ادب تہہ کریں۔ اس لئے انہوں نے براہ راست امام مالکؒ کی طرف رخ کیا، لیکن وہ اس زمانہ میں بیمار تھے، جب انہیں وہاں ٹھہرے ہوئے کچھ زمانہ گذر گیا اور امام مالکؒ صاحب فراش رہے تو انہوں نے قاضی اسدؒ سے فرمایا کہ تم وہب کے پاس چلے جاؤ، میں نے لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے بچانے کے لئے انہیں اپنا تمام علم ودیعت کر دیا ہے۔

امام مالکؒ کا یہ ارشاد قاضی اسدؒ پر اور بھی گراں گذرا، وہ امام مالکؒ سے مایوس ہو کر کسی ایسے شخص کی جستجو میں لگے، جو علمی وقار میں ان کے ہم پلہ ہو، لوگوں نے امام محمدؒ صاحب ابی حنیفہ کا نام بتایا۔

۲۔ چنانچہ وہ امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور بڑی توجہ سے پیش آئے اور ان کی ذکاوت ذہانت اور تحصیلِ علم کے شوق سے متاثر ہو کر بڑی جانفشانی سے علم فقہ پڑھایا۔

۳۔ جب قاضی اسدؒ کی علمی استعداد قابل اطمینان ہوگئی تو امام محمدؒ نے انہیں حنفی مذہب کا علمبردار بنا کر مغرب کی طرف بھیجا، جہاں پہنچ کر انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مغرب میں فقہ حنفی کے لئے بہت عمدہ زمین تیار کر دی، لوگ فروعات میں ان کی نکتہ رس نگاہ دیکھ کر حیرت کرتے اور وہ ایسے دقیق مسائل بیان کرتے جنہیں لوگوں نے کبھی سنا نہ تھا، تلامذہ کی بڑی جماعت حلقہ بگوش ہوگئی اور انہیں تلامذہ نے مغرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر اس مذہب کی ایسی ترویج کی کہ وہ مغرب کے تمام افق پر چھا گیا۔(۱)

(۱) احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، صفحہ ۲۳۷-۲۳۸

یہ کسی مالکی المسلک افریقی کا بیان ہے، اس میں قاضی اسدؒ کے مدینہ اور عراق کے سفر کے متعلق جو باتیں ہیں، وہ قطعی بے اصل ہیں۔ اس کے صحیح حالات اوپر مستند روایتوں سے گزر چکے ہیں۔ پھر وہب بن وہب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ امام مالکؒ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے، ورنہ وہبؒ تو قاضی اسدؒ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں وہیں موجود تھے۔ اس روایت میں امام مالکؒ سے موطا پڑھنے سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ جو روایتیں اس سلسلہ میں اوپر گذر چکیں، قاضی عیاضؒ نے بھی اس فہرست میں قاضی اسدؒ کا نام رکھا ہے، جنہوں نے امام مالکؒ سے موطا پڑھی تھی۔

دوسرے پیراگراف میں راوی کا جو بیان درج ہے اس میں یہ واقعہ صحیح نہیں کہ امام محمدؒ نے انہیں مذہب حنفی کا علمبردار بنا کر افریقہ بھیجا، اگر ایسا ہوتا تو وہ مصر میں ٹھہر کر عبدالرحمٰن بن قاسم سے ''الاسدیہ'' مرتب نہ کرتے۔

اسی قسم کی روایتوں کی بنیاد پر یہ شہرت بھی دی گئی کہ قاضی اسدؒ نے اس واقعہ کے بعد مالکی مذہب ترک کر کے حنفی مذہب قبول کر لیا، لیکن جہاں تک روایات اور قیاسات سے انہیں دیکھا جا سکتا، اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قاضی اسدؒ کے فقہی مذہب کے متعلق سب سے متوازن و بہتر رائے جعفر القصیر کی ہے، وہ لکھتا ہے:

کان اسد امام العراقیین بالقیروان کافة مشهورا بالفضل والدین ودینه ومذهبه السنة

''اسد قیروان میں احناف کے امام تھے، علم و فضل اور دینداری میں شہرت تامہ رکھتے تھے، اور ان کا دین و مذہب ''سنت'' تھا۔''

اس بیان کے آخری فقرہ ''دینه و مذهبه السنة'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی وسعت نظر اور اجتہاد کے ساتھ سنت پر عمل کرتے تھے، اور جہاں تک افتاء کا تعلق ہے، وہ فقہ حنفی کے مطابق دیتے تھے، تاہم اہل علم نے انہیں ہر دور میں مالکی مذہب کا پیرو سمجھا، چنانچہ مالکی مذہب کے فقہاء کے حالات میں طبقات کی جو کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں، ان میں ''مالکی فقیہ'' کی حیثیت سے قاضی اسدؒ کا نام موجود ہے، برخلاف اس کے فقہائے احناف کے طبقات کی کتابوں ''الجواهر المضیۃ'' وغیرہ میں قاضی اسدؒ کا نام نہیں ملتا۔

منصب قضاء پر تقرر:۔ کمال تفقہ و افتاء کے باعث عہدۂ قضاء پر بھی مامور ہوئے، جس

زمانہ میں وہ افریقہ آئے، عبداللہ بن غانم قیروان کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے وہ قاضی اسدؒ کے قدردان اور ان کے علم وفضل کے معترف تھے، جب تک زندہ رہے، مسائل ومعاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہے۔(۱)

ان کی وفات کے بعد ۱۹۱ھ میں ایک دوسرے اہل علم ابومحرز اس عہدہ پر سرفراز کئے گئے، پھر افریقہ کے شیوخ وعلماء نے قاضی اسدؒ کو ممتاز عہدہ پر مامور کرنا چاہا۔ چنانچہ علی بن حمید نے والی افریقہ زیادۃ اللہ کے سامنے قاضی اسدؒ کی علمی مرتبت، فضل وکمال اور شہرت کا تذکرہ کر کے اس خواہش کا اظہار بھی کیا، لیکن ابومحرز کو دولت اغلبیہ کے بانی ابراہیم بن اغلب نے اس عہدہ پر نامزد کیا، اس لئے زیادۃ اللہ نے انہیں معزول کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی یہ دوسری شکل اختیار کی کہ قاضی اسدؒ کو ۲۰۳ھ ہجری میں اس عہدہ میں مساوی حیثیت سے ابومحرز کا شریک بنادیا۔ یہ اسلامی حکومت میں پہلی مثال تھی کہ ایک ہی عہدہ پر ایک ہی حیثیت اور اختیار کے ساتھ دو شخص مامور کئے جائیں۔

قاضی اسدؒ کا یہ تقرر قدرۃً ابومحرز کو ناگوار گذرا۔ علاوہ ازیں ان دونوں میں کسی قدر علمی چشمک موجود تھی۔ اب یہ معاصرانہ چشمک پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی اور باہمی مسابقت کے جذبات پیدا ہوگئے اور کبھی کبھی مناظرہ ومجادلہ تک نوبت پہنچ جاتی۔ ان دونوں کی چشمکوں کے ایک سے زیادہ واقعات صاحب معالم وغیرہ نے تفصیل سے لکھے ہیں اور ان دونوں کے علم وفضل کا موازنہ کیا ہے۔ مصنف معالم کی رائے ہے:

''قاضی اسدؒ، ابومحرز سے علم وفضل میں زیادہ تھے اور انہیں فقہ پر بھی زیادہ عبور حاصل تھا اور ابومحرز اگرچہ قاضی اسدؒ سے علم وفقہ میں کم پایہ تھے مگر بعض اوقات (مسائل کے جواب میں) حق ان کے ساتھ رہتا تھا۔''

اس کے بعد ۲۰۹ ہجری میں منصور طنبدی نے زیادۃ اللہ کے خلاف خروج کیا اور دارالسلطنت قیروان پر قابض ہوگیا۔ منصور کے متولی ہونے کے بعد قاضی ابومحرز اور قاضی اسدؒ دونوں اس کے پاس پہنچے۔ اس کی مجلس میں سلطنت کے اعیان اور فوج کے ممتاز قائدین موجود تھے، منصور نے ان دونوں کے عہدہء قضا کی مناسبت سے ان کے سامنے زیادۃ اللہ کے مظالم بیان کئے اور دونوں کی رائے طلب کی، ابومحرز نے موقع ومحل سے خائف ہوکر اس کے بیان کی تائید کردی، لیکن قاضی

(۱) معالم الایمان ج ۲ صفحہ ۱۱

اسدؒ نے صاف گوئی سے کام لیا اور نہ صرف یہ کہ منصور کے بیان کی تردید کر دی بلکہ اسے ظالم ٹھہرایا۔ یہ سن کر ایک فوجی افسر تلوار سونت کر قاضی اسدؒ کے سر پر کھڑا ہو گیا، مگر معاملہ فوراً رفع دفع ہو گیا، اس کے بعد یہ دونوں لوٹ آئے اور خائف رہے کہ پھر کوئی ناگوار صورت پیش نہ آئے۔

زیادۃ اللہ نے ۲۱۱ھ میں منصور پر غلبہ حاصل کر لیا اور قیروان پر قابض ہو گیا۔ منصور کے روبرو اسد اور محرز کی جو گفتگو ہوئی تھی، وہ امیر زیادۃ اللہ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، اسی بناء پر زیادۃ اللہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد ابو محرز کو عہدۂ قضاء سے معزول کر دیا اور قاضی اسدؒ اپنے عہدہ پر فائز رہے، اور اب وہ افریقہ کے تنہاء قاضی القضاۃ تھے۔

افریقہ کے اعیان و علماء قاضی اسدؒ کے عہدۂ قضا کا احترام اور لحاظ اس کے شایان شان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی اسدؒ نے یہاں کے چند معزز اہل علم سحنون بن سعید، عون بن یوسف اور ابن رشید کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور کسی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی، سحنونؒ کے ساتھیوں نے سحنونؒ سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:

''مجھے خوف ہوا کہ ہم ان کی خدمت میں اس حال میں پہنچے تھے کہ باہم دوست تھے اور ان کے پاس سے نکلتے تو ایک دوسرے کے دشمن ہوتے۔''

قاضی اسدؒ کے زیر قیادت صقلیہ کی فتح:۔ والی افریقہ زیادۃ اللہ بن ابراہیم نے جب ۲۱۲ھ میں صقلیہ پر حملہ کرنے اور اسے دارالاسلام بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے افریقہ کے اعیان علماء، فقہاء اور اہل رائے کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں قاضی اسدؒ بہت پیش پیش رہے اور در حقیقت انہی کی رائے اور مشورہ سے صقلیہ پر حملہ کا پلان قطعی طور پر طے پایا تھا۔

اسی باعث جب امیر زیادۃ اللہ نے صقلیہ پر حملہ آور فوج تیار کر لی تو اس کی سپہ سالاری کے لئے اس کی نظر انتخاب قاضی اسد پر پڑی۔ انہیں جب امیر کے اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسند قضاء و افتاء کو چھوڑ کر امارتِ عسکری کے اس جدید منصب کو قبول کرنے میں کسی قدر پس و پیش کیا اور امیر زیادۃ اللہ سے عرض کیا کہ:

''مجھے منصب قضاء جیسے دینی منصب سے الگ کر کے فوج کی امارت سپرد کی جاتی ہے؟''

زیادۃ اللہ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

''تم عہدۂ قضاء پر بھی فائز رہو اور لشکر کی امارت بھی تمہارے سپرد کی جاتی ہے جو اپنے اعزاز اور رتبہ میں عہدۂ قضا سے زیادہ بلند ہے، میں تمہارے لئے قضاء کا انتساب بھی باقی رکھتا

ہوں اور تمہیں ''قاضی امیر'' سے خطاب کیا جائے گا۔''

اس کے بعد عہدۂ امارت فوج اور منصب قضا دونوں کی سندیں لکھ کر امیر نے ان کے حوالہ کیں، قاضی اسدؒ کے سوانح نگاروں نے نہایت والہانہ انداز میں لکھا ہے:

''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افریقہ میں اس سے پیشتر ان دو جلیل القدر عہدوں پر کوئی شخص بیک وقت فائز نہیں ہوا تھا۔''(۱)

قاضی اسدؒ کی سپہ سالاری کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ افریقہ کے معزز اہل علم ان کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لئے کارواں در کارواں فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مورخین کا بیان ہے کہ قاضی اسدؒ کی شخصیت کی کشش افریقہ کے عزلت گزیں صوفیہ کو بھی ان کے حجروں سے باہر نکال لائی۔

بہر حال قاضی اسدؒ کی سرکردگی میں یوم شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۲۱۲ھ/ ۸۲۷ء کو دس ہزار منتخب سرفروشوں کا لشکر صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کے لئے قیروان سے روانہ ہوا۔ یہ جنگی بیڑا سات سو جہازوں پر مشتمل تھا، جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی، یہ بیڑا ۱۸ ربیع ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء کو صقلیہ کے ساحلی شہر مازر میں لنگر انداز ہوگیا۔ (۲) اور اس شہر کو بلا کسی زحمت و مزاحمت کے قبضہ میں کرلیا اور پھر سپہ سالار قاضی اسدؒ نے یہیں مورچہ بندی کر کے دشمن کا انتظار شروع کردیا، لیکن تین روز کے شدید انتظار کے باوجود بھی دشمن کی فوجیں نظر نہیں آئیں۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ نے مازر کے قلعہ پر فتح ونصرت کا جھنڈا لہرانے کے بعد پیش قدمی کی اور مقام مرج پہنچ کر مجاہدین خیمہ زن ہوگئے۔

حکومتِ صقلیہ نے اپنی حربی تیاریوں کے علاوہ حکومت قسطنطنیہ اور وینس سے بھی امداد طلب کی تھی۔ چنانچہ ان تینوں حکومتوں کا مشترکہ عظیم الشان لشکر اسلامی فوج سے مقابلہ کے لئے مرج پہنچا اور اس طرح ایک طرف دس ہزار بے وطن سپاہی صف آراء تھے اور دوسری طرف ڈیڑھ لاکھ زرہ بکتر رومیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ (۳) قاضی اسد لوئے جنگ اپنے ہاتھ میں سنبھالے ہوئے تھے، مجاہدین اسلام دم بھر کو لرزہ براندام ہوکر رہ گئے۔ قاضی صاحب نے جونہی اس کیفیت کو محسوس کیا نہایت جوش وخروش کے ساتھ سامنے آئے اور بلند آواز سے سورۂ یٰسین تلاوت فرمائی، پھر مجاہدین کو خطاب کیا:

(۱) معالم الایمان ج ۲ صفحہ ۴ اور ریاض النفوس صفحہ ۱۸۲۔ (۲) ابن اثیر، ج ۶ صفحہ ۲۳۶۔ (۳) نہایۃ الادب صفحہ ۴۴۹

مورخین لکھتے ہیں کہ قاضی اسدؒ کا خطاب ایسا برمحل اور ولولہ انگیز تھا کہ اسلامی فوج کی ہمت وشجاعت پھر عود کر آئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ان میں کا ہر فرد اپنی تشنہ تلواروں کی پیاس بجھانے کے لئے بے قرار ہے۔(۱) اسی خطاب میں قاضی اسدؒ نے کہا:

''مجاہدو! یہ ساحل کے وہی بجم ہیں جو روپوش ہو کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ تو تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں، ان سے کہیں خائف نہ ہو جانا۔''

قاضی اسدؒ اپنے مذکورہ بالا الفاظ کو گنگناتے ہوئے آگے بڑھے اور رجز خوانی کرتے ہوئے رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مجاہدین نے بھی تلواریں سنبھالیں اور فوج کے اس جنگل میں گھس گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ رومیوں نے سارا زور قاضی اسدؒ پر صرف کیا اور انہی پر پے در پے حملے کرتے گئے، جس کا وہ بھی پامردی سے جواب دیتے رہے اور گو وہ زخموں سے شکستہ حال ہو گئے، مگر لوائے جنگ ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ جس ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ خون سے تر ہو گیا، مگر قاضی اسدؒ نے اسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔

آخر رومیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی، ٹڈی دل فوج درہم برہم ہونے لگی اور وہ خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بھاگنے لگے، خلاصہ یہ کہ صقلیہ کا یہ پہلا معرکہ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس پہلی معرکہ آرائی میں سب سے نمایاں کارنامہ خود امیر لشکر قاضی اسدؒ کا تھا۔ زیادۃ اللہ نے قاضی اسدؒ کے فتح وظفر کا مژدہ خلیفہ وقت مامون کو بھیجا اور اس کی شہرت تمام عالمِ اسلامی میں پھیل گئی۔

وفات:۔ قاضی اسدؒ نے سرزمین صقلیہ میں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرانے کے بعد مزید پیش قدمی کی اور سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا اور ایک طویل ترین مدت تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ محاصرین اور محصورین دونوں اپنے بعض خاص حالات کی وجہ سے سخت پریشان اور عاجز آ گئے تھے۔ اس محاصرہ کے دوران فریقین کے درمیان ہلکی پھلکی جھڑپوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔(۲)

محاصرہ کی یہی حالت قائم تھی کہ اسلامی لشکر پر ایک نئی افتاد آ پڑی۔ لڑائیوں کا جو سلسلہ قائم تھا، اسی میں اتفاق سے امیر لشکر قاضی اسدؒ بھی زخمی ہو گئے۔ زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے اور انہی زخموں کی تاب نہ لا کر حالت محاصرہ ہی میں بماہ ربیع الآخر ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء علم و فضل اور شجاعت وشہامت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ فاتح صقلیہ اسی زمین کا پیوند بنا جسے وہ اپنے

(۱) معالم الایمان ج ۲ صفحہ ۱۵۔ (۲) ابن اثیر۔ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷ و ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۱۹۹

فتویٰ اور فتح مندی سے دار الاسلام قرار دے چکا تھا۔

قاضی اسدؒ کی وفات سے افریقہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گیا۔ خود زیادۃ اللہ کو اس کا نہایت غم ہوا۔ ان کے مرقد پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ نیز قیروان میں بھی ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد بنائی گئی، جس پر ''اسد بن فرات'' کندہ ہے۔(۱)

نوٹ:۔ قاضی اسدؒ بن فرات کے مذکورہ بالا سوانح وکمالات بعض ضروری ترمیمات اور حوالوں کے اضافہ کے ساتھ تاریخ صقلیہ مؤلف مولانا ریاست علی ندوی مرحوم سے ماخوذ ہیں۔

(۱) ریاض النفوس در المارس صفحہ ۱۸۱ و معالم ج ۲ صفحہ ۱۷

حضرت اسد بن موسیٰ مصری رحمۃ اللہ علیہ

اہل قلم اتباع تابعین میں اسد بن موسیٰ کا نام کافی ممتاز ہے۔ان کی مرتبہ مسند حدیث کی قدیم ترین تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا۔عہد بنی امیہ اپنے حکام دعمال کی بدعنوانیوں اور کجرویوں کے باعث بہت بدنام ہے،لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی علوم وفنون کی اس عہد میں بہت ترقی ہوئی ہے۔خاص طور سے حدیث کی اشاعت وتدوین کے اعتبار سے یہ زمانہ بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

نام ونسب:۔ نام اسد اور والد کا اسم گرامی موسیٰ تھا،جو مشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پوتے تھے،پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن الخلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحکم الاموی (۱)

حدیث میں غیر معمولی ژرف نگاہی کی وجہ سے اسدالسنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور وطن:۔ آپ کی پیدائش ۱۳۲ ہجری میں بمقام مصر عین اس پرآشوب وقت میں ہوئی جب دریائے زاب کے کنارے سفاح کے چچا عبداللہ بن علی اور مروان ثانی کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہورہی تھی۔اس میں بنوامیہ کا آفتاب اقبال ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔اسدالسنۃ کے مولد کے بارے میں ایک قول بصرہ کا بھی ملتا ہے،لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔(۲)

شیوخ:۔ ان کے مشہور وممتاز اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں۔

شعبہ،حماد بن سلمہ،عبدالعزیز بن الماجشون،ابن ابی ذئب،شیبان،روح،لیث بن سعد،معاویہ بن صالح،محمد بن طلحہ،سب سے بزرگ شیخ جن سے اسدالسنۃ کو شرف تلمذ حاصل ہوا،یونس بن ابی اسحاق ہیں۔(۳)

فضل وکمال:۔ ان کے فکر ونظر کا خصوصی جولانگاہ علم حدیث تھا۔حدیث میں ان کے غیر معمولی انہماک نے دوسرے علوم کو پس پشت ڈال دیا تھا۔امام بخاریؒ نے انہیں مشہور الحدیث قرار دیا ہے۔(۴)

جرح وتعدیل:۔ امام اسدالسنۃ کے حفظ واتقان اور ثقاہت وعدالت کا اعتراف تمام علماء

(۱) تذکرۃ الحفاظ،ج اصفحہ ۳۶۸۔(۲) تہذیب التہذیب ج اصفحہ ۲۶۰۔(۳) ایضاً صفحہ ۲۶۰۔(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۳۶۸۔

نے کیا ہے، ابن حماد حنبلی رقمطراز ہیں: ھو احد الثقات الاکیاس (۱) علاوہ ازیں امام نسائی، عجلی، ابن مانع، بزار اور ابن یونس نے بھی بصراحت تصدیق وتوثیق کی ہے۔

صرف ابوسعید بن یونس نے اپنے ایک قول میں انہیں غریب الحدیث اور علامہ بن حزام نے منکر الحدیث کہا ہے، لیکن بقول حافظ ذہبی یہ تضعیف چنداں لائق اعتناء نہیں، کیونکہ ائمہ کی اکثریت ان کی ثقاہت پر متفق ہے۔ اگر ان کی بعض روایات میں کوئی سقم نظر آتا ہے تو وہ بعد کے رواۃ کے ضعف کی بناء پر ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کی تصریح کی ہے۔ (۲)

تلامذہ:۔ ان کے دامانِ فیض سے مستفید ہونے والوں میں احمد بن صالح، عبدالملک بن حبیب، ربیع بن سلیمان مرادی، مقدام بن داؤد الرعینی، ابویزید یونس القراطیسی اور محمد بن عبدالرحیم البرقی کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

وفات:۔ محرم ۲۱۲ھ میں بمقام مصر رحلت فرمائی۔ (۳)

تصنیفات:۔ ان کے اہل قلم ہونے کی شہادت تمام تذکروں سے ملتی ہے، لیکن تلاش وتحقیق کے بعد ان کی تصانیف میں صرف کتاب الزہد اور مسند اسد ہی کا پتہ چل سکا ہے۔ (۴) مصر میں سب سے پہلے انہی نے مسند مرتب کی، جو تمام مسانید میں سب سے قدیم تسلیم کی جاتی ہے، لیکن ابھی اس کے کسی مخطوطہ کا علم نہیں ہوسکا ہے۔

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۲۷۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۳) حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۵۔ (۴) الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۵۳

حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ

امام ربیع بن صبیح کی طرح اسرائیل بن موسیٰؒ نے بھی سرزمین ہند کو اپنے ورود سے مشرف کیا تھا۔ تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں ان کی آمد و رفت کثرت سے ہوتی تھی۔ اسی بناء پر "نزیل الھند" ان کا لقب پڑ گیا تھا۔ رئیس التابعین امام حسن بصریؒ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ بہت ہی کم اعتناء کیا ہے، اسی وجہ سے طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان کے حالات نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں اور جو ہیں بھی وہ انتہائی تشنہ و ناقص، بہرحال ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اس بزرگ محدث کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچ سکیں وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

نام و نسب:۔ نام اسرائیل اور ابو موسیٰ کنیت تھی۔ والد کا نام موسیٰ تھا۔ اس کے بعد کا سلسلہ نسب نامعلوم ہے۔ ان کی کنیت باپ کے نام (۱) پر ہے۔ متقدمین ائمہ میں ایسی متعدد شخصیتیں گذری ہیں جن کی کنیت ان کے باپ کے نام پر ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ان کی تفصیل دی ہے۔

وطن:۔ عام تذکرہ نگاروں کے خیال کے مطابق اسرائیل بن موسیٰ کا وطن بصرہ ہے اور اسی کی نسبت سے وہ بصری مشہور بھی ہوئے۔ (۲)

شیوخ:۔ حضرت ابو موسیٰ اسرائیل زمرۂ اتباع تابعین کا وہ گل سرسبد تھے، جنہوں نے کبار تابعین کی صحبت اٹھائی تھی، ان کا عہد علمی و عملی حیثیت سے تاریخ اسلام کا ایک مثالی دور تھا۔ تمام اسلامی ممالک علماء و صلحاء سے معمور تھے، بالخصوص سرزمین بصرہ اس وقت کا ایک اہم علمی و دینی مرکز خیال کی جاتی تھی۔ امام حسن بصری اسی خطہ علم پر اپنے فیض کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے، جس سے دور دراز ممالک کے تشنگان علم آ کر سیراب ہوتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اسرائیل نے بھی اسی شیخ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کے دامن فیض سے کچھ اس طرح وابستہ ہوئے کہ زبان خلق نے "صاحب الحسن" کا تمغہ شہرت عطا کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کے علاوہ انہیں اور بھی بہت سے مشاہیر ائمہ اور کبار تابعین سے اکتساب

---

(۱) فتح الباری ج ۵ صفحہ ۵۲۔ (۲) کتاب الکنی للدولابی ج ۲ صفحہ ۱۳۴

علم کا موقع نصیب ہوا، جن میں امام وہب بن منبہ، ابو حازم، محمد ابن سیرین کے اسمائے گرامی فائق وممتاز ہیں۔(۱) ان میں سے ہر ہر فرد بجائے خود ایک دارالعلم تھا۔ ان گنجہائے گرانمایہ سے حضرت ابوموسیٰ نے علم وفضل کا کس قدر وافر حصہ حاصل کیا ہوگا، آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

تلامذہ:۔ دوسری صدی ہجری میں ابوموسیٰ اسرائیلؒ کی ذات گرامی اپنے گوناگوں اوصاف و کمالات کی بناء پر مرجع خلائق بن گئی تھی۔ ان کے آفتاب فیض کی کرنوں نے دنیا کے مختلف خطوں کو منور کیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان بھی اس دولت بے بہا سے محروم نہیں رہا۔

بصرہ جو کہ ان کا وطن اور مستقل جائے اقامت تھا، وہاں بھی ان کے حلقہائے درس قال اللہ وقال الرسول کے دلنواز ترانوں سے گونجتے رہے۔ اس کے علاوہ کوفہ اور مکہ میں بھی انہوں نے درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔

کوفہ میں ان کے درس وافادہ کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ نے فضائل امام حسنؓ کی حدیث اپنے استاد سے اسی جگہ سنی تھی۔ اس روایت میں جن سفیان کا نام آیا ہے، حافظ ابن حجر نے بتصریح سفیان بن عیینہ ہی قرار دیا ہے۔(۲)

اسی طرح مکہ میں درس حدیث کے متعلق ابوموسیٰؒ کے ایک دوسرے شاگرد حسین بن علی الجعفی کی یہ شہادت ملتی ہے کہ انہوں نے مکہ میں ابوموسیٰ اسرائیلؒ سے شرف ملاقات حاصل کر کے حدیث کا سماع کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے مقامات ایسے ہوں گے جو اس متحرک دارالعلوم سے فیض یاب ہوئے ہوں گے۔ لیکن ان کا ذکر نہیں ملتا۔ بہرحال یہ حقیقت مسلم ہے کہ ابوموسیٰ اسرائیلؒ کے حلقہ درس سے جو بے شمار طالب علم سند فراغت لے کر نکلے وہ آسمان علم ودانش پر مہر وماہ بن کر چمکے۔ جس کا اندازہ کرنے کے لئے درج ذیل چند اسمائے گرامی ہی کافی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان، حسین بن علی الجعفی۔(۳)

ثقاہت وعدالت:۔ ان کے مرتبہ ثقاہت وعدالت پر یحییٰ بن معین، ابوحاتم، امام نسائی، ابن حبان جیسے ماہرین فن بیک زبان متفق ہیں اور اس پر کسی کو بھی کلام کی جرأت نہ ہوسکی۔ مزید برآں حضرت ابوموسیٰ اسرائیل کی ثقاہت کا ایک نمایاں ثبوت یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کے جامعین اور

(۱) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۹ وخلاصہ تہذیب الکمال ج ا صفحہ ا ۳ ونزہۃ الخواطر، ج ا صفحہ ۲۳ وتہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۳۶۱۔ (۲) فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۵۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۶۱

ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ جیسے محتاط محدث نے بھی ان کی فضائل امام حسنؓ والی روایت کو چار مختلف مقامات پر نقل کیا ہے۔ (۱) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسند ان سے روایت کی ہے (۲) اس کے علاوہ نسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی ان کی مرویات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ:۔ مذکورہ بالا تمام ائمہ حدیث کی توثیق کے باوجود علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ محدث ازدی نے حضرت ابوموسیٰ کی ثقاہت میں کلام کرتے ہوئے قبول حدیث میں ان کی لینت (نرمی) کا ذکر کیا ہے۔ (۳) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ دراصل ازدی کو اشتباہ اور سوء تفاہم ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری کے زمانہ میں اسی نام اور اسی کنیت کے ایک اور مشہور اہل علم وفضل بھی موجود تھے جو ابوموسیٰ یمانی کہلاتے ہیں، یمن کے رہنے والے تھے اور حسن اتفاق سے وہ بھی وہب بن منبہ کے شاگرد تھے۔

چنانچہ ابن حجرؒ کے الفاظ ہیں:

وقال الازدی وحده فیه لین ولیس هو الذی روی عن وهب بن منبة وروی عنه الثوری ذلک شیخ یمانی وقد فرق بینهما غیر واحد کماسیاتی (۴)

''تنہا ازدی ان میں نرمی کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ ابوموسیٰ وہ نہیں جنہوں نے وہب بن منبہ سے اور جن سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے، بلکہ یہ یمن کے ایک بزرگ تھے، متعدد لوگوں نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔''

اور پھر آگے شیخ یمانی کے ترجمہ میں بھی حافظ نے اس اشتباہ کا پردہ چاک کیا ہے، رقمطراز ہیں:

ابوموسیٰ شیخ یمانی روی عن وهب بن منبة عن ابن عباس "من اتبع الصیدغفل" وعنه الثوری مجهول قال ابن القطان ذکر المزی فی ترجمه ابی موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری انه روی عن وهب بن منبة وعنه الثوری ولم یلحق البصری وهب بن منبة وانما هذا اخر وقد فرق بینهما ابن حبان فی الثقات وابن جارود فی الکنی وجماعة .(۵)

(۱) خلاصہ تہذیب الکمال ج اصفحہ ۳۱۔ (۲) میزان الاعتدال ج اصفحہ ۹۷۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تہذیب التہذیب ج اصفحہ ۲۶۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۲۵۲

''یہ ابوموسیٰ یمن کے ایک بزرگ ہیں، جنہوں نے ابن عباس کے واسطہ سے وہب بن منبہ سے ''من اتبع الصید غفل'' کی روایت کی ہے اور ان سے ثوری نے مجہول روایت کی ہے۔ یہ ابن قطان کا قول ہے اور علامہ مزی نے ابوموسیٰ اسرائیل بن مصری بصری کے ترجمہ میں یہ جو ذکر کیا ہے کہ انہوں نے وہب بن منبہ سے اور انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے (صحیح نہیں ہے) کیونکہ ابوموسیٰ بصری کا وہب بن منبہ سے لقاء ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرے بزرگ ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں اور ابن جارود نے کتاب الکنی میں ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

ہندوستان سے روابط:۔ سرزمین ہندوستان آغاز اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور اور ہر عصر وعہد میں علماء وصوفیہ اور بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد سے معمور ہے۔ مسلمانوں کے قدم عہد فاروقی میں ہندوستان میں پڑ چکے تھے اور پھر ائمہ ومحدثین انفرادی اور اجتماعی طور پر یہاں آتے رہے۔ حضرت ابوموسیٰ اسرائیل کے متعلق تمام محققین متفق ہیں کہ وہ متعدد بار ہندوستان آئے اور اسی وجہ سے ''نزیل الھند'' ان کا لقب ہی پڑ گیا، گوکہ ان کی آمد یہاں تجارت کی غرض سے ہوتی تھی، تاہم یہ ناممکن ہے کہ اس متحرک درسگاہ نے اپنی علمی ودینی فیوض یہاں نہ چھوڑے ہوں۔

ہندوستان سے حضرت ابوموسیٰؒ کے تعلق کی صراحت سب سے زیادہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کی ہے، لکھتے ہیں:

وھو بصری کان یسافر فی التجارۃ الی الھند واقام بھا مدۃ(۱)

''وہ بصری ہیں، تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہتے تھے۔''

علامہ سمعانیؒ ''نزیل الھند'' کی نسبت رقمطراز ہیں:

ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی البصری کان ینزل الھند فنسب الیھا.(۲)

''ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آمدورفت کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کیے گئے۔''

---

(۱) فتح الباری ج۵ صفحہ۵۲۔ (۲) الانساب للسمعانی ورق ۵۹۳

اس کے علاوہ امام بخاریؒ، علامہ ذہبیؒ، حافظ مقدسی، خزرجی اور ابوحاتم رازی وغیرہ کبار ائمہ ومحدثین نے بھی حضرت ابوموسیٰ اسرائیل کے ہندوستان سے تعلق کا ذکر کیا ہے۔(۱)

آخری بات:۔ افسوس ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اس ممتاز محدث اور تبع تابعی کے اس سے زیادہ حالات بتانے سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔حتیٰ کہ ان کے سنین ولادت اور وفات بھی نامعلوم ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ان کا شمار طبقہ سادسہ میں کرایا ہے۔جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کے دوسرے رجال کی طرح حضرت ابوموسیٰ " کی وفات بھی اس صدی (دوسری صدی ہجری) کے نصف آخر میں ہوئی ہوگی۔جس طرح ان کے ہم عصر محدث اور مشہور تبع تابعی ابوحفص ربیع بن صبیحؒ کی رحلت ۱۶۰ ہجری میں ہوئی۔

(۱) تاریخ کبیر ج ۱ صفحہ ۵۶

حضرت اسرائیل بن یونس کوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ اسرائیل نام اور ابو یوسف کنیت تھی۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق، عمرو بن عبداللہ بن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔(۱)

ولادت:۔ ۱۰۰ ہجری میں کوفہ کی مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے۔(۲)

فضل وکمال:۔ انہوں نے مرکز علم کوفہ میں نشو ونما پائی اور اپنے فطری علمی ذوق کی بناء پر وقت کے اکابر علماء کے فیض صحبت سے مالا مال ہوئے۔ خود ان کا خانوادہ بھی علم وفضل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ان کے دادا ابو اسحاق کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ تمام علماء ومحققین نے بالاتفاق ان کی توثیق کی ہے۔

اسرائیل بن یونس اپنے انہی شہرہ آفاق جد امجد سے خاص طور پر مستفید ہوئے، چنانچہ حضرت ابو اسحاق سبیعیؒ کی تمام مرویات انہیں ازبر تھیں۔ عیسیٰ بن یونسؒ کہتے ہیں کہ:

قال لی اخی اسرائیل کنت احفظ حدیث ابی اسحاق کما احفظ سورة من القران(۳)

''مجھ سے میرے بھائی اسرائیل نے بیان کیا کہ میں ابو سحاق سبیعی کی روایتوں کو اس طرح یاد کرتا تھا جیسے قرآن کی سورۃ حفظ کرتا ہوں۔''

شیوخ:۔ حضرت ابو اسحاق سبیعی کے علاوہ انہوں نے جن مشاہیر اہل علم سے اکتساب فیض کیا۔ ان میں سے کچھ نام یہ ہیں۔

سماک بن حرب، منصور بن المعتمر، ابراہیم بن مہاجر، سلیمان الاعمش، زیاد بن علاقہ، زید بن جبیر، عاصم بن بہدلہ، اسمٰعیل السدی، مجزاۃ بن زاہر الاسلمی، عاصم الاحول، ہشام بن عروہ، یوسف بن ابی بردہ(۴)

درس وافادہ:۔ حضرت اسرائیل بن یونس نے خود بھی مختلف مقامات پر درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے بغداد کے درس کا ذکر کیا ہے۔ وہاں

---

(۱) ابن سعد ۶/۲۱۹ و تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰ و تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۱

شائقین علم کا گروہ ان کے گرد اکٹھا رہتا تھا، ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں درج ذیل ائمہ و علماء مشہور ہیں۔

حضرت اسماعیل بن جعفر، وکیع بن الجراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم الفضل بن دکین، اسود بن عامر شاذان، محمد بن سابق، عبداللہ بن صالح العجلی، ابواحمد الزبیری، نضر بن شمیل، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرزاق بن ہمام، یحییٰ بن آدم، محمد بن یوسف الفریابی، عبداللہ بن رجاء الغدانی، احمد بن یونس بن الجعد۔ (۱)

قوت حافظہ:۔ انہوں نے قوت حافظہ بھی نہایت قوی پائی تھی۔ امام احمد بن حنبل ان کے غیر معمولی قوت حافظہ پر تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت یحییٰ بن آدمؒ کہتے ہیں کہ:

كنا نكتب عنده من حفظه (۳)

ہم ان کے درس میں ان کے حافظہ سے حدیثیں لکھتے تھے۔

جرح و تعدیل:۔ اکثر ائمہ علماء نے حضرت اسرائیل بن یونسؒ کی عدالت اور ثقاہت کی شہادت دی ہے۔ حضرت ابوحاتم کہتے ہیں:

صدوق من اتقن اصحاب ابی اسحاق (۴)

''وہ ابواسحاق سبیعی کے تلامذہ میں سب سے زیادہ صدوق اور عادل ہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

اسرائيل ثبت الحديث

اسرائیل ثقہ راوی ہیں۔

حضرت عجلی کا قول ہے ''**کوفی ثقة**'' امام نسائیؒ کا بیان ہے۔ ''**ليس به باس**'' (۵) ابن سعد لکھتے ہیں:

كان ثقة وحدث عنه الناس حديثاً كثيراً (۶)

وہ ثقہ تھے، لوگ ان سے بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۹۳ و تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰ و تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۲۶۱۔ (۲) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۹۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۲۶۲۔ (۴) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۹۷۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۷، صفحہ ۲۱۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۲۶۳

حضرت ابن عدی کا بیان ہے "ھو ممن یحتج بہ" ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ یحییٰ بن معین، ابونعیم، امام داؤد اور نسائی وغیرہ نے بہت ہی واضح الفاظ میں حضرت اسرائیل بن یونس کو اصح الحدیث اور ثقہ صدوق لکھا ہے۔ مزید برآں امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

جن بعض علماء نے ان کی ثقاہت پر کلام کیا ہے، ان کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت اسرائیل بن یونسؒ پر جرح کرنے والوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کی ثقاہت مسلم ہے، چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

کان حافظاً صالحاً خاشعاً من اوعیة العلم ولا عبرة بقول من لینه فقد احتج به الشیخان (۲)

"وہ حافظ، صالح، متورع اور علم کا ایک ظرف تھے، جو لوگ ان پر کلام کرتے ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شیخین نے ان کو سند بنایا ہے۔"

علامہ ذہبیؒ علاوہ ازیں میزان میں جرح کرنے والوں کے تفصیلی تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت اسرائیل اعتمده البخاری فی الاصول وھو فی الثبت کالاسطوانة فلا یلتفت الی تضعیف من ضعفه. نعم. شعبة اثبت منه الا فی ابی اسحاق (۳)

"اسرائیل بن یونس پر امام بخاری و مسلم نے بھی اعتماد کیا ہے اور فی الحقیقت وہ تثبت میں ستون کی مانند اٹل ہیں لہذا تضعیف کرنے والوں کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ شعبہ ان سے زیادہ قوی ہیں، لیکن مرویات ابی اسحاق میں وہ بھی اسرائیل کے ہمسر نہیں۔"

ائمہ کا اعتراف: ۔ علماء نے ان کے فضل و کمال کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام شعبہؒ سے کسی نے حضرت ابواسحاق سبیعی کی روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

سلوا فیھا اسرائیل فانه اثبت فیھا منی.

"اس کے بارے میں اسرائیل سے رجوع کرو کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ قوی ہیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی انہیں ابواسحٰق کی مرویات کے سلسلہ میں شعبہ اور سفیان ثوریؒ

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۹۸۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۳

پر بھی فوقیت (۲) دیتے ہیں۔ حضرت ابونعیم کہتے ہیں "اسرائیل اثبت من ابی عوانہ" حضرت یحییٰ بن معینؒ کا قول ہے کہ "اسرائیل اثبت حدیثاً من شریک"۔

زہد و ورع:۔ تقویٰ و پاکبازی خشوع و بے نفسی اسرائیل بن یونس کے دفتر کمال کے نمایاں ابواب ہیں۔ علم و فضل کی دولت کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

وکان اسرائیل مع حفظه وعلم خاشعا لله کبیر القدر (۱)

"اپنے علم اور قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ اسرائیل انتہائی کاشع اور عظیم المرتبت تھے۔"

شفیق بلخی ان کے خشوع و خضوع کے متعلق بیان کرتے ہیں:

اخذت الخشوع عن اسرائیل کنا حوله لایعرف من عن یمینه ولا من عن شماله لتفکره فی الاخرة فعلمت انه رجل صالح (۲)

"میں نے خشوع اسرائیل سے حاصل کیا، ہم لوگ ان کے اردگرد رہتے تھے۔ لیکن انہیں فکر آخرت میں ڈوبے رہنے کی بناء پر دائیں بائیں کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ بس اس وقت میں سمجھ گیا کہ وہ بہت نیک شخص ہیں۔"

وفات:۔ حضرت اسرائیل بن یونس کی وفات باختلاف روایت ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۲ ہجری میں ہوئی۔ (۳)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۳ و تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۳۔

حضرت اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ اسماعیل نام، ابو بشر کنیت تھی۔ والد کا نام ابراہیم بن مقسم اور والدہ کا نام علیہ تھا۔ علیہ قبیلہ بنو شیبان کی لونڈی تھیں، لیکن بڑی صاحب علم تھیں، انہی کی نسبت سے اسماعیل ابن علیہ کہلاتے ہیں۔

ان کی والدہ کے بارے میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ:

امراۃ نبیلۃ عاقلۃ (۱)

''وہ بڑی سمجھدار اور عقل مند خاتون تھیں۔''

خطیب بغدادی ان کے علم وفضل کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کانت امراۃ نبیلۃ عاقلۃ برزۃ لھا دار بالعوقۃ تعرف بھا وصالح المری وغیرہ من وجوہ البصرۃ وفقھائھا یدخلون علیھا فتبرزلھم وتحادثم وتسائلھم(۲)

''وہ بڑی شریف اور عقلمند خاتون تھیں، ان کا مکان عوقہ میں تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا، وہاں صالح مری اور بصری کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے، وہ برآمد ہو کر ان سے بات چیت اور سوال وجواب کرتی تھیں۔''

ولادت:۔ ان کے والد ابراہیم بھی غلام تھے اور کپڑے کے تاجر تھے۔ اس سلسلہ میں وہ برابر بصرہ آیا جایا کرتے تھے، وہاں آمد ورفت کے دوران انہوں نے علیہ بنت حسان سے شادی کرلی اور بصرہ ہی میں مستقل طور پر بود وباش اختیار کرلی، اور یہیں ۱۱۰ ہجری میں اسماعیل بن علیہ پیدا ہوئے، ان کی والدہ اپنے فضل وکمال کے باوجود چونکہ باندی تھیں، اس لئے وہ ان کی طرف اپنی نسبت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ فرماتے تھے:

من قال ابن علیہ فقد اغتابنی (۳)

''جو کوئی مجھ کو ابن علیہ کہتا ہے وہ گویا میری غیبت کرتا ہے۔''

غالباً اسی وجہ سے انہوں نے خود اپنی کنیت ابو البشر رکھی تھی، مگر ابن علیہ کے مقابلہ میں یہ

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۶ صفحہ ۲۳۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۲

کنیت مشہور نہ ہوسکی۔

تعلیم وتربیت:۔ تاریخوں میں تفصیل تو نہیں ملتی، مگر قرائن بتاتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم ان کی والدہ نے خود ہی دی ہوگی، اس کے بعد جب کچھ ہوشیار ہوئے تو ان کی والدہ بصرہ کے ایک مشہور محدث عبدالوارث التیمیؒ کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اپنے بچہ اسمٰعیل کو لے کر آئی ہوں اور پھر اسماعیلؒ کو محدث مذکور کے حوالہ کردیا۔ علیہ نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اس میں آپ جیسی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

حضرت عبدالوارث کا بیان ہے کہ میں اسماعیل کو اپنے ساتھ لے کر جاتا اور جہاں کہیں مجلس دیکھتا ان کو آگے بڑھادیتا اور خود بعد میں شیخ مجلس کے پاس پہنچتا۔ اس طرح عبدالوارث نے گویا ان کو مختلف شیوخ سے روشناس کرایا۔

ابراہیم خوئیؒ جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابن علیہ جب بصرہ سے جانے لگے تو لوگ ان کو عبدالوارث سے زیادہ ثقہ فی الحدیث سمجھنے لگے تھے۔

فضل وکمال:۔ یوں تو حضرت اسماعیلؒ کو ہرفن پر عبور تھا، لیکن علم حدیث میں خصوصی کمال اور امتیازی مہارت رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں اتقان وتثبت ابن علیہ پر ختم ہے۔ (۱)

مشہور شیخ حدیث عندر بیان کرتے ہیں کہ میری نشو ونما علم حدیث کی فضا میں ہوئی ہے، اس علم میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے ابن علیہ پر فضیلت حاصل ہو۔ (۲)

امام ابوداؤد الطیالسیؒ کا قول ہے "کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطا نہ کی ہو، البتہ ابن علیہ اور بشر بن المفضل اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔" (۳)

حضرت یحییٰ بن المدینی نے بھی اسماعیلؒ کے تثبت فی الحدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چار کے علاوہ اکثر محدثین سے تصحیف وغلطی ہوئی ہے، وہ چار یہ ہیں۔

یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن المفضل، عبدالوارث بن سعید۔ (۴)

حضرت ہشیم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ کے چند حفاظ حدیث جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا کہ تم اسمٰعیل بن علیہ کے علاوہ جس کو چاہو سامنے لاؤ، ہم کو ان سے علم و فضل میں کم نہ پاؤ گے، مگر ابن علیہ کے علم وفضل کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۵)

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔
(۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۴۔ (۵) ایضاً صفحہ ۲۳۰۔

امام شعبہؒ انہیں سید المحدثین کہتے تھے اور ابن ناصر الدین قابل اعتماد و متقین قرار دیتے تھے۔ ابن علیہ کی روایات میں کوئی خطا نہیں پائی گئی۔

یزید بن ہارون کہا کرتے تھے کہ میں بصرہ گیا تو مجھ کو وہاں کوئی ایک شخص بھی نہیں ملا جس کو فن حدیث میں ابن علیہ سے افضل سمجھا جاتا ہو۔ (۱) حضرت قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ عام طور پر حفاظ حدیث چار شمار کئے جاتے تھے۔ اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع اور وہیب۔

جرح و تعدیل کے شہرۂ آفاق امام یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ:

كان ابن علية ثقة ماموناً صدوقاً مسلماً ورعاً وتقاً (۲)

''ابن علیہ ثقہ، سچے متقی اور قابل اعتماد تھے۔''

جلالتِ علمی:۔ ابن علیہ کی عظمت اور جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ کبار محدثین روایت حدیث میں ان کی مخالفت کرتے ڈرتے تھے۔

عفانؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک خطا ہوگئی۔ کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس حدیث میں تو آپ کی مخالفت کی گئی ہے، دریافت فرمایا: کس نے مخالفت کی ہے؟ جواب ملا حماد بن زید نے۔ ابن سلمہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا ''ابن علیہ بھی تو اس حدیث میں آپ کے مخالف ہیں۔'' یہ سنتے ہی سلمہ کھڑے ہو گئے اور گھر میں تشریف لے گئے، پھر باہر آ کر فرمایا کہ ''تو بس اس حدیث میں ابن علیہ ہی کا قول معتبر ہے۔'' (۳) (معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر روایت کی تحقیق کی غرض سے گئے تھے۔)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے سفیان بن عیینہ کو ان کی جگہ عنایت کر دیا۔ پھر جب حضرت حماد بن زید کا انتقال ہوا تو خدا نے ان کا قائم مقام میرے لئے ابن علیہ کو بنا دیا۔ (۴) یعنی ابن علیہ امام احمد کے خاص اساتذہ میں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت یزید بن ہارونؒ نے اپنے حلقہ درس میں ایک حدیث نقل کی اور سلسلہ اسناد نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس روایت کی تخریج حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ ابن علیہ تو اس کو مجاہد سے مردی مانتے ہیں۔ حضرت یزید بن

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۱ و تہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶

ہارونؒ نے یہ سن کر کچھ التفات نہیں کیا اور پھر خرجہ علی کا اعادہ فرمایا۔ اصل میں وہ غلط فہمی سے ابن علیہ کو ابن عیینہ سمجھے۔ اس لئے شخص مذکور نے پھر زوردار انداز میں ابن علیہ کا نام لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب یزید بن ہارون کے کانوں میں ابن علیہ کا نام آیا تو سخت پریشان ہوئے اور دو مرتبہ ابن علیہ ابن علیہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ (۱)

مذکورہ بالا واقعات سے ابن علیہ کی جلالت علمی، بلندی شان اور علوئے مرتبت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

قوت حافظہ اور فہم حدیث:۔ حضرت ابن علیہ زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے ہم درسوں میں فہم حدیث کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

حاتم بن وردانؒ کا بیان ہے کہ یحییٰ، اسماعیل، وہیب اور عبدالوہاب، یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہوکر جب یہ اٹھتے تو سب اسماعیل بن علیہ کے گرد جمع ہو جاتے اور شیخ کی روایتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے کہ یہ روایت کس طرح کی ہے، اس بارے میں کیا کہا اور اس سے شیخ کی کیا مراد تھی؟ اسماعیلؒ ان سب کا جواب دیتے تھے۔ (۲)

حضرت ابن علیہ اپنا سارا ذخیرہ روایت سفینوں کی بجائے سینہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ محدث وہیبؒ کا قول ہے کہ اسماعیل بن ابراہیمؒ کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں۔

زید بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ کے پاس کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، لیکن اس کے باوجود ثبت و اتقان کا یہ عالم تھا کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی۔

علی بن المدینی کا قول اوپر گذر چکا ہے کہ ''محدثین سے تصحیف بھی ہوئی اور خطائیں بھی، لیکن چار محدثین ایسے ہیں جن سے کوئی خطا یا تصحیف نہیں ہوئی۔''

جرح:۔ حضرت ابن علیہ کی تحدیث و روایت کی توصیف و تعریف کرتے ہوئے امام دارمیؒ نے اتنی جرح کی ہے کہ ابن علیہ کی کوئی غلطی اس کے علاوہ نہیں معلوم ہو سکی کہ حضرت جابر سے انہوں نے تدبیر غلام کی جو روایت کی ہے اس میں غلام کے نام کو مولیٰ کا نام دیا ہے اور مولے کے نام کو غلام کا۔'' (۳)

شیوخ و اساتذہ:۔ حضرت ابن علیہ نے بکثرت علمی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا، جس

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۲۔ (۳) ایضاً

میں اکابر تابعین کرام شامل ہیں۔ مشاہیر اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

ایوب السختیانی، علی بن جدعان، محمد بن المنکدر، عبداللہ بن ابی نجیح، عطاء بن السائب، حمید الطویل، (۱) عبدالعزیز بن صہیب، ابن عون، سلیمان التیمی، داؤد بن ابی ہند، سہیل بن صالح، لیث بن ابی سلیم۔ (۲) یزید بن حمید، عبداللہ بن عوف، (۳) عاصم الاحول، ابی ریحان، جریری، معمر، یونس بن عبید۔ (۴)

تلامذہ:۔ اسی طرح حضرت ابن علیہ کے منبع علم سے بھی بکثرت تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے حلقہ تلامذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں آسمان علم و فضل کے کیسے کیسے درخشاں تارے شامل ہیں۔ ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

حضرت ابراہیم بن طہمان، حماد بن یزید، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، زہیر بن حرب، داؤد بن رشید، احمد بن منیع، بندار بن بشار، محمد بن المثنیٰ، یعقوب الدورقی، حسن بن عرفہ، (۵) موسیٰ بن سہل، اسحاق بن راہویہ، (۶) بقیہ، ابن وہب، ابومعمر، ابوخیثمہ، ابن ابی شیبہ، علی بن حجر، ابن المنیر۔ (۷)

ان کے علاوہ ابن جریج اور امام شعبہؒ جیسے اکابر اتباع تابعین نے بھی ابن علیہ سے روایت حدیث کی ہے۔ درآنحالیکہ یہ دونوں ان کے شیوخ سے شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے موسیٰ بن سہیل بن کثیر الوشا کو ابن علیہ کا آخری شاگرد بتلایا ہے۔ (۸)

فقہ:۔ حدیث کی طرح ابن علیہ کو فقہ میں بھی تبحر اور کمال حاصل تھا۔ امام شعبہؒ انہیں ریحانۃ الفقہاء کہا کرتے تھے۔ (۹)

سوال سے گھبراتے نہیں تھے:۔ بہت سے اساتذہ طلبہ کے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں، مگر ابن علیہ کبھی بھی گھبراتے نہیں تھے بلکہ سوالات کو پسند کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ زید بن حباب نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ مجھے ابن علیہ سے استفادہ کا موقع دیجئے۔ میں نے ابن علیہ کی روایات کے مجموعے ان کے سامنے لاکر پیش کر دیئے، ابن حباب ان میں سے لوگوں کی رائیوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرنے لگے، جیسے

---

(۱) تاریخ بغداد صفحہ ۲۳۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ، ج ا صفحہ ۲۹۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۹۔ (۴) تہذیب الاسماء ج ا صفحہ ۱۲۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۹۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۹۵۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۲۷۵۔ (۸) ایضاً و تذکرۃ الحفاظ، ج ا صفحہ ۲۹۵۔ (۹) تہذیب الاسماء للنووی، ج ا صفحہ ۱۲۰

ابن عون عن محمد یا خالد عن ابی قلابہ وغیرہ۔ اس کے بعد پھر وہ ابن علیہ کے پاس گئے اور ان احادیث کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ابن علیہ ان سے بہت خوش ہوئے اس لئے کہ:

كان يحب اذا سئل ان يسئل عن الاحاديث المسندة والاسناد (۱)

''وہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے احادیث مسندۃ اور ان کی اسناد کے بارے میں سوال کیا جائے۔''

عہدۂ قضا:۔ فقہی مہارت اور تبحر علمی کی وجہ سے متعدد عہدوں پر بھی فائز ہوئے۔ چنانچہ ان کو سب سے پہلے بصرہ کی صدقات کا انتظام سپرد کیا گیا۔ پھر بغداد کے محکمہ فوجداری کے ذمہ دار مقرر ہوئے اور آخر میں بغداد کے منصب قضاء سے سرفراز ہوئے، لیکن زیادہ عرصہ تک اس منصب پر قائم نہیں رہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ناخوشی کا علم ہوتے ہی اس عہدہ سے مستعفی ہوگئے۔

واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن مبارک تجارت کرتے تھے اور اس میں انہیں کافی نفع بھی تھا، لیکن یہ پیشہ جلب زر و منفعت کے لئے نہیں تھا بلکہ علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لئے تھا۔

چنانچہ ابن مبارک خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل بن السماک اور ابن علیہ، یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو یہ تجارت نہ کرتا۔

حضرت ابن علیہ کے قاضی ہونے کے بعد جب ابن مبارکؒ بغداد آئے اور انہیں اس کا علم ہوا تو نہایت آزردہ خاطر ہوئے اور جو تحفے وہ ابن علیہ کے پاس معمولاً بھیجا کرتے تھے، انہیں موقوف کردیا اور جب ابن علیہ حضرت ابن مبارکؒ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپؒ نے کوئی التفات نہیں کیا۔ ابن علیہ تھوڑی دیر بیٹھ کر گھر واپس چلے گئے اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک خط لکھا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم کا منتظر تھا، لیکن آپ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا، معلوم نہیں جناب کو میری کونسی حرکت ایسی ناگوار ہوئی؟''

یہ خط پڑھ کر حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ یہ شخص بغیر سختی کے نہیں مان سکتا اور پھر جواب میں یہ تند و تیز اشعار لکھ کر بھیج دیئے:

يا جاعل الدين له بازيا

(۱) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۴

یـــصـــطـــاد امـــوال الـــمـــســـاکـــیـــن

''اے دین کے ذریعہ غیروں کے اموال کا شکار کرنے والا باز''

احتـــلـــت لـــلـــدنـــیـــا ولـــذاتـــهـــا

بـــحـــیـــلـــة تـــذهـــب بـــالـــدیـــن

''تونے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا حیلہ اختیار کرلیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا۔''

فـــصـــرت مـــجـــنـــونـــا بـــهـــا بـــعـــدمـــا

کـــنـــت دواء لـــلـــمـــجـــانـــیـــن

''پہلے تم دنیا کے مجنونوں کا علاج کرتے تھے، اب خود تم اس کے مجنون ہو گئے ہو۔''

ایـــن روایـــاتـــک فـــی ســـردهـــا

لـــتـــرک ابـــواب الـــســـلاطـــیـــن

''اب بادشاہوں کے دروازے سے بے پرواہو کر تمہارا روایت حدیث کرنا کہاں گیا؟''

ان قـــلـــت اکـــرهـــت فـــذا بـــاطـــل

ذل حـــمـــار الـــعـــلـــم فـــی الـــطـــیـــن

''اگر تم یہ کہو کہ مجھے (عہدہ قضا کے قبول کرنے پر) مجبور کیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے۔ اب تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ حمار کیچڑ میں گر گیا۔''

حضرت ابن علیہ کے پاس جب عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ خط پہنچا تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسے پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ پورا خط پڑھنے کے بعد آپ فوراً مجلس قضا سے اٹھے اور ہارون الرشید کے پاس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا ''خدا کے لئے آپ میرے بڑھاپے پر رحم فرمایئے، کیونکہ اب میں اس عہدہ پر باقی نہیں رہ سکتا۔''

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے کہ اس مجنون (ابن مبارک) نے آپ کو بہکا دیا ہے؟''

ابن علیہ نے فرمایا ''بہکایا نہیں، بلکہ انہوں نے تو فی الحقیقت ایک مصیبت سے مجھے نجات دلا دی ہے اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے رستگاری عطا فرمائے۔'' ہارون الرشید نے آپ کا استعفیٰ منظور کر کے آپ کو خدمت قضاء سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن

مبارک کو اس کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے اور حسب سابق رقم کی ایک تھیلی ابن علیہ کو بھیج دی۔(۱)

امام نوویؒ کی رائے ہے کہ پہلے یہ بصرہ کے صدقات وزکوٰۃ کے والی بنائے گئے، پھر ہارون الرشید کے آخری دور میں بغداد کے قاضی بنائے گئے۔(۲)

عبادت اور خوف خدا:۔ ابن علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت سے بے حد شغف بلکہ عشق تھا۔ابن مدینیؒ نے ایک رات ان کے ساتھ بسر کی تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن علیہ نے اسی شب میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کی۔

حضرت عفانؒ کا بیان ہے کہ ابن علیہ کا شمار ان کے عہد شباب سے ہی بصرہ کے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔

زہد و اتقاء اور احساسِ آخرت اس دور کی ایک عام خصوصیت تھی۔ابن علیہ بھی ان صفات میں زمرۂ تابعین میں نمایاں تھے۔حضرت ابن مبارکؒ کا ان کی طرف میلان اور پھر ان کی مدد کرنا خود اس بات کا واضح ثبوت ہے، پھر ابن مبارک کی تنبیہ پر ان کا استعفیٰ دے دینا غایت تقویٰ کی دلیل ہے۔

ابن علیہ بلاشبہ فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً کی مجسم تصویر تھے۔ان کی خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں وہ ہنسے نہیں۔ان کے تلامذہ کا بیان ہے کہ جب سے وہ بصرہ کے والی بنائے گئے، انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

خلقِ قرآن کا فتنہ اور ابن علیہ:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن علیہ خلق قرآن کے قائل تھے، اگرچہ ان کے کسی قول سے ان کی صراحت نہیں ملتی، تاہم ان کے بعض ملفوظات اس خیال کی تائید ضرور کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ابن علیہ ہارون الرشید کے بیٹے محمد امین کے پاس گئے تو امین نے آپ کو برا بھلا کہا اور پھر پوچھا کہ آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟ ابن علیہ نے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''میں آپ پر قربان جاؤں، یہ ایک عالم کی لغزش ہے۔''

اس واقعہ کی شہرت نے ابن علیہ کے بعض معتقدین کے دل میں بھی ان کی طرف سے تکدر پیدا کر دیا تھا۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۲۷۸ و تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۵-۲۳۶-(۲) تہذیب الاسماء واللغات ج ا صفحہ ۱۲۰

لیکن خطیب بغدادیؒ اس واقعہ کی تردید لکھتے ہیں کہ ابن علیہ سے خلق قرآن کے عقیدہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عبدالصمد یزید مردویہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ سے خود سنا ہے کہ القران کلام اللہ غیر مخلوق۔

حافظ ذہبیؒ کا رجحان بھی ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وفات:۔ جمعرات کے دن ۲۵ یا ۲۴ ذیقعدہ ۱۹۳ھ ہجری کو علم و عمل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔(۱) جنازہ کی نماز ان کے صاحبزادے ابراہیمؒ نے پڑھائی۔(۲) اور بغداد کے مشہور قبرستان ابن مالک میں تدفین عمل میں آئی۔(۳)

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۲) تہذیب الاسماء للنووی ج ۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۵

حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ اسمٰعیل نام اور ابوعتبہ کنیت تھی، جتنے نسب نامہ کا ذکر ملتا ہے وہ صرف یہ ہے، اسماعیل بن عیاش بن سلیم،(۱) نسباً عنسی اور وطناً حمصی مشہور ہیں۔ عنس بن مالک بن اود۔

یمن کے رہنے والے تھے، لیکن ان کے خاندان کی ایک بڑی جماعت شام منتقل ہوگئی اور وہیں مستقل بودوباش اختیار کرلی تھی۔(۲) اغلب یہ ہے کہ انہی منتقل ہونے والوں میں عیاش بن سلیم بھی رہے ہوں گے۔

وطن اور ولادت:۔ بروایت صحیح ابوعتبہ ۱۰۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولد کے بارے میں کوئی تصریح تو نہیں ملتی، لیکن الحمصی کی نسبت سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت کا شرف سرزمین حمص کو حاصل ہوا۔ یہ شام میں دمشق وحلب کے درمیان ایک مشہور شہر ہے۔

تحصیل علم:۔ تحصیل علم میں غیر معمولی جانکاہی اور محنت ومشقت ائمہ سلف کا مشترک تمغہ امتیاز تھا، ابوعتبہ بھی اس کا مجسم پیکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف شام کے تمام مشاہیر اور ماہرفن علماء سے اکتساب علم کیا بلکہ علم عراق اور حجاز وغیرہ دوسرے ملکوں کا سفر کر کے وہاں کے بھی ممتاز فقہاء ومحدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ کسی کام کے لئے طلب صادق اور سچی لگن انسان کو کمال کی انتہائی رفعتوں تک پہنچا دیتی ہے۔ ابوعتبہ نے انہی اوصاف سے سرشار ہو کر تحصیل علم کی راہ میں تن من کے ساتھ دھن دولت کو بھی قربان کردیا تھا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر خود ہی بیان کرتے ہیں:

ورثت من ابی اربعة الاف دینارا نفقتها فی طلب العلم (۳)

مجھے اپنے والد سے چار ہزار دینار وراثت میں ملے تھے، میں نے ان سب کو تحصیل علم میں خرچ کردیا۔

جلالت علم وعلوئے مرتبت:۔ تحصیل علم میں ایسی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ تھا کہ وہ معدن علم کے گوہر شب چراغ شمار ہوئے اور زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انہیں محدث الشام اور مفتی اہل الحمص کے خطاب سے نوازا۔ بالخصوص شامی شیوخ کی روایات کے بارے میں ابوعتبہ کا

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۵۔ (۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۴۰۱۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج، صفحہ ۲۳۱ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱

پایہ نہایت ارفع واعلیٰ ہے اور اس سلسلہ میں بالاتفاق انہیں مستند ترین اور ثقہ ترین قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ خزرجی ان کو عالم الشام واحد مشائخ الاسلام اور حافظ ذہبی الامام محدث الشام ومفتی اھل الحمص لکھتے ہیں۔(۱) ابوزرعہ کا بیان ہے:

لم یکن بالشام بعد الاوزاعی مثله (۲)

''امام اوزاعی کے بعد شام میں اسمٰعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا۔''

حدیث:۔ حضرت اسماعیلؒ حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے، لیکن حدیث میں انہیں خصوصی درک حاصل تھا، ان کے اساتذۂ حدیث میں مختلف ملکوں کے ائمہ شامل ہیں۔ جن میں ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، شرحبیل بن مسلم، بحیر بن سعد، تمیم بن عطیہ، زید بن اسلم، محمد بن زیاد الالہانی، صفوان بن عمرو، عبدالرحمٰن بن جبیر، ثور بن یزید، حبیب بن صالح، حجاج بن ارطاۃ، صالح بن کیسان، سہیل بن ابی صالح کے نام لائق ذکر ہیں۔(۳)

فقہ میں انہیں امام اوزاعی سے تلمذ حاصل تھا، جو اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کی بناء پر فقیہ الشام کے لقب سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ ابوعتبہ نے فقہ میں انہی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پھر خود بھی حمص میں افتاء کی خدمات انجام دیں۔

خود اسمٰعیل بن عیاشؒ سے مستفید ہونے والوں میں لیث بن سعد، ولید بن مسلم، معتمر بن سلیمان، عبداللہ بن مبارک، ابوداؤد الطیالسی، حجاج الاعور، شبابہ بن سوار، حسن بن عرفہ، سعید بن منصور، ہناد، محمد بن بکار اور داؤد بن عمرو(۴) ممتاز ہیں۔

امام اعمش اور ابن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری اگرچہ ان کے شیخ ہیں مگر بعض حدیثیں وہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

جرح وتعدیل:۔ حضرت اسماعیل بن عیاشؒ کی روایات دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جو انہوں نے شامی شیوخ سے بیان کی ہیں اور دوسری غیر شامی یعنی حجاز وعراق وغیرہ ممالک کے شیوخ کی روایات، نوع اول کے بارے میں علماء جرح وتعدیل بالاتفاق ان کو ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان میں بلند مقام دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن مدینی کہتے ہیں:

---

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۵ والعبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۱ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۰

ماكان احد اعلم بحديث اهل الشام من اسماعيل بن عياش

''اہل شام کی روایت کو اسمٰعیل بن عیاش سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا۔''

حضرت یحییٰ بن معینؒ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

عن الشاميين حديثه صحيح (۱)

''شامیوں سے ان کی روایت صحیح ہے۔''

یعقوب بن سفیان کا بیان ہے:

اسماعيل ثقه عدل اعلم الناس بحديث الشام

اسمٰعیل ثقہ عادل ہیں۔ نیز اہل شام کی روایت کا لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

محمد بن عثمانؒ کا قول ہے:

اسماعيل ثقة فيما روى عن الشاميين

''اہل شام کی روایت کے بارے میں اسمٰعیل ثقہ ہیں۔''

لیکن وہ روایتیں جو اسمٰعیل نے غیر شامی علماء و مشائخ سے بیان کی ہیں، ان کے بارے میں محققین اور ماہرین فن انہیں غیر مقبول اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے اسباب وعلل کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔ علامہ ذہبیؒ نے جو سبب بیان کیا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

كان من اوعية العلم الا انه ليس بمتقن لما سمعه بغير بلده كانه كان يعتمد على حفظه فوقع خلل في حديثه عن الحجازيين وغيرهم (۲)

''وہ علم کا ظرف تھے، لیکن غیر شامیوں سے انہوں نے جو سماع حاصل کیا تھا اس میں وہ غیر ثقہ ہیں، کیونکہ وہ اپنے حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے اہل حجاز وغیرہ کی روایات میں ضعف پیدا ہو گیا۔

جب علماء ان کی ذہانت و فطانت اور محیر العقول حافظہ پر متفق اللسان ہیں اور انہیں اس خصوصیت میں امام وکیعؒ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں تو پھر غیر شامی شیوخ سے ان کی مرویات میں خلل تضعیف کا قوی سبب نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے اس کا کوئی دوسرا سبب ہو۔

قوتِ حافظہ:۔ حضرت ابن عیاشؒ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ہزاروں حدیثیں انہیں زبانی

(۱) میزان الاعتدال ج اصفحہ ۱۱۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۳۰۔

از بر تھیں۔ یزید بن ہارونؒ کہتے ہیں:

مارایت شامیاً ولا عراقیا احفظ من اسماعیل بن عیاش ما ادری ماالثوری (۱)

''میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کسی بھی شامی یا عراقی عالم کو نہیں پایا۔ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ ثوری کیا چیز ہیں۔''

داؤد بن عمر کا بیان ہے:

ماحدثنا اسمٰعیل الا من حفظه وكان يحفظ نحواً من عشرين الف حديث(۲)

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے انہیں تقریباً بیس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔''

انہی کا قول ہے:

كان اسماعيل يحدثنا من حفظه مارايت معه كتاباً قط(۳)

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے، میں نے ان کے ساتھ کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔''

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ داؤد بن عمر سے دریافت کیا کہ اسماعیل بن عیاش کو کتنی حدیثیں یاد تھیں۔ فرمایا بہت زیادہ۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا دس ہزار؟ فرمایا نہیں تیس ہزار! یہ سن کر امام احمدؒ نے فوراً کہا کہ بخدا یہ تو امام وکیعؒ کی مثال ہے جو قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔(۴)

کثرتِ عبادت:۔ ابن عیاشؒ عالم باعمل تھے۔ درس وتدریس کے علاوہ شب وروز کے تمام اوقات ذکر وفکر اور عبادت وریاضت میں گذارتے تھے، ابوالیمان عینیؒ شہادت دیتے ہیں کہ:

كان منزله الى جنب منزلي فكان يحيى الليل (۵)

''اسماعیل بن عیاش کا گھر میرے پڑوس میں تھا، وہ شب بیداری کرتے تھے۔''

مناقب:۔ ان کی پوری زندگی گوناگوں مناقب ومحامد سے معمور تھی۔ علم وفضل، ورع وتقویٰ، عبادت وریاضت، اخلاق ومعاملات، شرافت ونیک نفسی، غرض ہر حیثیت سے وہ ایک مثالی اور

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔ (۳) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱

معیاری انسان تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

ومناقبه كثيرة (۱)

پھر تذکرہ میں لکھتے ہیں:

كان محتشماً نبيلاً جواداً وكان من العلماء العاملين (۲)

''وہ نہایت باعزت، شریف اور سخی تھے اور عالم باعمل تھے۔''

یحییٰ الوعاظیؒ کا بیان ہے کہ:

ما رأيت اكبر نفساً من اسماعيل بن عياش كان اذا اتينا مزرعته لا يرضى لنا الا بالخروف والحلوا (۳)

''میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ بلند ظرف کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس کھیت پر ملنے جاتے تو حلوا اور تازہ پھل ضرور کھلاتے تھے۔''

ان کے مناقب ہی کے ذیل میں یہ کارنامہ بھی لائق ذکر ہے کہ اہل حمص ان کی پیدائش سے قبل حضرت علیؓ کی تنقیص علی الاعلان بکثرت کرتے تھے۔ جب ابن عیاش نے سن شعور کو پہنچ کر یہ فتنہ دیکھا تو اہل شہر میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب کی تبلیغ شروع کر دی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور پھر اس تنقیص کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (۴)

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۸۱ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ (۵) علامہ ذہبیؒ نے اول الذکر ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ وفات کے وقت ۸۰ سال کی عمر تھی۔ (۶)

---

(۱) العبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۵۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۳

حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: حسن نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے۔

حسن بن صالح بن صالح بن مسلم بن حیان بن شفی بن ہنی بن رافع بن قمیٔ بن عمرو بن ماتع بن صبلان بن زید بن ثور بن مالک بن معاویہ بن دومان بن بکیل بن جشم بن ہمدان (۲) جد امجد حیان کا لقب حی تھا، اس لئے ابن سعد اور بعض دوسرے محققین ان کا ذکر حسن بن حی کے نام سے بھی کرتے ہیں۔

وطن کی نسبت سے کوفی اور قبیلہ کی طرف سے منسوب ہوکر ہمدانی مشہور ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو کوفہ آباد ہونے کے بعد وہاں آ کر بس گیا تھا۔ اس قبیلہ کی بکثرت شاخیں ہیں۔ (۳)

وطن اور پیدائش: ۱۰۰ ہجری میں کوفہ کی مردم خیز سرزمین میں ولادت ہوئی۔

حسن بن صالح اور ان کے بھائی (علی بن صالح) دونوں توام پیدا ہوئے تھے۔ (۴) ان دونوں کی ولادت میں صرف ایک گھنٹہ کا فصل ہوا تھا۔

یعنی علی کی ولادت حسن سے ایک گھنٹہ قبل ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے اس سے عمر میں نمایاں تفاوت واقع نہیں ہوتا۔ لیکن ابونعیمؒ کا بیان ہے کہ میں نے حسن کو کبھی اپنے بھائی کا نام لیتے نہیں سنا۔ جب اس کی ضرورت پیش آتی تو فرماتے قال ابو محمد ھکذا۔ (۵) (علی بن صالح کی کنیت ابومحمد تھی)۔

علم وفضل: علمی اعتبار سے وہ باکمال اتباع تابعین میں تھے۔ انہوں نے نہ صرف حدیث و فقہ کی قندیلیں فروزاں کیں، بلکہ اخلاق وعمل کے چراغ بھی روشن کئے، اپنے زمانہ کے ممتاز عالم، عابد اور زاہد شمار کئے جاتے تھے۔ تمام علماء اور محققین ان پر کلام کے باوجود جملہ خصوصیات اور کمالات کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ابونعیم بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت عن ثمان مائة محدث فمارأیت افضل من حسن بن صالح (۶)

''میں نے آٹھ سو محدثین سے حدیثیں لکھی ہیں۔ لیکن حسن بن صالح سے زیادہ بلند مرتبہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔''

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۰۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۹۱۔ (۴) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۴۹۔ (۵) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۰۔ (۶) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۴۹ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵

علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی **احد الاعلام** اور **الامام القدوۃ** کے الفاظ سے ان کے فضل وکمال کو سراہتے ہیں۔(۱)

اور ابوزرعہؒ کا قول ہے:

اجتمع فیه حفظ و اتقان و فقه و عبادة. (۲)

''وہ حفظ واتقان اور فقہ وعبادت کا مجموعہ تھے۔''

شیوخ وتلامذہ:۔ حضرت حسن بن صالحؒ نے خیر القرون کا وہ پُر بہار زمانہ پایا تھا جب قریہ قریہ اجلہ تابعین کی نوا سنجیوں سے پُر شور تھا، پھر کوفہ تو ہمیشہ ہی سے علم کا مرکز اور علماء کا منبع رہا ہے، حسن بن صالح نے بھی اس عہد سعادت کی بہاروں سے اپنے دل ودماغ کو معطر کیا۔ تابعین کرام کی ایک بڑی جماعت سے انہیں فیض صحبت حاصل ہوا۔ ممتاز اساتذہ میں ان کے والد صالح بن صالح کے علاوہ ابواسحاق سبیعی، عمرو بن دینار، عاصم الاحول، عبداللہ بن محمد بن عقیل، اسماعیل السدی، عبدالعزیز بن رفیع، محمد بن عمرو بن علقمہ، لیث بن ابی سلیم، منصور بن المعتمر، سہیل بن ابی صالح، سلمہ بن کہیل، سعید بن ابی عروبہ، سماک بن حرب، عبداللہ بن دینار (۳) کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح خود ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے۔ نامور تلامذہ میں عبداللہ بن المبارک، حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی، اسود بن عامر، شاذان، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن آدم، جراح بن ملیح الرواسی، عبداللہ بن داؤد الخریبی، ابواحمد الزبیر، عبیداللہ بن موسیٰ ابونعیم، طلق بن غنام، قبیصہ بن عقبہ، احمد بن یونس، علی بن الجعد (۴) جیسے یکتائے عصر علماء شامل ہیں۔

حدیث وفقہ:۔ حسن بن صالح کو حدیث اور فقہ پر یکساں قدرت اور عبور حاصل تھا۔ لیکن فقہ کی خصوصی جولانگاہ تھی، اسی بناء پر فقیہ کوفہ کی حیثیت سے انہیں زیادہ شہرت اور قبول عام نصیب ہوا۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور علامہ خزرجی نے ''فقیہ کوفہ'' ہی کے الفاظ سے ان کے تذکرے کا آغاز کیا ہے۔ عجلی کا قول ہے کہ ''حسن بن صالح سفیان ثوری سے بھی بڑے فقیہ تھے۔''(۵)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں ان کا کوئی مقام نہ تھا، بلکہ اس میں بھی انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ تمام علمائے جرح وتعدیل ان کی ثقاہت، عدالت، صداقت اور اتقان پر متفق

---

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۷۲ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۲) میزان الاعتدال، ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۳) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۴۹ و خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ۷۶۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۸

ہیں جو کچھ بھی کلام ان کے بارے میں کیا گیا ہے، وہ ان کے بعض دوسرے خیالات سے متعلق ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) لیکن ان کی محدثانہ شان اور فقیہانہ جلالت قدر میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں حسن اثبت فی حدیث من شریک۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الحسن بن صالح صحیح الروایة متفقة صائن لنفسه فی الحدیث والورع (۱)

''حسن بن صالح متفقہ طور پر صحیح الروایہ ہیں اور حدیث ورع میں بلند مرتبہ ہیں۔''

ابن معین کا بیان ہے:

یکتب رای مالک والاوزاعی والحسن بن صالح وهؤلاء ثقات (۲)

امام مالکؒ، اوزاعی اور حسن بن صالح کی رائے لکھی جاتی ہے اور یہ سب ثقہ ہیں۔

ابوحاتم کا قول ہے ثقة، حافظ متقن ابن عدی کہتے ہیں:

لم اجدله حدیثا منکراً وهو عندی من اهل الصدق (۳)

''میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں پائی وہ میرے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کان ثقة صحیح الحدیث کثیره (۴) علاوہ ازیں امام نسائی، دارقطنی، بخاری اور ابن ابی خیثمہ وغیرہ دیگر محدثین و ماہرین فن نے بھی حسن بن صالح'' کی ثقاہت وعدالت کو بصراحت تسلیم کیا ہے۔

دو الزامات اور ان کے جوابات:۔ بایں ہمہ تبحر علمی اور فضائل وکمالات حسنؒ کی ذات گرامی میں بھی نقد وجرح کے غبار سے محفوظ نہیں رہی، لیکن ان کا تعلق ان کے بعض معتقدات اور خیالات سے ہے۔

پہلا الزام ان پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ علوم دینیہ سے مالا مال ہونے کا اور اپنے تمامتر مذہبی تقشف کے باوجود نماز جمعہ نہیں پڑھتے۔

سفیان ثوریؒ کا بیان ہے:

الحسن بن صالح مع ماسمع من العلم وفقه یترک الجمعة

''حسن بن صالح علم وفقہ کے باوجود نماز جمعہ ترک کر دیتے تھے۔''

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۸۲۔ (۲) العبر فی خبر من غبر۔ ج ۱ صفحہ ۲۴۹۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔

(۴) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۰

اس کمزوری کی بناء پر خود ان کے بہت سے تلامذہ ان کو سخت ناپسند کرتے اور ان سے روایت کرنے میں محتاط رہتے تھے۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج بالسیف کے جواز کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلم حکمران اور امام اپنے ظلم و جور سے خلق خدا پر مسلط ہو جائے تو از روئے شرع اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں باقی رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عامہ مسلمین اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان کی چیرہ دستیوں کو بقوت ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم ائمہ سلف کا مسلک یہی رہا ہے، لیکن اس کے نتیجہ کے طور پر گزشتہ زمانے میں جو ہولناک خونریزیاں ہوئیں ان پر اوراق تاریخ شاہد ہیں۔ واقعہ حرہ اور ابن الاشعث کے واقعہ میں جو کچھ ہوا اس میں ارباب بصیرت کے لئے کافی سامانِ عبرت موجود ہے، اس وجہ سے اب جمہور ائمہ نے اس قدیم مسلک کے یکسر ترک پر اتفاق کر لیا ہے، جس کی رو سے ظالم حکمران اور امام المسلمین کی اطاعت بھی بہرحال لازمی ہے۔ اس سے روگردانی کی گنجائش نہیں۔

حضرت حسن بن صالحؒ کے معاصر علماء نے اسی بناء پر ان کے مسلک سے شدید اختلاف کیا اور اسے ان کے معائب میں شمار کیا۔ ابونعیمؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سفیان ثوری کی مجلس میں حسن بن صالحؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے سخت ناگواری ظاہر کی اور فرمایا:

ذلک یری السیف علی الامة یعنی الخروج علی الولاۃ الظلمة (۱)

وہ امت (یعنی ظالم حکمرانوں) کے خلاف خروج بالسیف کے قائل تھے۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان دونوں الزامات کی بہت شد و مد کے ساتھ تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اولاً تو اس قسم کے شخصی مسلک کی بنیاد پر ایک ایسی شخصیت کے کردار کو مجروح نہیں کیا جائے گا جس کی عدالت، حفظ، اتقان اور زہد و تقویٰ مسلم ہو۔ ثانیاً ان کے اس مسلک میں تاویل کی بھی بڑی گنجائش موجود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کسی فاسق کے پیچھے نماز جمعہ کے قائل نہ ہوں گے اور اسی طرح وہ کسی فاسق امام المسلمین کی اورنگ نشینی کو درست تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ اگر حضرت حسن کا مسلک بھی فی الواقع وہی رہا ہو جو عام طور سے سمجھا گیا تو بھی ان کی ذات مطعون قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔ (۲)

پھر یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ حسن بن صالحؒ کے نزدیک ظالم

(۱) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۲۳۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۸۸

حکمرانوں کے خلاف جہاد جائز ضرور تھا، تاہم ایک بھی نظیر اس کی موجود نہیں کہ انہوں نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دی ہو اور کسی مسلم حکمران کے جور و ستم کے خلاف خروج کیا ہو۔ علاوہ ازیں ترک جمعہ کے الزام کی تردید خود ابونعیمؒ کے اس واضح بیان اور شہادت سے ہوتی ہے کہ:

قال ابن المبارک کان ابن صالح لایشهد الجمعة وانا رایته فی الجمعة قد شهدها مع الناس (۱)

''ابن مبارک کا قول ہے کہ ابن صالح جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے، درآنحالیکہ میں نے خود انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ میں تشریف لائے۔''

اس شہادت کی روشنی میں حافظ ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا تاویل بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

زہد و ورع:۔ تقویٰ و پاک نفسی میں بھی حضرت حسنؒ کا مرتبہ بہت بلند تھا، ان کی اس خصوصیت کا نمایاں طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن حجرؒ نے انہیں متقی کامل قرار دیا ہے۔ (۲) سمعانی نے ان کے تقشف کی حد تک زہد و ورع کی صراحت کی ہے۔ (۳) ابوزرعہ کا یہ قول گذر چکا کہ حسن، اتقان، فقہ، عبادت اور زہد سب کے مجموعہ کمالات تھے۔ (۴)

عبادت و ریاضت:۔ حضرت حسن بن صالح زیور علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، عبادت کی کثرت اور اس میں غایت درجہ خشوع و خضوع ان کے صحیفۂ کمال کے بہت نمایاں ابواب ہیں۔ چنانچہ امام وکیع علم و فضل اور ریاضت و عبادت میں انہیں شہرۂ آفاق تابعی سعید بن جبیرؓ سے تشبیہ دیتے تھے۔ (۵) ابن سعد لکھتے ہیں **کان ناسکاً عابداً فقیہاً** (۶) ابن حبان کا قول ہے۔ **تجرد للعبادة** (۷)

حافظ ابن حجر، علامہ یافعی، امام ذہبیؒ اور ابن سعد وغیرہ محققین نے حسن بن صالحؒ کی کثرت عبادت کے بارے میں امام وکیعؒ کا یہ بہت ہی حیرت انگیز بیان نقل کیا ہے کہ حسن، ان کے بھائی علی اور ان کی والدہ نے پوری رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر فرد اپنے حصہ شب (یعنی ثلث لیل) میں عبادت کرتا تھا، پھر جب ان کی والدہ کی رحلت ہوگئی تو دونوں

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۸۸۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی، ورق ۱۵۹ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۵) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۵۳۔ (۶) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۷) کتاب الانساب للسمعانی، ورق ۱۵۹۔

بھائیوں نے رات کے دو حصے کر کے نصف نصف شب عبادت کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد علی بن صالح کا انتقال ہوگیا تو حسن اخیر عمر تک تمام شب عبادت کیا کرتے تھے۔(۱)

خشیت الٰہی:۔ اپنے تمام تبحر علمی اور مجاہدوں و ریاضتوں کے باوجود حسن بن صالحؒ خوف آخرت اور خشیت الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے، جو بلاشبہ ان کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کی روشن دلیل ہے۔ خاصان خدا ہمیشہ اس صفت عالیہ سے ضرور متصف ہوتے ہیں، ابوسلیمان دارانی راوی ہیں کہ میں نے حسنؒ سے زیادہ کسی کو خوف خدا سے لرزاں نہیں دیکھا، وہ نماز میں ایک ہی سورہ پڑھنے میں صبح کر دیتے تھے اور درمیان میں فرط خشیت سے بار بار بے ہوش ہو جاتے تھے۔

مارایت احداً الخوف اظهر علی وجهه من الحسن قام ليلة بعم يتساء لون فغشي عليه فلم يختمها الى الفجر (۲)

''میں نے حسن بن صالح سے زیادہ کسی کو خدا سے خائف نہیں دیکھا، ایک شب نماز میں عم یتساء لون شروع کی تو بے ہوش ہو گئے اور اس سورۃ کو نماز فجر تک بھی ختم نہ کر سکے۔''

نیک نفسی:۔ ان تمام گوناگوں کمالات اور خصائل حمیدہ کے ساتھ وہ اخلاق و نیک طبعی کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کی معاشی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ خود کہا کرتے تھے کہ **ربما اصبحت و مامعي درهم**۔ تاہم جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا اس میں فیاضی اور سیر چشمی سے کام لیتے تھے، کبھی کوئی سائل ان کے در سے تہی دست واپس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ وقت پر اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو اپنے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء دے دیتے تھے۔ ابونعیم فضل بن دکینؒ بیان کرتے ہیں:

جاء يوماً سائل فسأله فنزع جوربيه فاعطاه (۳)

''ایک دن ان کے پاس ایک سائل نے آکر دست سوال پھیلایا تو اپنے دونوں موزے اتار کر اس کو عطا کر دیئے۔''

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۷ ہجری یا ۱۷۹ ہجری میں علم و عمل کا یہ روشن چراغ کوفہ میں گل

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۸۸۔ میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۵۳۔ طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۳) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۱

ہو گیا۔ وفات سے سات سال قبل گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ اس وقت خلیفہ مہدی کا آفتاب حکومت اوج اقبال پر تھا اور کوفہ میں اس کا والی روح بن حاتم تھا۔ کوفہ کے جس مکان میں حسنؒ نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی، اسی میں ان کے ساتھ عیسیٰ بن زید بھی کنارہ کش ہو گئے تھے۔ خلیفہ مہدی نے ان دونوں کو باہر لانے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں دونوں نے جام اجل نوش کیا۔ ابونعیم راوی ہیں کہ:

رایت حسن بن صالح یوم الجمعة قد شهدها مع الناس ثم اختفیٰ یوم الاحد الی ان مات وله یومئذ اثنان او ثلاث و ستون سنة

''میں نے حسن بن صالح کو جمعہ کے روز دیکھا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوئے۔ پھر اس کے بعد اتوار کے دن گوشہ نشین ہو گئے اور وفات تک اسی حالت میں رہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال تھی۔''

اس بیان سے ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت سنہ ۱۰۴ ہجری قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ۱۶۷ھ کے سنہ وفات ہونے پر خود ابونعیمؒ بھی متفق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ حسین نام اور ابوعبداللہ یا ابومحمد کنیت تھی۔ والد کا نام علی اور جدامجد کا ولید (۱) تھا۔ جعفی بن سعد العشیرہ سے نسبت ولاء رکھنے کے باوجود الجعفی مشہور ہوئے۔(۲)

مولد:۔ ان کی ولادت ۱۱۹ھ ہجری میں بمقام کوفہ ہوئی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اور ان کے بھائی محمد توام پیدا ہوئے تھے۔(۳) کچھ عرصہ بعد جزیرہ منتقل ہو کر وہیں مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔(۴)

فضل وکمال:۔ علم وفضل، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ تھے۔ متعدد تابعین کرام کے نگارخانۂ علم سے اپنے دل ودماغ کو منور کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ زمرۂ اتباع تابعین میں اس حیثیت سے وہ نہایت ممتاز تھے کہ علم کے ساتھ عمل میں اتنا بلند مقام بہت کم ہی کے نصیب میں آسکا۔ یہ ان کی جلالت مرتبت اور عظمت شان ہی کا ثمرہ تھا کہ سفیان بن عیینہ جیسے فاضل اور امام عصر ان کی ازحد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

ایک بار حسین الجعفی حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے، وہاں ابن عیینہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً ملنے تشریف لائے اور فرط عقیدت میں ان کی دست بوسی کی۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن ادریس، ابواسامہ اور کوفہ کے دوسرے بہت سے محدثین وشیوخ ان کی خدمت میں باریابی کو مایہ صد افتخار وناز تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

وكان مالفاً لاهل القران واهل الخير (۵)

''وہ اہل قرآن واہل الخیر کا مرجع تھے۔''

امام خزرجی نے احد الاعلام والزھاد اور حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام الحافظ المقری، الزاھد القدوۃ لکھ کر ان کے فضل وکمال کو سراہا ہے۔(۶)

قرآن:۔ قرأت قرآن میں کامل عبور حاصل تھا۔ اس فن میں انہیں شہرۂ آفاق، ماہر قرأت سبعہ حمزہ بن حبیب الزیات سے شرف تلمذ حاصل تھا۔(۷) مہارت فنی ہی کی وجہ سے شائقین کو

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۷، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۴۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۲ صفحہ ۲۳۱۔
(۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۴) کتاب الانساب ورق ۱۳۱۔ (۵) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۷۔
(۶) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۴، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۳۳۰۔ (۷) ایضاً

قرآن کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

له فضل قارئاً للقرآن يقرأ(۱)

''وہ بڑے فاضل قرآن کے قاری تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔''

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار کسائی سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا قاری کون ہے؟ جواب دیا ''حسین بن علی الجعفی'' ! عجلیؒ بیان کرتے ہیں:

كان يقرأ الناس رأس فيه و كان صالحا(۲)

''وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے، اس میں وہ ماہر تھے اور صالح انسان تھے۔''

حدیث:۔ حدیث نبوی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی تحصیل انہوں نے کبار ائمہ سے کی تھی۔ اس وقت کبار تابعین کی مجلسیں اجڑتی جارہی تھیں، لیکن پھر بھی سلیمان الاعمش اور ہشام بن عروہ جیسے علماء علم وفضل کی قندیلیں فروزاں کیے موجود تھے۔ حسین الجعفی نے ان سے پوری طرح کسب ضوء کیا، بالخصوص زائدہ ان کے دولت کدہ پر خود تشریف لاتے اور حدیث بیان کیا کرتے۔ اس بناء پر شیخ مذکور سے سب سے زیادہ روایت کرنے کا شرف حسینؒ ہی کو حاصل ہے۔

نمایاں اساتذہ حدیث میں مذکورہ علماء کے علاوہ موسیٰ الجہنی، لیث بن ابی سلیم، جعفر بن برقان، زائدہ، فضیل بن مرزوق، حسین بن حر، ابن ابی داؤد، اسرائیل بن موسیٰ، فضیل بن عیاض کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ (۳)

درس حدیث اور تلامذہ:۔ ایک عرصہ تک حسین الجعفی غالباً فرطِ احتیاط کی بناء پر درس حدیث سے احتراز کرتے رہے۔ لیکن پھر ایک شب انہوں نے حالت خواب میں دیکھا کہ حشر و نشر کا ہنگامہ کارزار گرم ہے اور ایک منادی صدا لگا رہا ہے کہ علماء جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہیں کے ہمراہ حسین الجعفی بھی جانے لگے تو یہ کہہ کر انہیں روک دیا گیا کہ:

اجلس لست منهم انت لاتحدث

''تم بیٹھے رہو تمہارا شمار علماء میں نہیں۔ اس لئے کہ تم حدیث نہیں روایت کرتے تھے۔''

اس کے بعد انہوں نے درس و روایت حدیث کا جو سلسلہ شروع کیا تو آخر عمر تک برابر قائم رکھا۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید حمید بن الربیعؒ بیان کرتے ہیں کہ:

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۳) طبقات ابن سعد، ج ۶، صفحہ ۲۷۷ و خلاصہ تذہیب الکمال صفحہ ۸۴

فلم یزل یحدث فی البرد والحر والمطر حتی کتبنا عنہ اکثر من عشرۃ الاف (۱)

''پھر وہ برابر گرمی، سردی، برسات ہر موسم میں درس حدیث دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے ان سے دس ہزار حدیثوں کی کتابت کی۔''

ان کے خرمن علم کے خوشہ چینیوں میں امام احمد، اسحاق، یحییٰ بن معین، محمد بن رافع، ابن الفرات، عباس الدوری، محمد بن عاصم، عبداللہ بن ابی عوانہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوکریب، ہارون الحمال، شجاع بن الخلد، ہناد السری، ابن ابی عمر، عبد بن حمید، ابومسعود الرازی اور عراق کے دوسرے بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ (۲)

ثقاہت:۔ علماء محققین نے بالاتفاق ان کی ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان کو تسلیم کیا ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن ہروی کہتے ہیں ''ما رأیت اتقن منہ'' (۳) احمد العجلی کا بیان ہے ''کان ثقۃ'' (۴) عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے ''بخ بخ ثقۃ صدوق'' علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابن سعد اور ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے۔

زہد وعبادت:۔ انہوں نے پوری زندگی حالت تجرد میں گذار دی۔ بلاشبہ انسانی زندگی کا یہ نہایت پرازمحن مرحلہ ہوتا ہے، جس سے شاذ و نادر ہی کوئی کامیابی سے گزرتا ہے، لیکن حسین الجعفی کا دامنِ زہد وورع بہت پاک وصاف رہا۔ غالباً اسی بناء پر وہ بکثرت عبادت کرتے تھے تاکہ دنیا اور اس کے مزخرفات سے قطعی بے التفاتی اور بے رغبتی رہے، چنانچہ ان کی کتاب زندگی میں اس باب کو بڑے اہمیت وعظمت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ رقمطراز ہیں:

کان من العلماء العباد (۵)

وہ عبادت گزار علماء میں تھے۔

ابن سعد لکھتے ہیں ''کان عابداً ناسکاً'' (۶) یحییٰ بن یحییٰؒ کا بیان ہے کہ:

ابن بقی احد من الابدال فحسین الجعفی (۷)

حافظ ذہبیؒ خامہ ریز ہیں:

---

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۴ و تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۲) کتاب الانساب، ورق ۱۳۱ و مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۵) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۴۔ (۶) ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۷) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۳۳۹

كان مع تقدمه في العلم رأسا في الزهد والعبادة (۱)

''وہ بایں ہمہ علم وفضل، زہد وتقویٰ میں بھی بلند مرتبہ تھے۔''

مناقب وفضائل:۔ اوپر مذکور ہوا کہ وہ تمام زندگی مجرد رہے اور ۸۴ برس پر محیط اس طویل ترین مدت کا بیشتر حصہ مسجد میں درس وتدریس اور عبادت وریاضت میں گذارا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ساٹھ سال تک مسلسل مسجد جعفی میں اذان (۲) دی۔ خوف وخشیت الٰہی اس درجہ غالب تھا کہ زندگی بھر نہ تو کبھی ہنسے اور نہ مسکرائے۔ حجاج بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ:

مارأيت حسينا الجعفي ضاحكاً ولا متبسماً ولا سمعت منه كلمة ركن فيها الى الدنيا (۳)

''میں نے حسین الجعفی کو کبھی ہنستے اور مسکراتے نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات ان کے منہ سے سنی جس میں دنیا کی طرف کوئی میلان ظاہر ہو۔''

ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید سے مکہ میں ملاقات ہوگئی۔ خلیفہ نے سلام عرض کیا۔ جب انہیں علم ہوا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں تو بڑی جامع نصیحت فرمائی:

ياحسن الوجه انت مسئول عن هذا الخلق كلهم (۴)

''اے حسین چہرے والے تو اس ساری خلق خدا کا ذمہ دار ہے۔''

خلیفہ یہ سن کر رونے لگا۔

علماء کی رائے:۔ تمام فضلاء وعلماء نے ان کے جلالت علم وعمل کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے کوفہ میں حسین الجعفی سے بڑا کوئی فاضل نہیں دیکھا۔ وہ تو بالکل راہب تھے۔ (۵) ابو مسعود الرازی کہتے ہیں ''افضل من رأيت الجفري وحسين الجعفي'' (۶)

احمد العجلی کا بیان ہے:

وكان صالحاً لم ارر جلاً قط افضل منه وكان صحيح الكتاب (۷)

''وہ نیک انسان تھے، میں نے ان سے افضل کوئی انسان نہیں دیکھا، وہ صحیح الکتاب تھے۔''

سفیان ثوریؒ کا قول ہے ''هذا راهب''

(۱) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۲) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۴) کتاب صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۵۔ (۵) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۸ والعبر جلد ۱ صفحہ ۳۴۱ وخلاصہ تذہیب صفحہ ۸۴ وصفۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۴۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۰

حلیہ:۔ نہایت حسین اور خوبرو تھے۔(۱)

وفات:۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا۔(۲) اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔(۳) سنہ وفات کے متعلق ۲۰۴ ہجری کا بھی قول ملتا ہے۔ لیکن امام بخاری، ابن سعد، ابن قانع، مطین اور ابن حبان نے اول الذکر ہی کو بالجزم صحیح ترین قرار دیا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۲) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۷ و صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۵۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۳۲۰

حضرت قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ قاسم نام اور ابوالمغیرہ کنیت تھی۔(۱) پورا نسب نامہ یہ ہے:

قاسم بن الفضل بن معدان بن قریط (۲) قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنو لحی سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان بصرہ کے حدان نامی محلہ میں آباد ہوگیا تھا۔ اسی بناء پر قاسم بن الفضل ازدی، حدانی اور بصری تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔(۳)

علم وفضل:۔ علمی اعتبار سے وہ اپنے عہد کے ممتاز امام شمار ہوتے تھے۔ محمد بن سیرینؒ اور قتادہؒ جیسے اکابر تابعین کے فیض وتربیت نے انہیں حدیث کا امام بنادیا تھا۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی جو فن جرح وتعدیل میں نہایت جلیل المرتبت تھے، بصد فخر وابتہاج ان سے اپنے تلمذ کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث:۔ حدیث کی تحصیل انہوں نے بکثرت شیوخ سے کی تھی۔ جن میں کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین دونوں طبقے شامل ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی یہ ہیں۔

محمد بن سیرین، قتادہ بن دعامہ، ابی بصرہ، محمد بن زیاد الجعفی، ثمامہ بن حزن، القشیری، سعد بن المھلب، نضر بن شیبان، محمد بن علی بن الحسین، یوسف بن سعد، لبطہ بن الفرزوق۔(۴)

تلامذہ:۔ ان کے ابر فیض سے بہریاب ہونے والوں میں امام وکیع، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، یونس بن محمد، ابوداؤد الطیالسی، عبداللہ بن معاویہ الجمحی، شیبان بن فروخ، ابن ہشام الحرومی، نضر بن شمیل، بہز بن اسد، عبداللہ بن المبارک، قبیصہ، موسیٰ بن اسمٰعیل، مسلم بن ابراہیم، ابوالولید الطیالسی کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔(۵)

ثقاہت:۔ ان کی عدالت وثقاہت اور تثبت فی الحدیث پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی اپنے مایۂ فخر استاذ کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ **ھو من مشائخنا الثقات**(۶) انہی کا دوسرا قول ہے:

کان من قدماء اشیاخنا ومع ذلک من ثبتھم

''وہ ہمارے متقدم شیوخ میں تھے، اس کے ساتھ ہی ان میں سب سے زیادہ تثبت رکھتے

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۲۹۔ (۳) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۴) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۵۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۲۹۔ (۶) العبر ج ۱ صفحہ ۲۵۱

تھے۔“

ابن شاہینؒ نے کتاب الثقات میں لکھا ہے:

قاسم بن الفضل من ثقات الناس

”قاسم بن الفضل ثقہ لوگوں میں ہیں۔“

علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید القطان، امام احمد، ابن معین، نسائی، ترمذی اور ابن سعد سب نے بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔(۱)

صرف عقیلی اور ابن عمر نے ان کا ذکر ضعفاء کی فہرست میں کیا ہے۔لیکن علامہ ذہبیؒ نے ان کی سخت تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے کوئی ایسی دلیل اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کی جس سے فی الواقع قاسم کا ضعف ثابت ہو سکے۔(۲)

وفات:۔ ۱۶۷ ہجری میں بمقام بصرہ داعی اجل کو لبیک کہا۔(۳)

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۱۲ وطبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۰۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۳۲۔
(۳) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۵ وتہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۰

حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ حفص نام اور کنیت ابوعمر تھی۔ پورا نسب نامہ یہ ہے:

حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ربیعہ بن جشم بن وہبیل بن سعد بن مالک بن النخع (۱) یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی نخع نامی ایک شاخ کوفہ میں آباد ہوگئی تھی۔ اسی خاندانی تعلق کی بناء پر نخعی کہلاتے ہیں۔ (۲)

پیدائش اور وطن:۔ ابوعمر کی ولادت ۱۱۷ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں ہوئی۔ (۳) خود ان ہی کی زبانی منقول ہے کہ "ولدت سنة سبع عشرة ومأة" (۴) کوفہ کی اس مردم خیز سرزمین کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، جس کی خاک سے علماء وفضلاء کی کئی نسلیں اٹھی تھیں۔

فضل وکمال:۔ علمی حیثیت سے ابوعمر کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ انہوں نے مشاہیر تابعین سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ حدیث وفقہ میں پوری مہارت رکھنے کے ساتھ استغناء و بے نیازی، حفظ واتقان اور سیر چشمی وفراخ دستی کا پیکر مجسم تھے۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ کا قول ہے:

اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غياث

''امام اعمش کے تلامذہ میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ تھے۔''

ابن معینؒ کا بیان ہے:

كان حفص بن غياث صاحب حديث له معرفة

''حفص بن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری معرفت حاصل تھی۔''

ابن القطانؒ ہی کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں ان تین کے مثل نہیں دیکھا۔ یعنی حزام، حفص اور ابن ابی زائدہ۔ یہ سب اصحاب حدیث تھے۔ (۵)

حدیث:۔ حضرت ابوعمر حفصؒ، اکابر حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہزاروں روایات انہیں زبانی یاد تھیں۔ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

كان حفص كثير الحديث حافظاً له ثبتا فيه وكان ايضاً مقدماً عند

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۴۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۵۵۷۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۴، ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۴۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۷۔ ۱۹۸

المشائخ اللذین سمع منهم الحدیث (۱)

''حفص بن غیاث کثیر الحدیث، حافظ اور ثقہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے۔''

امام اعمشؒ کے محبوب اور ارشد تلامذہ میں تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ درس میں سوائے حفص اور ابو معاویہؒ کے کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انہوں نے جن محدثین سے سماع حاصل کیا تھا ان میں امام اعمشؒ کے علاوہ ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ، سفیان ثوری، عاصم الاحول، ابن جریج، اسماعیل بن ابی خالد، عبیداللہ بن عمر، مصعب بن سلیم، ابی مالک الاشجعی، جعفر الصادق، ابواسحاق الشیبانی، لیث بن ابی سلیم، مسعر بن کدام وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے، جن میں سے کچھ ممتاز یہ ہیں۔ عمر بن حفص، ابونعیم، عفان بن مسلم، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، حسن بن عرفہ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، عمرو بن محمد الناقد۔ ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے تمام محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

منصب قضاء:۔ ان کی کتاب زندگی کا سب سے زرین صفحہ قضاء وافتاء کے سلسلہ میں ان کی خدمات ہیں۔ کوفہ و بغداد میں وہ سالہا سال تک اس منصب کی زینت بنے رہے۔ بغداد کے مشرقی و مغربی حصوں میں ہمیشہ علیحدہ علیحدہ دو قاضیوں کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے ۱۷۷ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں شرقی بغداد کے منصب قضاء پر فائز کیا تھا۔ اس وقت قاضی حفص کی عمر ۶۰ سال تھی۔ دو سال تک وہ بہت شوکت و دبدبہ کے ساتھ بغداد کے قاضی رہے۔ خلیفہ ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا اور ان کے عدالتی فیصلوں کو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی اثناء میں قاضی حفص نے ایک قرضدار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل وشواہد کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹ ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق امام جعفرؒ سے بھی تھا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ قاضی حفص کو معزول کر دیں۔ لیکن ہارون الرشید اس کے لئے تیار نہ ہوا، بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس نے حفص بن غیاث کو تیس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۴۔

لیکن پھر جب ان کی معزولی کے لئے امام جعفر کا دباؤ حد سے زیادہ ہوا تو ہارون نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا جہاں انہوں نے پوری شان سے ۱۳ سال تک اس منصب کی عزت بڑھائے رکھی۔

قاضی حفصؒ نے کوفہ و بغداد کو ملا کر تقریباً ۱۵ سال تک اس فرض کو انجام دیا۔ اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی اس اعلیٰ عہدہ کی شان سے فروتر کوئی بات نہیں کی۔ جرأت، غیر جانبداری، حق گوئی اور بے باکی سے وہ زیر بحث قضایا میں اپنی رائے اور فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے، اس میں نہ تو کسی صاحب اقتدار کی پرواہ کرتے اور نہ ارباب ثروت کو خاطر میں لاتے، بلکہ کتاب وسنت اور دلائل ونظائر کی روشنی میں جو بات قرین حق والانصاف ہوتی اسے بے باکانہ طور پر ظاہر کر دیتے تھے۔(۱)

ہشام الرفائی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حفص بن غیاث مسند قضا پر بیٹھے اپنے کام میں منہمک تھے کہ خلیفہ کا قاصد ان کی طلبی کا پروانہ لے کر حاضر ہوا۔ قاضی حفصؒ نے اس سے کہا کہ مقدمات سے فارغ ہو کر آؤں گا، کیونکہ میں عوام کا خادم ہوں۔ چنانچہ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھے جب تک تمام مقدمات کو فیصل کر کے فارغ نہ ہو گئے۔

اس منصب کی کڑی آزمائشوں میں سے وہ ہمہ وقت لرزاں رہا کرتے تھے اور اکثر بلک بلک کر رویا کرتے کہ ایسا گرانبار فریضہ میرے ناتواں کاندھوں پر لاد دیا گیا ہے، نہ معلوم اس سے کماحقہ عہدہ برآ ہو رہا ہوں یا نہیں۔ انہی کا قول ہے:

لان یدخل الرجل اصبعه فی عینه فیقتلعها فیری بها خیر له من ان یکون قاضیاً (۲)

”آدمی اپنی انگلی آنکھوں میں ڈال کر اسے نکال پھینکے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قضا کا کام کر لے۔“

لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ انہوں نے عہدۂ قضا کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ دوسرے قضاۃ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان کی اس حیثیت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے۔ امام وکیع سے جب بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے **اذهبوا الی قاضیا فاسئلوه**۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۴۱۵-۴۱۶۔ (۲) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۳۱۴

ولید بن ابن ابی بدر کہتے ہیں کہ جب قاضی حفصؒ منصب قضا سے سبکدوش ہوئے تو امام وکیع نے فرمایا ذہبت القضاہ بعد حفص (۱) سجادہ کا بیان ہے کہ حفصؒ پر قضاۃ کا خاتمہ ہو گیا۔

حفظ و اتقان: ۔ قاضی حفصؒ کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا۔ ہزاروں حدیثیں مع اسناد ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں، جنہیں اپنے تلامذہ کے سامنے بغیر کتاب روایت کیا کرتے تھے۔ ابن معینؒ کا بیان ہے کہ:

جمیع ماحدث بہ حفص ببغداد والکوفة انما ھو من حفظہ لم یخرج کتاباً کتبوا عنہ ثلاث الاف او اربعة الاف حدیث من حفظہ (۲)

''بغداد اور کوفہ میں حفص نے جتنی بھی حدیثیں روایت کیں، سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں۔ لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھیں۔''

لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ قاضی ہو جانے کے بعد ان کے قوت حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوزرعہ کا قول ہے:

ساء حفظہ بعد ما استقضی فمن کتب عنہ من کتابہ فھو صالح (۳)

''قاضی بن جانے کے بعد وہ سوء حافظہ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس لئے جو ان کی کتاب سے روایت کرلے وہ قابل قبول ہے۔''

ثقاہت: ۔ قاضی حفص بن غیاثؒ کی عدالت وثقاہت پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، بلکہ ان کے مرتبہ تثبت واتقان کو بعض نے دوسرے کبار محدثین سے ارفع واعلیٰ قرار دیا ہے۔ ابو حاتمؒ کا قول ہے **"حفص اتقن واحفظ من ابی خالد الاحمر"** ابن معینؒ کہتے ہیں **"حفص اثبت من عبدالواحد بن زیاد"** اس کے علاوہ ابن خراش، یعقوب بن شیبہ اور عجلی وغیرہ نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (۴)

آخر عمر میں کبر سنی کی بناء پر نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے کبھی روایات میں فرق ہو جاتا تھا اور بعض اوقات تدلیس کا شبہ ہو جاتا تھا۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث الا انہ کان یدلس (۵)

''وہ ثقہ مامون اور کثیر الحدیث تھے، مگر وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔''

---

(۱) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۳۱۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۲ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۶۶۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۴۱۷۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲

ظاہر ہے کہ نسیان سے پہلے قاضی حفص بن غیاثؒ کی ثقاہت مسلم تھی۔

کثرت احتیاط:۔ کسب حلال میں فرط احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہدۂ قضا کے دوران ایک مرتبہ پندرہ روز تک علالت کی بناء پر فرائض منصبی انجام نہ دے سکے۔ چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد سو درہم یہ کہہ کر عامل کو واپس بھجوائے کہ:

ھذہ رزق خمسۃ عشرۃ یوماً لم احکم فیھا بین المسلمین لاحظ لی فیھا(۱)

''یہ ان پندرہ روز کا خرچ ہے جس میں، میں نے مسلمانوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اس لئے اس رقم کو لینے کا مجھے کوئی حق نہیں۔''

استغناء:۔ قاضی حفص بغداد و کوفہ کے (چیف جسٹس) تھے، جو حکومت کا بلند ترین عہدہ ہے۔ دنیا اور اس کے الوان و نعم ان کے قدموں میں ڈھیر تھے، لیکن ان کی بے نیازی اور استغناء بھی اس مرتبہ و مقام کی نسبت سے ارفع تھی۔ سرکاری خزانہ سے انہیں تین سو درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، لیکن وہ اس میں سے اپنے جملہ مصارف کے لئے صرف سو درہم رکھ کر باقی مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔(۲)

سیر چشمی:۔ اسی کے ساتھ وہ بہت ہی سیر چشم اور سخی واقع ہوئے تھے۔ ابھی مذکور ہوا کہ اپنی تنخواہ میں سے وہ صرف سو درہم رکھتے اور ان کو بڑی فراخ دستی کے ساتھ خرچ کر ڈالتے تھے۔ ان کا دسترخوان بڑا وسیع ہوتا تھا، جس میں ان کے تلامذہ کے علاوہ بہت سے مقامی و بیرونی لوگ بھی شریک رہتے تھے۔ مزید برآں گاہ بگاہ پوری بستی کی دعوت بھی کرتے تھے۔ امام وکیعؒ کا قول ہے "وکان سخیاً عفیفاً مسلماً"(۳) ابو جعفر المسندیؒ کہتے ہیں:

کان حفص بن غیاث من اسخی العرب وکان یقول من لم یاکل من طعامی لااحدثہ، واذا کان یوم ضیافتہ لایبقی راس من الرواسیین

''حفص بن غیاث عرب کے سب سے زیادہ سخی آدمی تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرا کھانا نہیں کھائے گا اس سے میں حدیث بیان نہیں کروں گا۔ جب ان کے یہاں دعوت کا دن ہوتا تو رواس کا کوئی شخص ان میں شرکت سے باقی نہیں رہتا تھا۔''

اسی فراخ دستی کا نتیجہ تھا کہ وہ عمر بھر عسرت کا شکار رہے، اور رحلت کے وقت نہ صرف یہ کہ

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۱۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۴۔

ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا بلکہ نو سو درہم کے مقروض نکلے جو ان کے پسماندگان نے ادا کیا۔(۱)

حلیہ:۔ قاضی حفصؒ کے تفصیلی حلیہ کا تو ذکر نہیں ملتا، لیکن ابو بکر بن غیاثؒ کے اس قول سے کچھ روشنی ملتی ہے کہ جتنے نوجوان ہمارے پاس آتے ہیں ان میں حسن صورت کے اعتبار سے حفص بن غیاث کا کوئی ہمسر نہیں۔(۲)

وفات:۔ تا حیات ان کی یہ دلی تمنا رہی کہ وفات کے وقت قضاۃ کی زنجیروں سے آزاد ہوں۔ خداوند قدوس نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی اور وفات سے دو سال قبل عہدۂ قضاء سے ان کی علیحدگی کے سامان فراہم کر دیئے۔

ملازمت سے سبکدوشی کی بعد فالج کے شکار ہو گئے اور بالآخر امین کے عہد خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۴ ہجری میں ان کی شمع حیات گل ہوئی۔(۳) امیر کوفہ فضل بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۴)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۴۱۷۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲۔
(۴) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۲۰۰

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ

اس دور کے دو بزرگ اس عہد میں مشہور ہوئے اور دونوں کی امامت فی الحدیث اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق ہے۔ حماد بن زید حصول علم کے بعد دولت بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعثِ فخر جانتے تھے۔

نام ونسب:۔ حماد نام اور ابو اسمٰعیل کنیت تھی۔ والد کا نام زید (۱) تھا۔ جریر بن حازم کے خاندان کے غلام تھے۔ ان کے دادا درہم بجستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنا لئے گئے تھے۔ (۲)

ولادت:۔ ان کی ولادت اپنے وطن بصرہ میں ۹۸ ہجری میں ہوئی۔

شیوخ:۔ حماد بن زید نے جن علمی سرچشموں سے استفادہ کیا، ان میں سے چند ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:

انس بن سیرینؒ، ابو عمران الجونی ثابت البنانی، عبدالعزیز بن صہیب، عاصم الاحول، محمد بن زیاد القرشی، سلمہ بن دینار، صالح بن کیسان، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ اور عبیداللہ بن عمر۔ (۳)

تلامذہ:۔ حماد بن زیدؒ کے منبع فیض سے جو تشنگانِ علم سیراب ہوئے اس میں جلیل القدر اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ کچھ ممتاز نام درج ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، علی بن مدینی (۴)، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، مسلم بن ابراہیم، مسدد، سلیمان بن حرب، عمرو بن عوف، ابوالاشعث احمد بن المقدام۔ (۵)

علم و فضل:۔ حضرت حماد بن زیدؒ کو مشہور تابعی ایوب سختیانیؒ کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب (۶) ہوئی یحییٰ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے ایوب سختیانیؒ کا کوئی اور شاگرد حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن خثیمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے

---

(۱) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۰۶۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۷۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۹۔ (۶) تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۶۷

عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا، کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے؟ فرمایا:

انا رایته واتیته یوم مطر فرایته یکتب ثم ینفخ فیه لیجفه (۱)

''ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں نابینا نہیں تھے بلکہ ان کی بینائی ایک عمر کے بعد جاتی رہی تھی، مگر انہوں نے اپنی نابینائی کا اثر اپنے علم وفضل پر نہیں ہونے دیا، بعض لوگ ان کی نابینائی کی وجہ سے ان کے حفظ وثقاہت پر کلام کرتے ہیں، مگر حافظ ذہبیؒ جیسے مستند محقق نے انہیں ''الامام الحافظ لمجود شیخ العراق'' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔(۲)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں، جن کی جلالت شان اور بلندی مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔(۳) علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ، قابل اعتماد، برہان حق اور کثیر الحدیث تھے۔(۴)

ائمہ علم کا اعتراف:۔ تمام معاصر ائمہ حدیث نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے ائمہ چار ہیں۔ کوفہ میں ثوری، حجاز میں مالک، شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید (۵)۔

یحییٰ بن یحییٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ حافظ روایت کسی کو نہیں دیکھا۔(۶) فطر بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اہل بصرہ میں صرف حماد بن زید کو دریافت کیا۔(۷) ابن معین کا قول ہے کہ اتقان فی الحدیث میں حماد بن زید کے مرتبہ کا کوئی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ ان کا ذکر بہت ہی عظمت اور عزت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں کہ:

هو من ائمة المسلمين من اهل الدين هو احب الي من حماد بن سلمه (۸)

''وہ مسلمانوں کے امام اور بڑے دیندار ہیں اور وہ مجھے حماد بن سلمہ سے بھی زیادہ پسند اور

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۰۶۔ (۳) تہذیب الاسماء واللغات ج ا صفحہ ۱۲۷۔ (۴) تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۰۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۶) العبر، ج ا صفحہ ۲۷۴۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۸) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۰۶

محبوب ہیں۔"

ابن مہدیؒ کا ایک دوسرا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد، مالک اور سفیان سے افضل واعلیٰ کسی کو پایا۔ ایک روایت میں ابن مہدی کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا۔

حضرت ابو عاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت واخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا(۱) محمد بن مصطفیٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا:

مارایت في العراق مثل حماد بن زيد (۲)

"میں نے عراق میں حماد بن زید جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔"

وکیع بن جراحؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم وفضل میں حماد کو مسعر بن کدام سے تشبیہ دیا کرتے تھے(۳) عبداللہ بن معاویہؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن زید سے بھی حدیثیں سنی ہیں اور حماد بن سلمہ سے بھی، لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔(۴)

حافظہ:۔ قوت حافظہ کے لحاظ سے بھی حماد بن زید معاصر ائمہ وعلماء میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔(۵) ابن عیینہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری کو اکثر میں نے ان کے سامنے دوزانو بیٹھے دیکھا ہے۔(۶)

احتیاط:۔ بایں ہمہ علم وفضل حماد بن زید روایت حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور دوسرے بہت سے ائمہ ثقات سے زیادہ قابل وثوق ہیں، مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ اسانید کو مختصر کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے تھے۔ وہ غایت احتیاط کی بناء پر بڑے شکی ہو گئے تھے، بڑے عظیم المرتبت تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف وہ رجوع کر سکتے۔ اس وجہ سے کہیں وہ موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے اور کبھی واقعی مرفوع حدیث بیان کرتے وقت بھی خوف سے لرزاں رہتے تھے۔(۷)

فقہ:۔ حضرت حماد بن زیدؒ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی بلند وممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۲) ایضاً۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۰۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۱۔
(۵) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۰۷۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۱

ابواسامہؓ کہا کرتے تھے:

کنت اذا رایت حماد بن زید قلت ادبه کسری و فقهه عمر رضی الله عنه (۱)

''تم جب حماد کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سکھایا ہے۔''

ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔''(۲)

فہم ودانش:۔ دنیوی امور میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ خالد بن فراشؒ کا بیان ہے کہ حماد بن زید عقلائے روزگار اور دانشوران زمن میں سے تھے۔(۳) ابن الطباع کا قول ہے کہ میں نے حماد بن زیدؒ سے بڑا عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔(۴)

وفات:۔ رمضان ۱۷۹ ہجری میں بصرہ میں علم وفضل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔(۵)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۶۔ (۴) ایضاً۔
(۵) العبر فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۲۷۴

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

اس نام کے یہ دوسرے بزرگ ہیں، جن کا شمار ممتاز اتباع تابعین میں ہوتا ہے۔ علم وفضل کے ساتھ ان کا خاص امتیاز ان کا زہد واتقا اور تدوین حدیث ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

هو اول من صنف التصانيف مع ابن ابى عروبة (۱)

یہ ان اشخاص میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں حصہ لیا۔

نام ونسب: ۔ حماد نام اور ابو سلمہ کنیت تھی۔ یہ بنو تمیم کے غلام تھے۔ (۲)

تحصیل علم: ۔ یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ ان کی ابتدائی تعلیم کہاں شروع ہوئی، مگر اس وقت بصرہ دینی علوم کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا، وہاں علوم دینیہ کے علاوہ ادب ولغت اور نحو وصرف کا بھی چرچا تھا، اس لئے اغلب ہے کہ حماد نے بھی عام رواج کے مطابق ان تمام علوم میں ضرور کمال حاصل کیا ہوگا، چنانچہ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

كان فصيحاً مفوهاً اماماً فى العربية (۳)

وہ فصیح بولنے والے اور عربیت کے امام تھے۔

امام ذہبیؒ نے دوسرے القاب کے ساتھ النحوی بھی لکھا ہے۔ (۴)

شیوخ: ۔ ان کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے، جس میں بے شمار ممتاز تابعین بھی شامل ہیں، چند تابعین کے اسمائے گرامی شمار کرانے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

وخلق كثير من التابعين فمن بعدهم (۵)

ان کے علاوہ تابعین کے ایک کثیر گروہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ اس طرح ان کے بعد کے لوگوں سے بھی۔

چنانچہ انہوں نے مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ان کی بے شمار حدیثوں کے حافظ اور

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۲) صفوۃ الصفوہ، ج ۳ صفحہ ۲۷۳۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۲

فقہ وفتاویٰ کے وارث بن گئے، بالخصوص حدیث میں وہ مشہور تابعی شیخ ثابت البنانی اور حمید الطویل کی روایات کے خاص حامل تھے۔(۱)

تلامذہ:۔ زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گزارا اور وہیں انہوں نے درس وافادہ کی مجلسیں گرم کیں، ان کے حلقۂ درس میں بلاشبہ لاتعداد لوگوں نے فقہ وحدیث کی تحصیل کی، مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن جریج، شعبہ بن الحجاج، یہ دونوں حضرات عمر میں حمادؒ سے بڑے تھے اور شعبہؒ تو امام وقت تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، امام ابوداؤد طیالسی۔

حدیث کے تمام مجموعوں ہی میں حضرت حماد بن سلمہؒ کی روایتیں موجود ہیں۔ خصوصیت سے ابوداؤد الطیالسی نے، جو ان کے تلمیذ رشید ہیں، اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں، ایک مشہور اور طویل روایت ملاحظہ ہو۔

امام داؤد طیالسیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن سلمہ، قیس ابن الربیع اور ابوعونہ تینوں صاحبان نے بواسطہ سماک بن حرب عن ابن المعتمر الکنانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ کچھ لوگوں نے شیر کو پھنسانے کے لئے ایک گڑھا کھودا اور جب شیر اس میں گرا تو اس کو دیکھنے کے لئے بڑا ہجوم ہوا، ہجوم میں دھکا کھا کر ایک شخص گڑھے میں گرا اور گرتے وقت اس نے دوسرے شخص کا سہارا لینے کی کوشش کی، چنانچہ وہ جھٹکا کھا کر گرا چاہتا تھا کہ اس نے تیسرے کو پکڑ لیا اور تیسرے نے چوتھے کو۔ اس طرح چاروں گر پڑے اور شیر نے ان سب کو پھاڑ ڈالا اور وہ مر گئے۔ یہ اشخاص جن جن قبائل کے تھے ان میں خون بہا کے لئے شدید اختلاف ہوا اور نوبت جنگ کی پہنچ گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ موقع پر پہنچے اور سمجھایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ چار آدمیوں کی جگہ دو سو مزید آدمیوں کا خون بہہ جائے۔ اگر تم راضی ہو تو میں فیصلہ کر دوں، ورنہ پھر یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دو، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ آپؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے گڑھا کھودا ہے وہ دیت ادا کریں اور دیت اس طرح تقسیم ہو گی کہ

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۲

پہلے شخص کے ورثاء کو ۴/ا دیت، دوسرے کے ورثاء ۳/ا، تیسرے کے ورثاء ۲/ا اور چوتھے کو پوری دیت۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور بعض راضی نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قصہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "القضا کما قضی علی" یعنی حضرت علیؓ نے جو فیصلہ کیا وہی صحیح ہے۔

یہ تو حمادؒ کا بیان ہے اور قیس جو دوسرے راوی ہیں کہتے ہیں کہ:

قاضی رسول الله صلی الله علیه وسلم قضاء علیؓ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے فیصلہ کو نافذ فرمایا۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں، جن کے راوی محض حماد بن سلمہ ہیں، وہ حدیث کے بیان کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، اسی احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حدیث نبوی ﷺ کی روایت بالکل ترک کر دیں، مگر ان کے استاد ایوب سختیانی نے خواب میں انہیں روایت حدیث کا حکم دیا، تو وہ آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ خود حماد بن سلمہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

ما کان من نیتی ان احدث حتیٰ قال لی ایوب فی النوم حدث (۱)

حدیث بیان کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا حتیٰ کہ ابوایوب نے مجھے خواب میں تحدیث کا حکم دیا۔

ابن مدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن ضریس کے پاس دس ہزار ایسی حدیثیں تھیں، جو حماد بن سلمہ سے مروی ہیں۔ (۲)

ذریعہ معاش:۔ امام وقت ہوتے ہوئے وہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، مگر یہ کاروبار بھی محض رزق کفاف کے لئے تھا، چنانچہ سوار بن عبداللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

کنت اتی حماد بن سلمة فی سوقه فاذا اربح فی ثوب حبة او حبتین شد جیوبه وقام (۳)

میں بازار میں حماد بن سلمہ کی دکان پر آیا تھا، جب کسی کپڑے میں ایک دحبہ فائدہ ہو گیا، وہ فوراً دکان اٹھا دیتے تھے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) ایضاً

یعنی جہاں سدرمق کا انتظام ہوا کاروبار بند کر دیا۔

ہم عصر علماء کی رائے:۔ حفظ وثقاہت میں حضرت حماد بن سلمہؒ کم از کم اپنے معاصرین میں مفقود النظیر تھے، مگر آخر عمر میں سوء حفظ کی شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ اس لئے محدثین نے ان کی روایتوں پر جرح کی ہے۔ امام بخاریؒ نے ان سے روایت تو نہیں کی مگر ان سے استشہاد کیا ہے، جس میں حماد بن سلمہؒ کی ثقاہت کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ امام مسلمؒ نے ان سے متعدد روایتیں کی ہیں۔

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

ھو احد ائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه، فلذا تركه البخاری واما مسلم فاجتهد واخرج من حديثه من ثابت ماسمع منه قبل تغيره(١)

وہ مسلمانوں کے ایک امام ہیں، مگر بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ نے ان سے روایتیں نہیں کیں ہیں، مگر امام مسلم نے اجتہاد کیا اور سوء حفظ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ثابت البنانی کے واسطے سے ہیں ان کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

کچھ تو سوءِ حفظ کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کی کتابوں میں کچھ لوگوں نے الحاق کر دیا تھا، ان کی روایتیں بعض محدثین کی نظر میں مشتبہ ہوگئی تھیں، سوءِ حفظ کے بارے میں امام بیہقیؒ کی رائے اوپر گذر چکی، الحاق کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدی کا بیان ہے کہ:

وكانوا يقولون انها دست في كتبه

''لوگوں کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے۔''

ان کا ایک ربیب ابن ابی العوجاء نامی تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

فكان يدس في كتبه

''ان کی کتابوں میں کچھ ردوبدل کیا کرتا تھا۔''

تاہم ائمہ حدیث نے حماد بن سلمہؒ کے فضل وکمال کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حماد بن سلمہؒ کی برائی کرتے ہوئے دیکھو، اس سے اسلام کو مشتبہ سمجھو۔ (٢) حافظ ابن حجرؒ نے بھی قریب قریب اسی طرح کا ایک قول نقل کیا ہے۔ (٣)

علاوہ ازیں ابن عدی، عجلی، نسائی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، ابن عدی کے الفاظ

---

(١) تہذیب التہذیب ج ٣ صفحہ ١٢۔ (٢) تذکرۃ الحفاظ ج ١ صفحہ ١٨٣۔ (٣) تہذیب التہذیب ج ٣ صفحہ ١٥

ملاحظہ ہوں:

وحماد من اجلة المسلمين وهو مفتي البصرة وقد حدث عنه من هو اكبر منه سنا وله احاديث كثيرة واصاف كثيرة ومشائخ (۱)

اور حماد اجلۂ مسلمین میں سے تھے، بصرہ کے مفتی تھے، ان سے ان کے سن رسیدہ لوگوں نے روایتیں کی ہیں، ان سے بکثرت اور مختلف النوع حدیثیں مروی ہیں اور ان کے مشائخ بھی قابل ذکر ہیں۔

زہد و عبادت:۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا ساز ہد و اتقاء اور عبادت و ریاضت زمرۂ تابعین اور اتباع تابعین کی ایک عام خصوصیت تھی۔ چنانچہ حماد بن سلمہ بھی ان صفات ملکوتی کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، شہاب بن معمر کہتے ہیں کہ حماد اپنے وقت کے ابدال تھے، ایک دوسرے معاصر عفان کا بیان ہے کہ:

قد رأيت من هو اعبد من حماد بن سلمة ولكن ما رأيت اشد مواظبة على الخير وقرأة القران والعمل لله من حماد بن سلمة (۲)

''میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والوں کو دیکھا ہے، مگر ان سے زیادہ تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ بھلائی کرنے والا تلاوت قرآن کرنے والا اور ہر کام اللہ ہی کے لئے کرنے والا حماد بن سلمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی جن کا زہد و اتقاء ضرب المثل ہے، بیان فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے عمل کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کل آپ کو موت آ جائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کے لئے گنجائش نہیں ہوگی۔ (۳) ابن حبان کہتے ہیں کہ:

ان کا شمار مجاب الدعوات عابدین میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے اقران میں فضل و کمال، دین و عبادت میں ممتاز تھے، سنت کے سخت پابند اور اہل بدعت کے اثرات کو ختم کرنے میں انتہائی کوشاں تھے۔ (۴)

خود فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث نبوی کو غیر اللہ کے لئے (یعنی عزت و وجاہت کے حصول کے لئے) حاصل کرتا ہے وہ خدا سے فریب کرتا ہے۔ (۵)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۳۔ (۳) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۲۷۳۔
(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳

وقت کی قدر: ۔ایک بار موسیٰ بن اسماعیلؒ نے اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہؒ ۔کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو میں یہ سچ کہوں گا، وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے تھے، یا تلاوت قرآن کرتے یا تسبیحات پڑھتے تھے یا پھر نماز میں مشغول رہتے، انہوں نے پورے دن کو انہی کاموں کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔(۱)

خدائے عزوجل کے یہاں ان کے اعمال صالحہ کی مقبولیت ہی کی یہ علامت تھی کہ ان کا انتقال مسجد میں بحالت نماز ہوا۔ یونس بن محمدؒ کا بیان ہے کہ:

مات حماد بن مسلمة في المسجد وهو يصلي (۲)

''حماد بن سلمہ کی وفات مسجد میں بحالت نماز ہوئی۔''

استغناء، اظہارِ حق اور امراء کی صحبت سے گریز: ۔حماد بن سلمہؒ کی کتاب زندگی کا ہر باب ہی بڑا تابناک ہے۔ زہد و عبادت، دنیا اور اہل دنیا سے استغناء اور امراء کی صحبت سے گریز زمرۂ تبع تابعین کی ایک عمومی خصوصیت تھی، حماد بن سلمہ اس خصوصیت و امتیاز میں بھی نہ صرف ان کے شریک و سہیم تھے، بلکہ ممتاز مقام رکھتے تھے، اس سلسلہ میں محدث ابن جوزیؒ نے ان کا ایک واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، جس سے حماد بن سلمہ کے زہد و اتقا اور خشیت الٰہی کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، ذیل میں اس واقعہ کی تلخیص درج کی جاتی ہے۔

مقاتل بن صالح الخراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہ کے پاس گیا تو ان کے گھر میں ایک چٹائی کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اسی پر بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ ایک چمڑے کا توبڑا تھا جس میں ان کا سارا علم (یعنی روایات حدیث نبوی ﷺ) بند تھا، ایک وضو کا برتن تھا، جس سے وضو کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک دن موجود تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھو بیٹی کون ہے؟ وہ واپس آ کر بولی کہ محمد بن سلیمان کا قاصد (غالباً یہ بصرہ کا امیر تھا) فرمایا کہ جاؤ کہہ دو کہ وہ تنہا میرے پاس آئے، وہ قاصد آیا اور اس نے ایک خط پیش کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام۔

امابعد! خدا آپ کو اسی طرح سلامت رکھے، جس طرح آپ نے اپنے اولیاء اور اطاعت گزاروں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک مسئلہ درپیش ہے، اگر آپ تشریف لائیں تو اس بارے میں

(۱) صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۳ صفحہ ۲۷۔ (۲) ایضاً، شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۶۲

آپ سے استفادہ کرتا۔ والسلام۔

یہ خط ملا تو آپ نے پڑھ کر لونڈی سے کہا کہ قلم و دوات لاؤ اور اس کی پشت پر یہ جواب لکھ دو۔

امابعد! آپ کو بھی خدا اسی طرح سلامت رکھے جس طرح اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو سلامتی عطا کرتا ہے۔ میں نے بہت سے ایسے علماء کی صحبت اختیار کی ہے جو کسی کے پاس جایا نہیں کرتے (اس لئے میں بھی معذور ہوں) اگر آپ کو کوئی مسئلہ سمجھنا ہے تو آپ خود تشریف لے آئیں اور جو دریافت کرنا چاہیں کریں اور ہاں اگر آنے کا ارادہ ہو تو تنہا تشریف لائیے گا۔ آپ کے ساتھ خدم و حشم نہ ہوں، ورنہ میں آپ کے ساتھ اور اپنے ساتھ خیر خواہی نہ کرسکوں گا۔ والسلام۔

قاصد یہ جواب لے کر واپس چلا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، لونڈی کو حکم دیا کہ دیکھو کون ہے؟ اس نے آکر کہا کہ محمد بن سلیمان۔ فرمایا کہہ دو کہ آجائیں مگر تنہا آئیں، چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بولا کہ کیا وجہ ہے کہ جب بھی میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں، میرے اوپر خوف و دہشت طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی کے واسطے سے حضرت انسؓ کی زبانی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عالم اپنے دین کے ذریعہ خدا کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے اور جب وہ اس سے دنیا کے خزانے چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے۔

محمد بن سلیمان نے پوری توجہ کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور پھر کہا کہ چالیس ہزار درہم حاضر خدمت ہیں، انہیں اپنی ضروریات میں صرف فرمائیں۔ حماد بن سلمہؒ نے کامل استغناء کے ساتھ فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور جن لوگوں پر ظلم کر کے انہیں حاصل کیا ہے ان کو دے ڈالو۔ وہ بولا کہ بخدا میں یہ اپنے خاندانی ورثہ سے دے رہا ہوں۔ فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے معاف کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں معاف کرے، تم اس رقم کو تقسیم کر دو۔ وہ بولا کہ میری تقسیم میں اگر کسی مستحق کو نہ ملا تو ناانصافی کی شکایت کرے گا۔ آپ نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ مجھے معاف کرو۔ (۱)

اس طویل واقعہ سے حماد بن سلمہؒ کی زندگی کی کتنی درخشاں اور تابناک تصویر نگاہوں کے

(۱) صفوۃ الصفوہ لابن جوزی ج ۳ صفحہ ۲۷۴۔

سامنے پھر جاتی ہے۔

وفات:۔ ۱۶۷ ہجری میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱) اور وہیں مدفون ہوئے۔

حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا انتقال ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا۔(۲) عمر ۸۰ سال کے قریب پائی۔(۳)

تصنیف:۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ حماد بن سلمہؒ کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے جنہوں نے تالیف وتدوین کی خدمات انجام دی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی پوری تفصیلات نہیں ملتی، صاحب شذرات الذہب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ:

له تصانيف في الحديث (۴)

''حدیث میں ان کی تصانیف ہیں۔''

ان کے ممتاز شاگرد ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے پاس قیس کی کتاب کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں تھی، اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:

يعني كان يحفظ علمه (۵)

یعنی وہ قیس کے علم کے حافظ تھے۔

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ قیس کی روایتوں سے انہوں نے جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ ضائع ہوگیا تو وہ اپنی حافظہ سے روایت کرنے لگے۔

اس تفصیل سے بہرحال اتنی بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ حماد بن سلمہؒ نے جمع وتدوین کا کچھ نہ کچھ کام کیا تھا، لیکن مکمل تفصیلات متداول تذکروں میں نہیں ملتیں۔(۶)

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔

(۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۵۔ (۶) ایضاً صفحہ ۱۳

حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: حمزہ نام، ابوعمارہ کنیت تھی، والد کا اسم گرامی حبیب اور جدامجد کا عمارہ تھا۔ (۱) کوفہ کے خاندان آلِ عکرمہ بن ربعی کے غلام تھے جو مشہور قبیلہ تیم اللہ سے تعلق رکھتا تھا، اسی نسبت سے تیمی کہے جاتے ہیں۔ (۲) زیات لقب تھا، اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ ابن قتیبہ رقمطراز ہیں:

كان يجلب الزيت في الكوفة الى حلوان ويجلب الجبن والجوز الى الكوفة (۳)

''وہ کوفہ سے زیتون لے جا کر حلوان میں فروخت کرتے تھے اور وہاں سے پنیر واخروٹ کوفہ لایا کرتے تھے۔''

پیدائش اور وطن: خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت میں ۸۰ ہجری میں ولادت ہوئی۔ (۴) اسی سال امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بھی ہوئی۔ شیخ زیات کا آبائی وطن کوفہ ہے اور وہیں تاحیات درس وافادہ میں مصروف رہے۔

فضل وکمال: وہ علم وفضل کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، قرآن، حدیث، ادب اور فرائض وغیرہ علوم میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ بالخصوص علوم قرآن اور فرائض میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی پر علماء کا اتفاق ہے، جن سات آئمہ نے فن قرأت میں نام پیدا کیا اور لائق تقلید قرار پائے ان میں حمزہ بن ابی حبیب الزیات کا نام بہت ممتاز ہے۔

کوفہ میں عاصم واعمش کے بعد قرأت میں انہی کو منصب امامت حاصل ہے۔ حافظ ذہبیؒ انہیں شیخ القرأۃ السبعہ لکھتے ہیں۔ (۵) ان کے شیخ امام اعمش جو بلند مرتبہ تابعی اور خود قرآن کے ایک بڑے قاری تھے، جب بھی ابن حبیب کو دیکھتے تو فرماتے انت عالم القرآن۔ (۶)

قرآن: قرآن کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا۔ چنانچہ وقت کے بہت سے اکابر قراء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فن کی تحصیل کی اور اس میں اتنا کمال پیدا کیا کہ خود ان کی ذات مرجع

---

(۱) المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۰ وکتاب الانساب ورق ۱۱۳ ومرأۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔ (۳) المعارف صفحہ ۲۳۰۔ (۴) میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۶) ایضاً

انام بن گئی۔ علامہ یافعیؒ رقمطراز ہیں کہ:

کان رأساً فی القران والفرائض (۱)

وہ علوم قرآن اور فرائض (قانون وراثت) میں بہت ماہر تھے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

قرأ علی التابعین وتصعد للاقراء فقرأ علیه جل اهل الکوفة (۲)

انہوں نے تابعین سے قرأت کی تعلیم حاصل کی اور ان کے صدر نشین قرار پائے۔ پھر اکثر اہل کوفہ نے ان سے اس فن کو حاصل کیا۔

جن ماہرین قراء سے انہوں نے نکات فن کو حاصل کیا ان میں سلیمان بن مہران الاعمش، حمران بن اعین، محمد بن ابی لیلیٰ اور ابوعبداللہ جعفر الصادق کے نام قابل ذکر ہیں۔ (۳)

ان چاروں علمائے وقت کی سند قرآن علی الترتیب عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب تک پہنچتی ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زبان گوہر فشاں سے قرآن کو پڑھا تھا۔

بعض علماء نے قراء سبعہ میں ابن حبیب کی قرأت کو ناپسند کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان پر کیے گئے نقد و جرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ماہرین فن علماء کی اکثریت نے حمزہ کی قرأت قبول کرنے پر اتفاق رائے کیا اور ناقدین کے کلام کو بے وزن قرار دیا ہے۔

قد انعقد الاجماع علی تلقی قراءة حمزة بالقبول والانکار علیٰ من تکلم فیها (۴)

حمزہ بن حبیب الزیات کی قرأت کو قبول کرنے پر علماء کا اجماع ہے، اور جنہوں نے اس سلسلہ میں کلام کیا ہے وہ پسندیدہ نہیں ہے۔

علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ حمزہ کی جلالت فنی کا اندازہ لگانے کے لئے امام ابوسفیان ثوری کی یہ شہادت کافی ہے کہ قرأ حمزة حرفاً الا باثر (۵)، شعیب بن حرب ان کی قرأت کو ہمیشہ در آبدار کہہ کر بیان فرمایا کرتے تھے۔ (۶) امام ثوریؒ کا بیان ہے کہ:

یاابن عمارة اما القرأة والفرائض فلا نعرض لک فیهما (۷)

"اے ابن عمارہ قرأت اور علم و فرائض کے لئے ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔"

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۲۲۶۔ (۲) مرآۃ الجنان للیافعی ج ا صفحہ ۳۳۲۔ (۳) کتاب الانساب للسمانی ورق ۱۱۳۔
(۴) میزان الاعتدل ج ا صفحہ ۲۸۴۔ (۵) ایضاً (۶) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۴۰۔ (۷) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۲۸۴

ان کی قرأت کے راوی بکثرت ہیں، لیکن خلف وخلاد زیادہ مشہور ومعروف ہیں۔

علم فرائض:۔ فرائض کے علم میں بھی وہ یدطولیٰ رکھتے تھے، بلکہ درحقیقت قرآن اور فرائض ہی ان کی شہرت اور عظمت کی اصل بنیاد ہیں، محدث کی حیثیت سے ان کو کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں ہوسکا، امام اعظم بایں ہمہ بلندی شان اور فضل وکمال فرمایا کرتے تھے۔

غلب حمزة الناس علی القرآن والفرائض (۱)

حمزہ قرآن اور فرائض میں لوگوں پر غالب تھے۔

علم فرائض میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے ان کو فرضی بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث:۔ حدیث نبوی ﷺ سے بھی بہرہ وافر رکھتے تھے۔ اس کی تحصیل انہوں نے حکم بن عیینہ حبیب بن ابی ثابت، عمرو بن مرہ، طلحہ بن مصرف، عدی بن ثابت، حماد بن اعین، ابواسحاق، السبیعی، ابوسحاق الشیبانی، اعمش اور منصور بن المعتمر سے کی تھی اور ان کے تلامذہ میں عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبداللہ بن صالح العجلی، سلیم بن عیسیٰ محمد بن فضل، عیسیٰ بن یونس، امام وکیع اور قبیصہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۲)

جرح وتعدیل:۔ ان کی ثقاہت کے متعلق علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں:

وہ محدث، صدوق اور متبع سنت تھے۔ (۳)

عبادت:۔ کثرت عبادت وریاضت میں وہ صلحائے امت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت کرتے گزرتا تھا، اور بہت کم سوتے تھے۔ امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ جنہیں ان کے تلمذ خاص کا افتخار حاصل ہے، بیان کرتے ہیں کہ ابن حبیب الزیات کو جب بھی کوئی دیکھتا یا درس دیتے ملتے یا نماز پڑھتے ہوئے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے درمیان بھی نوافل پڑھتے رہتے، اسی طرح درس کے خاتمہ پر پابندی سے چار رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے۔ ہر ماہ ترتیل کے ساتھ کم از کم پچیس قرآن ختم کیا کرتے۔ علامہ سمعانی ان کی کثرت عبادت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

کان من جل عباداللہ عبادۃ وفضلا ونسکا (۴)

حضرت ابن فضیل کا قول ہے کہ حمزہؒ کے تدین، جلالت علم اور عبادت گذاری سے کوفہ کی بلا

(۱) خلاصہ تذہیب، مرأۃ الجنان للیافعی ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔ (۲) خلاصہ تذہیب مرأۃ الجنان للیافعی ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔

(۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۱۱۳۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴

دور ہوتی ہے۔

زہد واتقا:۔ ورع وتقویٰ اور خشیت الٰہی علماء کبار کا وصف مشترک ہے، ابن حبیب الزیاتؒ اس میں خاص امتیاز رکھتے تھے، حافظ ذہبی رقمطراز ہیں کہ صدق اور ورع وتقویٰ وغیرہ اوصاف ان کی ذات پر ختم ہو گئے تھے۔(۱)

ابن عماد حنبلی انہیں ورع کے اعتبار سے نمونہ عمل اور دلیل راہ بنائے جانے کا مستحق قرار دیتے ہیں۔(۲)

مناقب:۔ ان تمام کمالات کے علاوہ حمزہ کی ذات میں اور بہت سی خوبیاں مجتمع تھیں، جو انسان کے باطن کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف کر کے اسے مثل آئینہ مجلی کر دیتی ہیں۔

حضرت ابن حبیب الزیاتؒ بایں ہمہ علم وفضل کسی سے خدمت لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ شدید ترین گرمی کے موسم میں اثناء درس کبھی پیاس محسوس ہوتی تو اپنے کسی شاگرد سے پانی مانگنا گوارا نہ کرتے بلکہ خود اٹھ کر تشنگی فرو کرتے۔(۳) قرآن کی تعلیم پر تا حیات اجرت نہیں لی، ذریعہ معاش تجارت کو بنا رکھا تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ کوفہ سے زیتون لے کر حلوان میں فروخت کرتے اور وہاں سے پنیر واخروٹ لا کر کوفہ میں بیچتے تھے، لیکن یہ شغل بھی بقدر کفاف ہی کرتے، جس سے محض روح وجسم کا رشتہ باقی رہ سکے۔ ورنہ زیادہ تر وقت درس وعبادت میں گذرتا تھا۔

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۰۶ ہجری یا ۱۰۸ ہجری میں بمقام حلوان وفات پائی۔ اس وقت ابو جعفر منصور تخت خلافت پر متمکن تھا۔(۴)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۰۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۔
(۴) المعارف صفحہ ۲۳۰ وطبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۸ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۲۶، مرآۃ الجنان ۱ صفحہ ۳۳۲

حضرت خالد بن الحارث ہجیمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ خالد نام، ابوعثمان کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:

خالد بن الحارث بن سلیمان بن عبید بن سفیان۔(۱)

ہجیم بصرہ کا ایک محلہ ہے جہاں قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنو ہجیم آ کر آباد ہوگئی تھی اور انہی کے نام سے وہاں یہ مقام موسوم ہوگیا، خالد کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ اسی لئے ہجیمی اور بصری کی نسبتوں سے مشہور ہوئے۔(۲)

ولادت اور وطن:۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، وہیں باختلاف روایت ۱۱۹ ہجری یا ۱۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔(۳)

علم وکمال:۔ علمی اعتبار سے وہ کافی بلند مرتبہ تھے۔ حفظ حدیث میں ان کی نظیر کم از کم بصرہ میں مفقود تھی۔ یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ "مارایت خیرا منہ"(۴) محمد بن المثنیٰ کہتے ہیں:

ما بالبصرة مثل خالد بن الحارث وما بالكوفة مثل عبدالله ابن ادريس (۵)

"بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ ابن ادریس کی مثال مفقود تھی۔"

علامہ ذہبی "الحافظ الحجة" لکھتے ہیں۔

شیوخ وتلامذہ:۔ جن چشموں سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں بکثرت جلیل القدر علماء کے نام شامل ہیں۔ چند لائق ذکر یہ ہیں۔ ابوایوب السختیانی، حمید الطویل، ہشام بن عمرو، سعید بن ابی عروبہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، ہشام بن حسان۔

اور خود ان سے سماعت حدیث کی سعادت حاصل کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، حسن بن عرفہ، مسدد، عبیداللہ بن معاذ، یحییٰ بن حبیب، نصر بن علی الجہضمی، عارم، عبداللہ بن عبدالوہاب جیسے فضلاء روزگار شامل ہیں۔(۶)

پایہ ثقاہت:۔ علمائے جرح وتعدیل نے باتفاق رائے ان کی ثقاہت وعدالت اور تثبت و

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۶۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ صفحہ ۲۸۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۲۔ (۴) خلاصہ تذہیب صفحہ ۱۰۰ا۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۸۲۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۸۲

اتقان کو مسلم قرار دیا ہے، ایسے محدثین کی تعداد کم ہے، جن کی ذات نقد و جرح سے مامون ہو، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم ہے۔ ''الیہ المنتھی فی التثبت بالبصرۃ'' ابو حاتم انہیں ثقہ امام، ترمذی ثقہ مامون اور نسائی ثقۃ ثبت کہتے ہیں۔(۱)

ابن ناصر الدینؒ لکھتے ہیں:

کان من الحفاظ الثقات المامونین(۲)

وہ ثقہ اور مامون حفاظ حدیث میں تھے۔

معاویہ بن صالح کا بیان ہے:

قلت لیحیی بن معین من اثبت شیوخ البصریین قال خالد بن الحارث مع جماعۃ مماھم

''میں نے یحییٰ بن معین سے شیوخ بصرہ میں سب سے زیادہ تثبت رکھنے والے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ خالد بن الحارث کا بھی نام لیا۔''

علاوہ ازیں ابوزرعہ، ابن حبان اور ابن شاہین وغیرہ نے بھی ان کا شمار ثقات محدثین میں کیا

عقل و فرزانگی:۔ علامہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کے تثبت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اعلیٰ پایہ کے زیرک اور فہیم انسان تھے۔ **کان من عقلاء الناس وذھانھم**(۳)

وفات:۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت ۱۸۶ ہجری میں بمقام بصرہ وفات پائی۔(۴)

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۳۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۲ و شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۹

حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ

سرزمین ہند میں جن اکابر اسلام نے علم وعمل کی قندیلیں فروزاں کیں۔ان میں زمرہ اتباع تابعین کی بھی دو ممتاز شخصیتوں کے نام ملتے ہیں، انہیں ہندوستان سے خصوصی ربط وتعلق تھا اور انہوں نے اسے اپنے فیوض و برکات اور علمی وعملی سرگرمیوں کا جولانگاہ بنایا، ان میں سے ایک ربیع بن صبیح بصری اور دوسرے اسرائیل بن موسیٰ ہندی ہیں۔حسن اتفاق سے یہ دونوں بزرگ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور شہرہ آفاق تابعی امام حسن بصری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔مؤخر الذکر کی آمد ورفت ہندوستان میں تجارت کی غرض سے ہوئی تھی اور اول الذکر ایک اسلامی فوج کے ہمراہ بحیثیت مجاہد وارد ہوئے اور ایک وبائی مرض میں مبتلا ہو کر یہیں کی خاک کا پیوند بنے۔

گو کہ ہندوستان میں مذکورہ بالا دونوں اکابر کے علمی افادہ اور درس حدیث کا کوئی ظاہری ثبوت فراہم نہیں ہوتا، تاہم اس عہد زریں کے عام معمول کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ ان متحرک علمی درسگاہوں کے فیوض و برکات سے سرزمین ہند محروم رہی ہو، ان دونوں محدثین کے حالات تاریخوں میں کم ملتے ہیں، اس بنا پر ان کی تاریخ زندگی کے بہت سے اوراق نظر سے اوجھل ہیں، امام ابوموسیٰ اسرائیل کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں ذیل میں ابوحفص ربیع بن صبیح کے جو سوانح و حالات طبقات وتراجم کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی کے بعد مل سکے ہیں، پیش کئے جاتے ہیں:

نام ونسب:۔ نام ربیع اور والد کا نام صبیح تھا، کنیت ابوبکر اور ابوحفص تھی۔مگر زیادہ شہرت ابوحفص ہی کو حاصل ہے۔قبیلہ بنو سعد میں زید کے آزاد کردہ غلام تھے، اسی لئے ان کی طرف منسوب ہو کر سعدی بھی کہلاتے ہیں۔(۱) مزید سلسلہ نسب کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

وطن اور ابتدائی حالات:۔ ربیع بن صبیح کا اصلی وطن بصرہ تھا، انہوں نے جس عہد میں اپنے ہوش وخرد کی آنکھیں کھولیں، وہ اسلامی شان وشوکت اور علوم وفنون کی کثرت واشاعت کے اعتبار سے تاریخ کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔اس وقت ہر بستی اور ہر قریہ علماء و صلحاء سے معمور اور ان کی نواسنجیوں سے پرشور تھا۔ ہر استاد اور شیخ اپنی ذات سے ایک دار العلوم بنا ہوا تھا، جہاں شمع علم کے پروانے ہر چہار سمت سے آکر اکٹھا ہو جاتے تھے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۷

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مرکز اسلام بصرہ کی سب سے بزرگ اور پرکشش شخصیت امام حسن بصری کی تھی، جنہوں نے عثمانؓ و علیؓ، ابن عباسؓ و ابن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہ، ابوموسیٰ اشعری، معقیل بن یسار، عمران بن حصین اور ابی بکرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اساطین علوم نبوی کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔ امام حسن بصری نے صرف علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، بلکہ شجاعت و شہامت میں بھی یگانہ زمن تھے اور ربیع بن صبیحؒ ان دونوں کمالات میں اپنے بصری شیخ کا نفس ثانی تھے۔

اساتذہ:۔ حضرت ربیع بن صبیحؒ نے امام حسن بصریؒ سے خصوصی تلمذ رکھنے کے ساتھ دوسرے نادرہ عصر شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا، ان کے ساتھ اساتذہ کی طویل فہرست میں کبار تابعین کے نام بھی شامل ہیں، کچھ ممتاز اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حسن بصری، ابن سیرین، مجاہد بن جبیر، عطا بن ابی رباح (۱) حمید الطّویل، ابوالزبیر ابوغالب، ثابت البنانی، (۲) یزید رقاشی، قیس بن سعد۔ (۳)

تلامذہ:۔ خود امام ربیع کے چشمہ علم سے جو تشنگان علوم سیراب ہوئے ان میں اس عہد کے ہر علم و فن کے مشاہر ائمہ شامل ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

عبداللہ بن المبارک، وکیع بن الجراح، ابوداؤد طیالسی، آدم بن ابی ایاس، عاصم بن علی (۴)، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابونعیم، ابوالولید الطیالسی۔ (۵)

فضائل و مناقب:۔ ربیع بن صبیح زمرہ اتباع تابعین میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی اور بعض دوسرے محققین نے انہیں ''محدث تابعی'' بتایا ہے۔ غالباً یہ شبہ ان کی علمی جلالت اور بلندی شان کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ورنہ فی الحقیقت کسی صحابی سے ان کا لقا ثابت نہیں ہے۔

تقریباً تمام ائمہ اور اہل فن نے ربیع کے علم و فضل اور اوصاف و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

شیخ صالح صدوق (۶)

---

(۱) خلاصہ تہذیب الکمال خزرجی صفحہ ۱۱۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۶۔ (۳) کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ صفحہ ۴۶۴۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۷۔ (۵) کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ صفحہ ۴۶۴۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۸

سچے اور نیک بزرگ تھے۔

امام شعبہؒ کا قول ہے:

ربیع سید من سادات المسلمین

''امام ربیع مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ایک ہیں۔''

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

کان عابداً مجاهداً

وہ عابد اور مجاہد تھے۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

رجل صالح والمبارک احب الی منه

''ربیع نیک انسان تھے البتہ ان کے مقابلہ میں، میں مبارک کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔''

ابوالولید کہتے ہیں:

ماتکلم احد فيه الا والربيع فوقه (۱)

جس شخص نے بھی ربیع کے بارے میں کلام کیا ہے، وہ اس سے بلند مرتبہ نہیں۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فرما رہے تھے:

ان في الربيع خصالا لاتكون في الرجل واحدة منها

بلاشبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک ہیں جن میں کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

ثقاہت:۔ ائمہ دین کی کثیر تعداد نے امام ربیع کی ثقاہت وعدالت کی شہادت دی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد سے ربیع بن صبیح کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

لاباس به رجل صالح (۲)

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، نیک آدمی ہیں۔

ابن معینؒ کا بیان ہے:

ليس به بأس

(۱) کتاب الجرح والتعدیل ج ۸ صفحہ ۴۶۴۔ (۲) خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۱۱۵

ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام ابن عدی کا قول ہے:

له احاديث صالحة مستقيمة ولم أر له حديثاً منكراً وارجوا انه لاباس به ولا برواياته (۱)

''ان کی حدیثیں بالکل درست ہیں اور مجھے ان کی کسی منکر حدیث کا علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

علاوہ ازیں ربیع بن صبیحؒ کی عدالت اور ثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ عمر بن علی کا قول ہے کہ:

كان عبدالرحمن بن مهدى يحدث عن الربيع بن صبيح

''عبدالرحمٰن بن مہدی بھی امام ربیع بن صبیح سے روایت حدیث کرتے ہیں۔''

علامہ ذہبیؒ نے بھی میزان میں ان سے روایت کی ہے۔

جرح:۔ ثقاہت کے بارے میں مذکورہ بالا تمام شہادتوں کے باوجود علماء نے ان کے بارے میں نقد وجرح کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی آخری زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں اور غایت درجہ زہد وتقویٰ میں گذری اور انہوں نے بغیر تحقیق محض حسن ظن کی بناء پر ہر مرتبہ کے راویوں کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا، اس کی بناء پر محدثین نے اصول روایت ودرایت اور جرح وتعدیل کی رو سے ان میں کچھ کمی محسوس کی اور انہیں ربیع بن صبیحؒ کے بارے میں تعدیل کے ساتھ جرح کی بھی گنجائش مل گئی۔ چنانچہ یحییٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں:

هو عندنا صالح وليس بالقوى

''وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے، مگر قوی نہیں تھے۔''

امام شافعیؒ کا بیان ہے:

كان الربيع بن صبيح رجلا غزاء واذا مدح الرجل بغير صاعته نقد وهض يعنى دق (۲)

''ربیع بہت بڑے غازی تھے اور جب وہ فن حدیث سے غیر متعلق شخص کی تعریف کرتے تو اسے ختم ہی کر دیتے تھے۔''

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۸۔ (۲) کتاب الجرح والتعدیل ج ا صفحہ ۴۶۵۔

ابن حبان کے زہد وتقویٰ کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ان الحدیث لم یکن من صاعته و کان یهم فیما یروی کثیراً حتیٰ وقع فی حدیثه المناکیر من حیث لایشعر لایعجبنی الاحتجاج به اذا نفرد (۱)

''بلاشبہ حدیث ان کا فن نہ تھا، انہیں روایت حدیث میں وہم بہت زیادہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ غیر شعوری طور پر ان کی حدیث منکر ہو جاتی تھی۔ ان کے منفرد ہونے کی حالت میں ان کی روایت کو دلیل بنانا پسند نہیں کرتا۔''

حاکم کا قول ہے:

لیس بالمتین عندهم (۲)

''وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے۔''

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے ائمہ نے ربیعؒ پر جرح ونقد کیا ہے، لیکن یہ سب کچھ ان کے فضل وکمال اور ثقاہت وعدالت کو تسلیم کرنے کے بعد ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا، روایت میں یہ تمام ضعف ربیع بن صبیحؒ کے آخری عمر کے بعض مخصوص حالات کا نتیجہ تھا۔

عبادت گزاری اور زہد وورع: ۔ کثرت عبادت، زہد وورع اور تضرع والحاح میں بھی حضرت ربیعؒ منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ ابن حبانؒ نے لکھا ہے کہ:

کان من عباد اهل البصرة و زهادهم یشبه بیته باللیل ببیت النحل من کثرة التهجد (۳)

''ربیع بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گذار اور صاحب ورع تھے، کثرت تہجد کی بناء پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا۔''

عقیل کہتے ہیں کہ:

بصری سید من سادات المسلمین

امام احمد، ابن شیبہ اور ابو حاتم انہیں ''رجل صالح'' کہتے ہیں، ابن خداش کا یہ قول گزر چکا ہے کہ:

هو فی هدیه رجل صالح

ربیع اپنی سیرت میں نیک آدمی تھا۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۸۔ (۲) کتاب الجرح والتعدیل ج ا صفحہ ۴۶۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۸

بصرہ کے پہلے مصنف۔ اسلامی علوم وفنون کو جن ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا ان میں ربیع بن صبیح کو شرف اولیت حاصل ہے۔ بعض محققین نے انہیں اسلام کی پہلی صاحب تصنیف شخصیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ کاتب چلپی رقمطراز ہے:

ھو ل اول من صنف فی الاسلام(۱)

''وہ اسلام میں پہلے مصنف ہیں۔''

مگر بعض دوسرے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق اسلام میں سب سے پہلی تصنیف کتاب ابن جریج ہے اور ایک دوسرے قول میں موطا امام مالک کو اس شرف کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علوم اسلامیہ کی تدوین کا کام شروع ہوا اور ہر مقام کے ائمہ فن اور اساتذہ علم نے حدیث کو کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس طرح سرزمین بصرہ میں یہ شرف سب سے پہلے حضرت ربیع بن صبیح'' کو حاصل ہوا۔ (۲) علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

قال الرامھرمزی اول من صنف وبوب بالبصرۃ الربیع بن صبیح ثم سعید بن ابی عروبہ وعاصم بن علی (۳)

''رامہرمزی کا قول ہے کہ بصرہ میں جس نے سب سے پہلے تصنیف وتالیف کا کام کیا وہ ربیع بن صبیح ہیں، اس کے بعد سعید بن ابی عروبہ اور پھر عاصم بن علی۔''

حافظ ابن حجر'' نے بھی فتح الباری میں یہی لکھا ہے اور خلیفہ چلپی نے بھی تدوین حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اسی کی تائید کی ہے۔ نیز حاجی خلیفہ کے بیان سے یہ بات بھی منکشف ہوجاتی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تصنیف تو کتاب ابن جریج یا موطا امام مالک ہے، لیکن بصرہ میں سب سے پہلے مصنف ربیع بن صبیح ہیں۔ چنانچہ کشف الظنون میں ہے:

وقیل اول من صنف وبوب الربیع بن صبیح بالبصرۃ ثم انتشر جمع الحدیث وتدوینہ وتسطیرہ فی الاجزاء والکتب(۴)

کہا جاتا ہے بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے تصنیف وتبویب کا کام کیا، پھر احادیث کی تدوین اور کتابوں کی شکل میں ان کی اشاعت عام ہوگئی۔

---

(۱) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۴۲۳۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔
(۴) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۴۲۳

شجاعت و بہادری:۔ حضرت ربیع بن صبیحؒ اپنے لائق فخر استاذ امام حسن بصریؒ کی طرح علم و فضل کے ساتھ شجاعت، مجاہدہ اور اسلامی حمیت میں بھی مفقود النظیر تھے، بصرہ کے قریب ابادان نامی ایک مقام ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں اس زمانہ میں اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت عملی دنیا آباد کئے ہوئے تھی۔ ربیع بن صبیحؒ کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعیؒ کی یہ شہادت گذر چکی کہ:

کان ربیع بن صبیح رجلا غزاء (۱)

''ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی تھے۔''

علاوہ ازیں امام شعبہؒ نے شجاعت میں ان کے مرتبہ کو احنف بن قیس سے بھی بلند تر قرار دیا ہے، حضرت احنف بن قیس کی شخصیت وہ ہے جو اپنے زمانے میں بہادری اور جوانمردی کے لئے ضرب المثل بن چکی تھی، انہوں نے اپنی شجاعت کے بہت سے نمایاں ثبوت دیئے تھے، ان کی اس جلالت مرتبت کے باوجود امام شعبہؒ کا قول ہے کہ:

لقد بلغ الربیع مالم یبلغ لاحنف بن قیس یعنی فی الارتفاع (۲)

''ربیع کا مرتبہ احنف بن قیس سے بلند تر تھا۔''

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ ربیع بصرہ کے عوام سے چندہ وصول کرتے اور پھر رضا کاروں کو لے کر ابادان میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

جمع مالا من اهل البصرة فحصن به عبادان ورابط فیها (۳)

''ربیع نے اہل بصرہ سے چندہ کر کے عبادان کی قلعہ بندی کی اور اس کی مرابطت کی خدمت انجام دی۔''

جنگ ہندوستان میں شرکت:۔ عہد بنی عباس میں جب مہدی اورنگ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عرب تاجروں کی شکایت پر ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اس جنگ کی تفصیلات طبری اور ابن کثیر وغیرہ، مؤرخین نے اپنی کتابوں میں دی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ آلات حرب اور اسلحوں سے لیس کر کے ہندوستان روانہ کیا جو ۱۶۰ ہجری میں باربد (جو بھاڑ بھڑوت کی تعریب ہے) پہنچا، بھاڑ بھڑوت صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک پکی بندرگاہ تھی، اس

---

(۱) کتاب الجرح والتعدیل ج ا صفحہ ۴۶۵۔ (۲) میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۳۴۲۔ (۳) فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲

فوج میں ایک ہزار سے زائد رضا کار بھی شوق جہاد میں شریک تھے، محققین کے بیان کے مطابق والنٹیرس کی اس کثیر جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیحؒ تھے۔

بہر حال اس فوج نے بھاڑ بھڑوت پہنچنے کے دوسرے ہی دن جنگ شروع کر دی۔ گجراتیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لئے، اسلامی فوج نے اس سختی سے محاصرہ کر لیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے، مجاہدین اسلام نے بزور شہر میں داخل ہو کر گجراتیوں سے دو بدو شدید جنگ کی اور بالآخر انہیں فتح و نصرت نصیب ہوئی، دشمنوں کے تمام آدمی کام آئے اور مجاہدین میں سے بیس سے کچھ زائد نے جام شہادت نوش کیا۔(۱)

اس جنگ میں ربیع بن صبیح نے اپنے زیر قیادت رضا کاروں میں جہاد کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، اسی جوش اور جذبہ شہادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کے سیلِ رواں اور ان کے پر جوش حملوں کے سامنے آنے والی طاقت چور چور ہو گئی۔

وفات:۔ بھاڑ بھڑوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا، لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی، اس لئے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی اور انہیں سمندر پر سکون ہونے تک مجبوراً دہیں قیام کرنا پڑا۔ سوءِ اتفاق سے عین اسی وقت ''حمام قر'' نام کی ایک وباء پھوٹ پڑی، یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا تھا اور ایسا زہریلا تھا کہ جلد ہی موت کے آغوش میں پہنچا دیتا تھا، چنانچہ اس بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمہ اجل بن گئے، عام محققین کے بیان کے مطابق انہی شہید ہونے والوں میں حضرت ربیع بن صبیحؒ بھی تھے۔(۲)

مؤرخین نے بالاتفاق اس وباء کے پھیلنے اور اس سے مرنے والوں کا ذکر ۱۶۰ ہجری کے واقعات میں کیا ہے۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیحؒ کی تدفین جزائر بحر الہند میں سے کسی جزیرہ میں ہوئی، چنانچہ طبقات میں ہے:

خرج غازیاً الی الهند فمات فدفن فی جزیرة من الجزائر بسنة ۱۶۰ فی اول خلافة من اهل البصرة کان معه (۳)

''وہ ہندوستان غازی کی حیثیت سے آئے اور وہیں انتقال فرما کر ۱۶۰ ہجری میں کسی جزیرہ میں مدفون ہوئے۔ وہ مہدی کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ تفصیل مجھے بصرہ کے ایک شخص نے بتلائی جو جنگ میں ان کے ساتھ شریک تھا۔''

(۱) طبری ج ۶ صفحہ ۲۵۳ و ابن اثیر ج ۶ صفحہ ۳۱۔ (۲) البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۲۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ ق ۲ صفحہ ۴۶

اس روایت کا پایہ استناد اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن سعد نے اسے بصرہ کے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جو جنگ بھاڑ بھڑوت میں حضرت ربیع کے دوش بدوش شریک تھا، اس نے اپنا چشم دید بیان دیا ہے، اسی بناء پر علامہ بلاذریؒ نے بھی ابن سعدؒ کے مذکورہ بالا بیان کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وکان خرج غازیاً الی الهند فی البحر فمات فدفن فی جزیرة من الجزائر فی سنة ستین ومائة(۱)

''سمندری راستے سے وہ جہاد کرنے ہندوستان آئے اور وہیں ۱۶۰ ہجری میں انتقال کر کے کسی جزیرہ میں دفن ہوئے۔''

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ربیع کی وفات بھاڑ بھڑوت میں نہیں ہوئی، بلکہ وبا کے پھیلنے کے بعد وہ قریب کے کسی جزیرہ میں چلے گئے۔ (۲) اور وہیں وفات و تدفین ہوئی۔ گو کہ حضرت ربیع کے جائے وفات اور مدفن کی تعیین میں اختلاف ہے، تاہم یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ ان کی وفات ۱۶۰ ہجری میں ہندوستان میں ہوئی اور یہیں کہیں مدفون بھی ہوئے۔ والعلم عند اللہ۔

ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وتوفی فی غزوة الهند فی الرجعة بالبحر الربیع بن صبیح البصری (۳)

''جنگ میں بحری راستے سے واپسی کے وقت ۱۶۰ ہجری میں ربیع کا انتقال ہوا۔''

اولاد:۔ ربیع کی جسمانی یادگار میں دو صاحبزادوں اور لڑکی کا ذکر ملتا ہے، لڑکوں کے نام عبدہ بن ربیع بن صبیح اور سلیمان بن ربیع ہندی ہیں، جو علم و فضل میں خود بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ (۴) صاحبزادی کا نام نہیں معلوم لیکن ابوحاتم نے محدث اسحاق بن عباد کو ربیع کا نواسہ بتلایا ہے اور انہیں ابن ابنۃ ربیع لکھا ہے، جس سے علم ہوتا ہے کہ حضرت ربیعؒ کی ایک لڑکی بھی تھی۔

---

(۱) فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲۔ (۲) بعض لوگوں نے ربیع کا مدفن ضلع تھانہ (بمبئی) قرار دیا ہے۔ (۳) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۳۰۹۔ (۴) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۷۹

حضرت روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ روح نام اور ابو محمد کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان بن عمرو(۱)، بنو قیس بن ثعلبہ سے خاندانی نسبت حاصل تھی، اسی لئے ثعلبی مشہور ہوئے۔(۲)

فضل وکمال:۔ حضرت ابن عبادہ حدیث نبوی کے مشہور وممتاز حفاظ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نامور تابعین اور اتباع تابعین کے فیضان صحبت سے بہرہ ور ہو کر خود بھی علم وفضل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے، بد وشعور سے لے کر تا نفس واپسیں حدیث کے درس اور اس کے اسرار ورموز کی نقاب کشائی میں مصروف رہے، ابن المدینی فرماتے ہیں:

لم یزل روح فی الحدیث منذ نشاء (۳)

''وہ پیدائش سے لے کر برابر حدیث میں مشغول رہے۔''

ہزاروں حدیثیں ان کے حافظہ کے خزانہ میں محفوظ تھیں، حافظ ذہبی نے علی بن المدینی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ''روح بن عبادہ نے ایک لاکھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ میں ان میں سے صرف دس ہزار احادیث کی کتابت کر سکا۔''(۴)

حضرت ابن ابی شیبہ کا قول ہے:

کان روح ابن عبادۃ کثیر الحدیث جداً (۵)

''روح بن عبادہ بہت کثیر الحدیث تھے۔''

علامہ ذہبی ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں:

ثقة مشهور حافظ من علماء اهل البصرة(٦)

وہ علماء اہل بصرہ میں بہت مشہور ثقہ حافظ تھے۔

حضرت علی بن عبداللہ بیان کرتے ہیں:

من المحدثین قوم لم یزالو فی الحدیث لم یشغلوا عنه نشاء وانطلبوا ثم صنفوا ثم حدثوا منهم روح بن عبادة (٧)

---

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ صفحہ ۱۱۶۔ (۲) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۰۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ، صفحہ ۳۲۱۔ (۶) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳

محدثین میں کچھ ایسے بھی گذرے ہیں جو برابر حدیث میں منہمک رہے، نشوونما پانے کے بعد حدیث حاصل کی، اس میں تصنیف وتالیف کی، پھر درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا، انہی میں حضرت روح بن عبادہؒ بھی تھے۔

شیوخ وتلامذہ:۔ امام روح بن عبادہ نے ابن عون، سعید بن عروبہ، اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری شعبہ، حسین المعلم، ایمن بن نابل، ابن جریج، ابن ابی ذئب اور حجاج بن ابی سفیان جیسے ائمہ حدیث سے اکتساب فیض کیا اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، بشر بن موسیٰ، ابوخیثمہ، ابوقدامہ، بندار، ابن نمیر، عبداللہ المسندی، احمد بن منیع، حارث بن اسامہ وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔(۱)

مرویات کا پایہ:۔ فنِ حدیث کے ماہر اور جلال وانساب کے نکتہ شناس علماء کی غالب تعداد امام روحؒ کی ثقاہت وصداقت کی معترف ہے۔ یحیٰ بن جیسے جلیل القدر محدث کا قول ہے کہ:

لیس بن بأس صدوق حدیثه یدل علی صدقه

''حرج نہیں ہے، وہ صدوق ہیں اور ان کی روایت ان کی صداقت پر دال ہے۔''

حضرت محمد بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے ایک بار کہا، عام خیال ہے کہ ابن سعید القطان نے امام روح کی ثقاہت کے بارے میں کلام کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ صریح بہتان ہے، ابن قطانؒ نے قطعی کلام نہیں کیا ہے، روح بن عبادہؒ بلاشبہ صدوق ہیں۔(۲)

اسی طرح خطیب ابن ابی حاتم، ابن ابی خیثمہ، ابو عاصم، امام دارمی اور ابن سعد نے بھی ان کی مرویات کو بلند پایہ اور قابل حجت قرار دیا ہے، امام ابوبکر البزار اپنی مسند میں رقمطراز ہیں۔ ''روح بن عبادة ثقة مامون'' ابن ناصرالدین فرماتے ہیں:

ابو محمد روح بن عبادة ثقة مكثر مفسر (۳)

''ابومحمد روح بن عبادہ ثقہ کثیر الحدیث اور مفسر تھے۔''

بعض علماء نے ان کی ثقاہت کے بارے میں کلام بھی کیا ہے، حافظ ذہبیؒ کی رائے ہے کہ ان کا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔(۴)

تصنیف:۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام روحؒ نے تفسیر وحدیث میں متعدد کتابیں

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۳۲۰ و تہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳۔ (۲) تہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۳۔ (۴) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۱۸

تصنیف کی ہیں۔

صنف الکتب فی السنن والاحکام والتفسیر (۱)

سنن، احکام اور تفسیر میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں مزید کوئی وضاحت نہیں ملتی، اور نہ ان کی کسی تالیف کے مخطوطہ کا پتہ چلتا ہے۔

وفات:۔ باختلاف روایت جمادی اولیٰ ۲۰۵ ہجری یا ۲۰۷ ہجری میں رحلت فرمائی، حافظ ابن حجرؒ نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے۔ (۲) ۹۰ سال کے قریب عمر پائی۔

(۱) تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۲۹۵۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۳۴۷

زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام زکریا اور ابو یحییٰ کنیت تھی، پورا نسب نامہ یہ ہے:
زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز، ایک دوسرے قول کے مطابق ان کے والد ابوزائدہ کا نام ہبیرہ تھا، عمرو بن عبداللہ الوداعی سے نسبت ولاء رکھتے تھی، وداعہ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے، اسی بناء پر زکریا بن ابی زائدہ الوداعی اور الہمدانی کہے جاتے ہیں۔(۱) علامہ ابن سعد نے ابی زائدہ کو عمرو بن عبداللہ کے بجائے محمد بن المنتشر ہمدانی کا غلام بتایا ہے۔(۲)
فضل وکمال:۔ علم وفضل کے اعتبار سے وہ زمرہ اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی جلالت مرتبت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ان کے صاحبزادے یحییٰ بن زکریا بھی اپنے والد کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہوکر خود بھی اتباع تابعین میں بلند مرتبہ ہوئے، حدیث وفقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔
حدیث:۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کا شمار طبقہ سادسہ کے محدثین میں کیا ہے اور اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اخیار وصلحاء امت کا یہ وہ طبقہ ہے، جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے چراغوں سے اپنے دلوں کی دنیا منور کی تھی، انہوں نے اپنے گردوپیش کی پوری فضا کو قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے سرمدی نغموں سے گونجتا پایا تھا، چنانچہ یحییٰ بھی اس معدنِ علم سے کندن بن کر نکلے، انہوں نے اس علمی ماحول سے پوری طرح استفادہ کیا تھا اور سرمد آرائے روزگار ائمہ سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی تھی۔
حضرت زکریا کو مشہور تابعی ابواسحاق سبیعیؒ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا، ان کے علاوہ جن علماء سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں عامر الشعبی، فراس، سماک بن حرب سعد بن ابراہیم، خالد بن سلمہ، مصعب بن شعبہ، عبدالملک بن عمیر کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔(۳)
تلامذہ:۔ خود زکریا بن ابی زائدہ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یحییٰ کے علاوہ سفیان ثوری، شعبہ عبداللہ بن مبارک عیسیٰ بن یونس، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح، ابواسامہ ابونعیمؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۴۷۔ (۳) خلاصہ تذہیب وتہذیب الکمال

ثقاہت اور تدلیس: ۔ ان کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں محققین مختلف الرائے ہیں۔(۱) تاہم انہیں ضعیف کسی نے بھی قرار نہیں دیا ہے، زیادہ سے زیادہ بعض علماء نے ان کی طرف تدلیس کی نسبت کی ہے، یعنی اپنے شیخ کا ذکر کئے بغیر براہ راست اوپر کے راوی سے حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ ناقدین فن کے نزدیک یہ چیز ایک عیب تصور کی جاتی ہے، لیکن احناف کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، جیسا کہ حضرت زکریا کی ثقاہت مسلم ہے۔

علماء کی ایک بڑی جماعت نے انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "کان ثقة کثیر الحدیث" (۲) حافظ ذہبی انہیں صدوق مشہور حافظ کہتے ہیں۔(۳)

امام احمد ابوداؤد نے بھی تصدیق کی ہے۔(۴) امام نسائی، یعقوب بن سفیان اور ابوبکر البزاز بھی ان کی ثقاہت کے معترف ہیں۔(۵) مزید برآں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا بہت نمایاں ذکر کیا ہے۔(۶)

افتاء و قضاءت: ۔ فقہ و حدیث میں عبور کلی کے ساتھ افتاء و قضاءت پر بھی کامل قدرت حاصل تھی۔ اس بناء پر کوفہ کی مسند قضا کی بھی زینت بنے، ابن قانع کا بیان ہے:

"کان قاضیاً بالکوفة"(۷)

علماء کی آراء: ۔ حضرت زکریا کی جلالتِ شان کا اعتراف ان کے معاصر اور بعد کے علماء دونوں نے کیا ہے، امام احمد کا قول ہے کہ جب ابواسحاق سبیعی کی کسی روایت کے بارے میں ان کے شاگردان رشید زکریا اور اسرائیل میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو میرے نزدیک زکریا کا قول مرجح ہوگا، ابن معین کہتے ہیں کہ زکریا مجھے ہر چیز میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

عجلی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ تھے، لیکن انہوں نے ابواسحاق سبیعی سے ان کی آخری زندگی میں سماعت کی تھی، جبکہ انسان کے دماغی و ذہنی قوی انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں، اس لئے محدثین اس زمانہ حیات کی روایتوں کو بلند رتبہ نہیں دیتے، چنانچہ ائمہ فن نے حضرت زکریا کی ثقاہت کا اعتراف کرنے کے باوصف ان کی ان روایات کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔(۸)

وفات: ۔ باختلاف روایت ۱۴۸ ہجری یا ۱۴۹ ہجری میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔(۹)

---

(۱) میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ صفحہ ۳۴۹ و تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۲۳۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۴۷۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۴) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۰۔ (۶) ایضاً۔ (۷) ایضاً۔ (۸) یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۰ سے ماخوذ ہیں۔ (۹) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۴۷

حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ زائدہ نام ابو الصلت کنیت اور باپ کا نام قدامہ تھا(۱) اس کے بعد کا سلسلہ نامعلوم ہے، بنوثقیف سے نسبت ولا رکھنے کی بناء پر ثقفی اور اپنے مولد وموطن کوفہ کی طرف منسوب ہوکر کوفی کہلاتے ہیں۔

علم وفضل:۔ علمی حیثیت سے بلند پایہ اتباع تابعین کی جماعت میں کئی حیثیتوں سے بہت ممتاز تھے، علامہ خزرجی احدالاعلام اور حافظ ذہبی امام وحجت کے الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔(۲)

حدیث میں ان کے تبحر اور کمال کا یہ عالم تھا کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔''اگر تم زائدہ سے مروی کوئی حدیث سن لو تو پھر اس کی کوئی پرواہ اور غم نہ کرو کہ تمہیں کسی دوسرے راوی سے سماع حاصل نہیں، یعنی زائدہ کی روایت ہی مستند ترین اور کافی ہے۔

حدیث:۔ زائدہ نے اپنے وقت کے بہت سے نادرہ روزگار ائمہ وشیوخ سے حدیث کی تحصیل اور اس میں مہارت حاصل کی تھی، انہیں جن فضلائے زمن سے فیض وصحبت اور اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں ابواسحاق سبیعی عبدالملک بن عمیر، سلیمان التیمی، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل السدی، حمید الطویل، زیاد بن علاقہ، سماک بن حرب، شعیب بن غرقد، ہشام بن عروہ، اعمش اور ہشام بن حسان جیسے نامور علماء شامل ہیں۔(۳)

تلامذہ:۔ ان کے خوشہ چینیوں کی تعداد بھی کثیر ہے، جن میں سے مشہور وممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان بن عیینہ ابواسحاق الفزاری، طلق بن غنام، معاویہ بن عمر، ابونعیم، احمد بن یونس۔(۴)

روایت میں احتیاط:۔ حدیث میں بایں ہمہ تبحر وکمال کے حضرت زائدہ بن قدامہ روایت کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، وہ رواۃ حدیث کی ثقاہت وعدالت اور دوسرے احوال زندگی کی تحقیق وتفتیش میں بڑے ژرف نگاہی کا ثبوت دیتے اور چھان بین کے بعد جب راوی کی زندگی مثل آئینہ بے داغ اور شفاف نظر آتی جب ہی ان کی روایت کو شرف قبول بخشتے تھے، اس خصوصیت کی بناء پر ان کی تمام مرویات اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ امام ابوداؤد طیالسی روایت حدیث میں

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲۔ (۲) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۲۱ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۲۔
(۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶

ان کی اس فرط احتیاط کی نسبت خامہ ریز ہیں کہ:

كان لايحدث صاحب بدعة (۱)

وہ کسی اہل بدعت سے روایت نہیں کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

حدثنا زائدة بن قدامة و كان لايحدث قدريا و لاصاحب بدعة (۲)

''زائدہ بن قدامہ نے ہم سے حدیث روایت کی ہے اور وہ کسی قدری یا بدعتی سے روایت نہیں کرتے تھے۔''

تثبت و اتقان:۔ کسی حدیث کی صحت اور علو کے لئے راوی کا متقن اور مثبت ہونا بھی ضروری ہے، حضرت زائدہؒ اس صفت سے بھی بدرجہ اتم متصف تھے، علامہ ذہبیؒ اتقان میں انہیں امام شعبہؒ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

كان من نظراء شعبة في الاتقان (۳)

''وہ اتقان میں امام شعبہؒ کی نظیر تھے۔''

امام احمد کا قول ہے:

المثبتون في الحديث اربعة سفيان وشعبة وزهير وزائدة (۴)

''حدیث شریف میں چار اشخاص بہت بلند مرتبہ تھے، سفیان، شعبہ، زہیر اور زائدہ بن قدامہ۔''

صداقت وعدالت اور ائمہ کا اعتراف:۔ تمام ائمہ وعلماء اور ماہرین فن نے بالاتفاق حضرت زائدہ کی ثقاہت، عدالت اور صداقت کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ابوزرعہؒ کا بیان ہے کہ

صدوق من اهل العلم (۵)

ابوحاتم کہتے ہیں:

كان ثقة صاحب سنة وهو اهب الى من ابى عوانة(۶)

''وہ ثقہ محدث تھے اور میرے نزدیک ابوعوانہ سے زیادہ پسندیدہ تھے۔''

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۳۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۴۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۵) ایضاً۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۳۶ وخلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۳۱

ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة ماموناً صاحب سنة وجماعة (۱)

وہ ثقہ مامون اور صاحب سنت تھے۔

ابواسامہ جنہیں حضرت زائدہؒ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا، اپنے شیخ کی صداقت اور صالحیت کے متعلق بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور نیک انسان تھے، کان من اصدق الناس وابراھم (۲)

علاوہ ازیں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کان من الحفاظ المتقنین، امام دارقطنی، نسائی اور ابوداؤد طیالسی نے بھی ان کو ثقہ اور صدوق تسلیم کیا ہے۔

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۱ ہجری میں انتقال فرمایا، محمد بن عبداللہ الحضرمی کا بیان ہے کہ ان کی وفات سرزمین روم میں کسی جہاد کے دوران ہوئی۔ (۳) اس کی تائید علامہ ابن سعد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

توفی زائدة بارض الروم عام غزالحسن بن قحطبة الصائفة سنة ستین اواحدی وستین ومائة (۴)

''زائدہ کی وفات ارض روم میں اس سال ہوئی جب صائفہ نے جنگ کی تھی، وہ ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۱ ہجری تھا۔

علامہ خزرجیؒ نے مطین کا یہ قول نقل کیا ہے:

مات زائدة غازياً بارض الروم سنة اثنتین وستین ومائة (۵)

زائدہ کی وفات ارض روم میں ۱۶۲ ہجری میں جنگ کرتے ہوئے ہوئی۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۶۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۷۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۶۳۔ (۵) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۴۱

حضرت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام زہیر اور کنیت ابوخثیمہ(۱) تھی۔نسب نامہ یہ ہے:

زہیر بن معویہ بن حدیج بن الرحیل بن زہیر بن خثیمہ بن ابی حمران الحارث بن معاویہ بن الحارث بن مالک بن عون بن سعد بن حریم بن جعفی بن سعد العشیرہ بن مذحج ۔ (۲)

ولادت اور وطن:۔ حضرت زہیرؒ کی پیدائش کوفہ میں ۱۰۰ ہجری میں ہوئی۔ (۳) عمر کے بیشتر حصہ میں وہیں علم وعمل کی روشنی پھیلائی، لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ۱۶۴ ہجری میں جزیرہ منتقل ہوکر وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی۔ (۴)

فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے وہ کوفہ اور جزیرہ کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ تثبت واتقان اور حفظ وثقاہت میں نہایت بلند مرتبہ تھے، علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی انہیں **کان احد الحفاظ الاعلام** کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ (۵) سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے:

علیک بزهیر بن معاویة فما بالکوفة مثله(۶)

''زہیر بن معاویہ کی صحبت اختیار کرو کوفہ میں ان کی مثال نہیں۔''

امام احمدؒ کا بیان ہے:

زهیر من معادن العلم (۷)

''زہیر علم کی کانوں میں سے ایک ہیں۔''

حدیث:۔ علم حدیث ہی حضرت زہیر بن معاویہؒ کا اصلی جولانگاہ تھا، وہ ان ممتاز حفاظ حدیث میں تھے جنہوں نے اپنی پوری حیات مستعار اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی، اسی بناء پر انہیں حدیث کی صحت وضعف اور رجال کی جانچ پڑتال پر کامل عبور حاصل تھا۔

انہیں جن مشاہیر محدثین اور نادرۂ روزگار علماء سے اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی تھی، ان میں ابواسحاق سبیعی، سلیمان التیمی، عاصم الاحول، اسود بن قیس، سلیمان الاعمش، سماک بن حرب، میمون بن مہران، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، زیاد بن علاقہ،

---

(۱) کتاب الکنی ۱۸۰، اسماء الله والاني ج ۱ صفحہ ۱۶۶۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۴۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۵) العبر ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۲۳۔

(۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۵۱۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱

عبدالکریم جزری اور زید بن جبیرؒ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح ان سے مستفید ہونے والوں میں عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، ابوداؤد الطیالسی، یحییٰ بن آدم، ابونعیم، احمد بن یونس، یحییٰ بن یحییٰ التیمی، عمرو بن خالد الطرانی، عمرو بن عثمان الرقی، ہشیم بن جمیل الانطاکی، ہشیم بن القاسم جیسے علماء وائمہ شامل ہیں۔(۱)

تثبت واتقان:۔ ان کے صحیفۂ کمال کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی اعلیٰ پایہ کی ثقاہت و عدالت اور تثبت واتقان ہے اور یہ ثمرہ تھا حدیث میں ان کی طویل العمر ریاضت و جانکاہی کا، اس کمال میں ان کے ہم پلہ علماء کم ہی نظر آتے ہیں، معاذ بن معاذ حلفیہ کہا کرتے تھے:

واللہ ما کان سفیان باثبت من زھیر فاذا سمعت الحدیث من زھیر فلا ابالی ان لا اسمعه من سفیان (۲)

بخدا سفیان زہیر بن معاویہ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے، جب زہیر سے کوئی حدیث سنتا تو پھر مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں اسے سفیان سے نہیں سن سکا۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے علم وفضل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان حافظاً متقناً و کان اھل العراق یقولون فی ایام الثوری اذا مات الثوری ففی زھیر خلف و کانوا یقدمونه فی الاتقان علیٰ غیرہ (۳)

وہ حافظ متقن تھے، اہل عراق سفیان ثوری کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ اگر ثوری کا انتقال ہوگیا تو حضرت زہیر بن معاویہ کی شکل میں ہمیں ان کا جانشین مل گیا، اہل عراق انہیں دوسروں پر اتقان میں ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابن سعد رقمطراز ہیں:

و کان ثقة ثبت کثیر الحدیث (۴)

وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

اسی طرح دوسرے بہت سے علماء اور ماہرین جرح وتعدیل نے بلند الفاظ کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم کہتے ہیں کہ زہیر بن معاویہ میرے نزدیک اسرائیل بن یونس سے بھی ہر

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۱۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۴۱۔
(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲

چیز میں فائق و برتر ہیں، سوائے ابواسحاق سبیعیؒ کی روایات کے، اس میں اسرائیل کا مرتبہ یقیناً بلند ہے، کیونکہ زہیرؒ نے ابواسحاق سبیعیؒ سے سماع اس وقت حاصل کیا تھا، جب کبر سنی کی بناء پر سبیعیؒ کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا۔

لیکن علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ اولاً تو نفس بات ہی صحیح نہیں ہے کہ ابواسحاق سبیعی کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا۔ ما اختلط ابو اسحاق ابداً، یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ حیات کے سماع کا درجہ نسبتاً فروتر ہوتا ہے۔

وفات:۔ ۱۷۲ ہجری میں حضرت زہیر فالج کا شکار ہوئے اور اس کے ایک ہی سال بعد رجب ۱۷۳ ہجری میں ان کا رشتہ حیات منقطع ہو گیا، اس وقت خلیفہ ہارون الرشید، داد فرمانروائی دے رہا تھا۔

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ سعید نام اور ابو محمد یا ابو العزیز کنیت ہے، نسب نامہ یہ ہے:
سعید بن عبدالعزیز بن ابی یحییٰ،(۱) تنوخی خاندانی نسبت ہے، تنوخ ان قبائل کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں بحرین میں آباد ہو گئے تھے اور باہمی تعاون کا حلف لے رکھا تھا، تنوخ کے لغوی معنی اقامت کے ہیں۔(۲)

ولادت اور وطن:۔ ۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے، اصلاً بحرین کے رہنے والے تھے، لیکن بدو شعور کے بعد عمر بھر شام کے پایہ تخت دمشق میں سکونت پذیر رہے، اس لئے دمشقی بھی کہلاتے ہیں۔

فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے وہ شام کے بلند مرتبہ فقہاء، محدثین میں تھے، اجلہ تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت نصیب ہوئی، قرآن، حدیث اور فقہ جملہ علوم کے جامع تھے، عبادت و ریاضت اور خوف وخشیت ان کی کتاب زندگی کے روشن ابواب ہیں۔

حاکم کہتے ہیں کہ تفقہ و دیانت اور علم وفضل کے اعتبار سے سعید بن عبدالعزیز کو شام میں وہی مقام حاصل تھا جو امام مالکؒ کو اہل مدینہ میں،(۳) امام اوزاعیؒ فقہ وافتاء کے مشہور زمانہ امام تھے، ان سے اگر کوئی شخص ابن عبدالعزیز کی موجودگی میں استفتاء کرتا تو فوراً فرماتے سلوا ابا محمد (۴)

شیوخ:۔ ان کے اساتذہ شیوخ میں ہر فن کے ماہرین کی کافی تعداد ملتی ہے۔ ممتاز اور مشہور ائمہ میں مکحول دمشقی، نافع مولیٰ، ابن عمر، قتادہ زہری، ربیعہ بن یزید الدمشقی، بلال بن سعد، سلیمان بن موسیٰ، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن عبیداللہ، عطیہ بن قیس، یونس بن میسرہ اور ابوالزبیر کے نام شامل ہیں۔

تلامذہ:۔ اسی طرح ان کے تلامذہ اور متوسلین کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، جن میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، حجاج بن محمد، یزید بن یحییٰ، ابوحیوہ شریح بن یزید، محمد شعیب بن شابور، مروان بن محمد، وکیع بن الجراح، ولید بن مسلم، یحییٰ بن اسحاق، مسکین بن بکیر، عبدالملک بن محمد الصنعانی، یحییٰ بن سعید القطان، ابومسہر، یحییٰ بن بشر، ابونصر، محمد بن عثمان التنوخیؒ جیسے اکابر

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۷۱۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۸

اہل علم فضلاء شامل ہیں، علاوہ ازیں ان کے معاصرین میں سفیان ثوری اور امام شعبہ نے بایں ہمہ جلالت علم ان سے روایت کی ہے۔(۱)

قرآن:۔ علوم قرآن میں انہیں کافی دسترس اور قدرت حاصل تھی، اس کی تحصیل انہوں نے علی بن عامر اور یزید بن ابی مالکؒ سے کی تھی۔

حدیث:۔ گوحدیث میں انہیں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ تھا، تاہم شیوخ کی جس قدر بھی مرویات کا سماع انہوں نے کیا تھا، ان میں ان کا ثانی نہیں ملتا۔ امام احمدؒ کا ارشاد ہے:

لیس بالشام اصح حدیثاً منه (۲)

''شام میں ان سے زیادہ صحیح الحدیث کوئی نہ تھا۔''

حضرت عمر بن علی کہتے ہیں کہ شامیوں کی حدیثیں بالعموم ضعیف ہوتی ہیں، لیکن اس کلیہ سے دو علماء مستثنیٰ قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں، ایک امام اوزاعیؒ اور دوسرے سعید بن عبدالعزیزؒ۔(۳)

فقہ:۔ سعید بن عبدالعزیزؒ کے صحیفہ کمال کا درخشاں ترین ورق فقہ میں ان کی غیر معمولی مہارت ہے، امام اوزاعیؒ کے بعد شام میں اس فن کا ان سے بڑا عالم کوئی نہ ہوا۔ بلکہ ابو مسہرؒ تو فقہی کمال میں انہیں امام اوزاعی پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ:

لااقدم بالشام بعد الاوزاعی علی سعید احدا(۴)

''میں شام میں امام اوزاعی کے بعد فقہ میں سعید بن عبدالعزیز پر کسی کو فوقیت نہیں دیتا۔''

اسی باعث زبان خلق نے انہیں ''فقیه الشام بعد الاوزاعی'' اور مفتی دمشق کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ثقاہت:۔ ائمہ جرح وتعدیل نے بالاتفاق ان کی عدالت، ثقاہت اور صداقت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن معین انہیں حجۃ اور امام نسائی ثقہ ثبت قرار دیتے ہیں، مزید برآں ابو حاتم عجلی اور محمد بن اسحاق وغیرہ صراحت کے ساتھ ان کی توثیق کرتے ہیں۔(۵) ابن حبان کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

کان من عباد اهل الشام و فقهائهم و متقنیهم فی الروایة (۶)

وہ شام کے عباد، فقہاء اور صاحب اتقان علماء میں تھے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۵۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۶۰۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۶۰۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۸۶۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۶۰

قوتِ حافظہ:۔ انہوں نے حفظ وذہانت سے بھی حصہ وافر پایا تھا، خود ہی فرمایا کرتے تھے، میں نے حدیث کبھی نہیں لکھی، یعنی شیوخ سے روایت سن کر اپنے حافظہ کے خزانے میں محفوظ کر لیتے تھے، لیکن ان کے بعد تلامذہ کا خیال ہے کہ آخر زمانہ میں بتقاضائے عمر سوء حافظہ اور فتور عقل میں مبتلا ہو گئے تھے۔(۱)

خشیتِ الٰہی:۔ وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر مجسم تھے۔ نہایت عبادت گذار تھے، لیکن بایں ہمہ خوف وخشیت الٰہی سے ہر آن لرزاں رہتے، رات بھر نماز پڑھتے اور ساتھ ہی آنسوؤں کا سیل رواں رہتا۔ ابوالفرا الفرائیسی چشم دید راوی ہیں کہ میں نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھا، ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ کر چٹائی پر گر رہے تھے، محمد بن مبارک الصوری کا بیان ہے، جب بھی سعید بن عبدالعزیز کی کوئی نماز یا جماعت فوت ہو جاتی تو بے تحاشا رو تے تھے۔(۲)

خشوع وخضوع:۔ اسی کے ساتھ ان کی عبادت میں خشوع بدرجہ اتم موجود ہوتا۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو جہنم متشکل ہو کر سامنے آتی اور وہ دنیا ومافیہا سے کٹ کر پروردگار کے حضور میں اپنی عبودیت کا نذرانہ پیش کرتے۔

خود بیان کرتے ہیں کہ **ماقمت الی صلوۃ الا مثلت لی جھنم** (۳) یعنی جب میں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو جہنم اصل روپ میں میرے سامنے آتی ہے۔

اقوالِ زریں:۔ آپ کے جن بعض ملفوظات کا ذکر کتب طبقات میں ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ عالم، فقیہ اور محدث ہونے کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ بھی تھے، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں استفسار کرتا تو جواب دینے سے قبل یہ ضرور فرماتے "**لاحول ولا قوۃ الا باللہ ھذا رأی والرأی یخطی ویصیب**" ایک بار کسی نے قدر کفاف (یعنی جتنا رزق زندگی اور موت کا رشتہ قائم رکھنے کو کافی ہو) کی توضیح چاہی تو فرمایا **جوع یوم وشبع یوم** یعنی ایک دن فاقہ کرو اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤ۔ ایک مرتبہ اثناء گفتگو میں کسی شخص کی زبان سے **اطال اللہ بقاءک** نکل گیا، فوراً فرمایا: **لابل عجل اللہ بی الی رحمۃ**۔

وفات:۔ مہدی کے ایام خلافت ۱۶۷ ہجری میں بمقام دمشق رحلت فرمائی، وفات کے وقت ۸۰ سال کے قریب عمر تھی۔

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۸۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۸۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۳

حضرت سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔سلیمان نام اور ابومحمد اور ابوایوب کنیت اور والد کا نام بلال تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کے غلام تھے جونسباً تیم قریش سے تعلق رکھتے تھے،اسی طرف منسوب ہوکر سلیمان بھی تیمی اور قریشی مشہور ہوئے۔(۱)

وطن: ۔مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے،پوری زندگی اسی کی جاروب کشی میں گذاری۔

فضل وکمال: ۔علم ودانش اور فضل وکمال میں یکتائے عصر تھے،بالخصوص فقہ میں ان کا تبحر وتفوق مسلم تھا،حدیث کے بھی ممتاز حافظ تھے،ماہر نقد وجرح عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) تاحیات اس بات پر کفِ افسوس ملتے رہے کہ وہ سلیمان سے زیادہ احادیث کا سماع حاصل نہ کرسکے۔(۲)علامہ ذہبی انہیں الحافظ المفتی لکھتے ہیں۔(۳)ابن سعد رقمطراز ہیں،کان ثقۃ کثیر الحدیث (۴)ذہلی کا بیان ہے کہ مدنی شیوخ کی مرویات میں انہیں خاص تبحر حاصل تھا۔(۵)

شیوخ واساتذہ: ۔انہیں جن علماء کبار سے روایت حدیث کی سعادت نصیب ہوئی،ان میں عبداللہ بن دینار،زید بن اسلم،خثیم بن عراک،ابوحازم الاعرج،ربیعۃ الرائے،اسماعیل بن ابی صالح،ابی عجلان،موسیٰ بن انس،موسیٰ بن عقبہ،ہشام بن عروہ،یحییٰ بن سعید،یزید بن خصیفہ،ثور بن زید الدیلی،جعفر الصادق،سہیل بن ابی صالح،عتبہ بن مسلم اور یونس بن یزید لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے فضل وکمال سے مستفید ہونے والوں میں مشاہیر فن علماء کے نام شامل ہیں،چند یہ ہیں: عبداللہ بن مبارک،خالد بن مخلد،یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری،محمد بن سلیمان لوین،سعید بن ابی مریم،عبدالعزیز بن ابی اویس،سعید بن عفیر،عبداللہ بن وہب ابوسلمۃ الخزاعی،بشر بن عمر الزہرانی،قعنبی،سب سے آخری راوی لوین ہیں۔(۶)

فقہ وافتاء: ۔کمال تفقہ کے باعث مدینہ منورہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز ومرجع بن گئی تھی، یہاں تک کہ ''مفتی مدینہ'' ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱ واللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۱۹۰۔(۲) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۷۶۔
(۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔(۴) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔(۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۷۶۔
(۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱

وصولی خراج کی افسری:۔ اس کی دیانت وتقویٰ عوام اور خواص میں اس درجہ مسلم تھا کہ اپنے شہر مدینہ کے تمام خراج کے ذمہ دار اور افسر بھی مقرر کئے گئے۔(۱)

ثقاہت:۔ ان کی عدالت وثقاہت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں۔ یحییٰ بن معین خلیلی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن عدی، ابن حبان اور ابن شاہین، سب برملا ان کو ثقہ اور صالح الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عباد حنبلی رقمطراز ہیں کان من الثقات الاثبات (۲) یعنی وہ ثقہ اور ثبت علماء میں تھے، علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھ کر ان کے علم وفضل کو سراہتے ہیں۔(۳) سلیمان کی وفات کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام مالکؒ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فاکھی کی کتاب مکہ میں امام صاحب کی اس روایت کو خود دیکھ کر اس کی شہادت دی ہے۔(۴)

وفات:۔ ۱۷۲ ہجری ہارون الرشید کے ایام خلافت میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی اور عالم جاوداں ہوئے۔(۵)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔ (۲) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۸۱۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۷۶۔ (۵) العبر فی خبر من غبر ج اصفحہ ۲۶۱ وتذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۱۲ وشذرات الذہب ج اصفحہ ۲۸۱

حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام سلیمان، ابوسعید کنیت اور باپ کا نام مغیرہ تھا۔ (۱) قیس بن ثعلبہ ساکن بصرہ کے غلام تھے اور بصرہ ان کا وطن مالوف بھی تھا، اس لئے القیسی اور البصری کی نسبتوں سے شہرت عام حاصل کی۔ (۲)

فضل وکمال:۔ علم وفضل کے اعتبار سے بہت جلیل المرتبت تھے، متعدد تابعین کرام کے پیکر نور سے اپنی دیدۂ شوق کو روشن کیا اور ان کے دامان فیض سے پوری طرح مستفید ہوئے تھے، حفظ و اتقان اور تثبت وثقاہت میں اپنے زمانے کے رئیس المحدثین تھے، امام شعبہؒ جیسے مایہ صد فخر استاد الکل کا ارشاد ہے:

هو سید اهل البصرة (۳)

''وہ اہل بصرہ کے سردار تھے۔''

خریبیؒ بیان کرتے ہیں:

مارأیت بصریاً افضل منه (۴)

''میں نے ان سے افضل کوئی بصری نہیں دیکھا۔''

سلیمان کے ممتاز استاد اور مشہور تابعی ایوب السختیانیؒ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

خذوا عن سلیمان بن المغیرة لیس احدا حفظ لحدیث حمید من سلیمان بن المغیرة (۵)

''سلیمان بن المغیرہ سے حدیث حاصل کرو کیونکہ حمید الطویل کی مرویات کو ان سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔''

حافظ ذہبیؒ انہیں **عالم اهل البصرة فی وقته** اور الامام الحافظ الثبت لکھتے ہیں۔ (۶)

حدیث:۔ انہوں نے جن شیوخ سے حدیث کا سماع کیا، ان میں محمد بن سیرینؒ، ایوب السختیانی، حسن البصری، حمید، بلال اور ثابت البنانی جیسے اکابر تابعین شامل ہیں اور خود ان سے اکتساب علم کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی،

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۵۴۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۴۶۸۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۹۔
(۴) العبر فی خبر من غبر جلد صفحہ ۲۴۵۔ (۵) طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۳۹۔ (۶) العبر ج صفحہ ۲۴۵

سفیان ثوری، شعبہ، بہز بن اسد، حبان بن ہلال، ابوداؤد الطیالسی، زید بن حباب، شبابہ بن سوار، معتمر بن سلیمان، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون، عفان، آدم بن ابی ایاس، ابوالولید الطیالسی، عاصم بن علی، سلیمان بن حرب، مسلم بن ابراہیم، ابونعیم، موسیٰ بن اسماعیل، اسد بن موسیٰ، قعنبی شیبان بن فروخ اور ہدبہ خالد کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔(۱)

مرویات کا پایہ:۔ ان کی روایات کا پایہ اپنی صحت وتثبت کے لحاظ سے بہت بلند تھا، علی بن المدینی کہتے ہیں کہ ثابت البنانی کے تلامذہ میں حماد بن سلمہ کے بعد تثبت فی الحدیث میں سب سے بلند مقام سلیمان بن المغیرہ کو حاصل تھا۔(۲) امام احمد بہت پرزور الفاظ میں ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہیں۔(۳) علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: کان ثقة ثبتا (۴) بزاز کا بیان ہے:

کان من ثقات اهل البصرة (۵)

وہ بصرہ کے ثقات ائمہ میں سے تھے۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، امام نسائی، سلیمان بن حرب، ابن شاہین، ابن حبان اور عجلی وغیرہ نے بصراحت انہیں ثقہ، مامون اور صدوق قرار دیا ہے۔(۶) نیز امام بخاریؒ نے بھی ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔(۷)

وفات:۔ ۱۶۵ ہجری میں بمقام بصرہ وفات پائی۔(۸)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۰۔ (۳) العبر ج ۱ صفحہ ۲۴۵۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۸۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۱۔ (۶) ایضاً ج ۴ صفحہ ۲۲۰۔ (۷) تقریب التہذیب صفحہ ۷۹۔ (۸) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۵۴

حضرت شجاع بن ولید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ شجاع نام، ابو بدر کنیت، والد کا اسم گرامی ولید اور جد امجد کا قیس تھا۔(۱) کوفہ کے خاندان بنو کندہ کی ایک شاخ سکون بن اشرس سے نسبی تعلق رکھتے تھے، اسی باعث سکونی اور کوفی کی نسبتوں سے شہرت پائی۔(۲)

وطن:۔ ان کا آبائی وطن کوفہ تھا، اور وہیں پیدا بھی ہوئے، لیکن پھر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔(۳)

فضل وکمال:۔ شیخ شجاعؒ کو نہ صرف دنیائے علم وفن ہی میں ممتاز مقام حاصل تھا بلکہ وہ عبادت وریاضت اور تقویٰ وصالحیت میں بھی بلند مرتبہ تھے۔ ابن ناصر الدینؒ کہتے ہیں کہ:

کان ثقة ورعاً عابداً متقناً (۴)

''وہ ثقہ، متقی اور عابد تھے۔''

حافظ ذہبیؒ رقمطراز ہیں:

کان من صلحاء المحدثین وعلمائهم (۵)

''وہ صلحاء، محدثین اور علماء میں تھے۔''

شیوخ وتلامذہ:۔ انہوں نے جن شیوخ حدیث سے استفاضہ کیا ان میں اسماعیل بن ابی خالد، یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان بن مہران الاعمش، موسیٰ بن عقبہ، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ، عمر بن محمد، ابو خالد الدولائی، زیاد بن خثیمہ، زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، مغیرہ بن مقسم، عطاء بن السائب، عبید اللہ بن معاویہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔(۶)

اور ان کے صاحبزادے ولید کے علاوہ مسلم بن ابراہیم، یحییٰ بن ایوب، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو عبید قاسم بن سلام، زہیر بن حرب، علی بن المدینی، محمد بن اسحاق الصاغانی، محمد بن عبید اللہ، عبد اللہ بن محمد بن ایوب المخرمی، سعدان بن بصر، اسحاق بن راہویہ، ان کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔(۷)

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۲۴۷۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۲۴۹۔ (۴) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۵) العبر ج ۱ صفحہ ۳۴۶۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۱۲۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۲۴۷

پایہ مرویات:۔ امام شجاعؒ کی مرویات کے بارے میں علماء کافی اختلاف رکھتے ہیں، لیکن ان کی صلاح وتقویٰ پر تقریباً سب کو اتفاق ہے، امام مروزیؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے دریافت کیا، کیا ابو بدر شجاع ثقہ ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

ارجوا ان یکون صدوقا حابس الصالحین (۱)

''مجھے امید ہے کہ وہ صدوق ہوں گے، اس لئے کہ انہوں نے صلحاء کی صحبت اٹھائی ہے۔''

امام احمد کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ:

کان شیخاً صالحاً صدوقاً (۲)

''شیخ شجاع صالح اور صدوق تھے۔''

علاوہ ازیں ابن معین، ابوزرعہ اور عجلی بھی ان کی روایت کو قابل حجت اور ثقہ قرار دیتے تھے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے، لیکن محدث ابو حاتم وغیرہ کی رائے ہے کہ وہ قبول روایت کے معاملہ میں غیر محتاط تھے۔ اس لئے ان کی مرویات کو حجت بنانا صحیح نہیں، مگر بایں ہمہ ابو حاتم معترف ہیں کہ:

عندہ عن محمد بن عمر احادیث صحاح (۳)

''ان کے پاس محمد بن عمر کی بہت سی صحیح احادیث کا ذخیرہ تھا۔''

کثرتِ عبادت:۔ ان کی عبادت وریاضت کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ امام ابو سفیان ثوری جیسے ثقہ بزرگ بھی ان الفاظ میں ان کی شہادت دیتے ہیں۔

لیس بالکوفۃ اعبد منہ (۴)

''کوفہ میں ان سے بڑا عابد نہ تھا۔''

حافظ ابن حجرؒ ناقل ہیں کہ وہ ورع وتقویٰ میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے۔ (۵)

وفات:۔ ماہ رمضان المبارک ۲۰۴ ہجری میں بایام خلافت مامون الرشید وفات پائی۔ (۶)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۲۔ (۲) خلاصہ تذہیب صفحہ ۱۶۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۲۔ (۴) شذرات ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۱۴۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۶

حضرت شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔شریک نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی ،نسب نامہ یہ ہے:

شریک بن عبداللہ بن ابی شریک حارث بن اوس بن الحارث بن الاذہل بن وہیل بن سعد بن مالک بن النخع بن یسر بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک اود بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان (۱)، یمن کے قبیلہ بنومدحج کی ایک بڑی شاخ بنوالنخع سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث نخعی کہلاتے ہیں۔

ولادت ،وطن اور خاندان: ۔ان کی ولادت خراسان کے مشہور مردم خیز شہر بخارا میں ۵۹۵ ہجری میں ہوئی۔(۲) بنوالنخع طلوع اسلام کے بعد یمن سے نقل مکانی کر کے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے،اس لئے قاضی شریک بھی تا حیات کوفہ ہی میں سکونت اختیار کئے رہے، یہاں تک کہ نسبا نخعی کے ساتھ ،وطناً وہ کوفی ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ان کا خاندان علم وفضل کے اعتبار سے نہایت بلند وممتاز مقام رکھتا ہے۔امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعی اسی گلستان فضل ودانش کے ایک گل سر سبد تھے،قاضی شریکؒ کے جد امجد حارث بن اوسؓ نے جنگِ قادسیہ میں شریک ہو کر داد شجاعت دی تھی۔(۳)

علوئے مرتبت: ۔قاضی شریکؒ کو فضل وکمال خاندانی ورثہ میں ملا تھا،فقہ وحدیث مین ان کی مہارت مسلم تھی،علاوہ فہم ودانش،ذہانت وفطانت سے بھی بہرہ وافر پایا تھا،سلاطین وقت ان کے اکرام وتعظیم میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے تھے،علمائے حدیث کی مرویات کا ان سے بڑا واقف کار اس وقت کوئی نہ تھا۔(۴)

امام احمدؒ کا بیان ہے:

کان عاقلا صدوقا محدثا کان شدیدا علیٰ اھل الریب والبدع (۵)

وہ عاقل صدوق اور محدث تھے۔اہل ریب وبدعت کے بارے میں بہت سخت تھے۔

ابن خلکانؒ نے لکھا ہے،وہ عالم ،فقیہ،ذی فہم ،ذہین اور فطین تھے۔(۶) علامہ ذہبیؒ نے بھی انہیں کثیر الروایت اور بلند پایہ محدث قرار دیا ہے۔(۷)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳ وابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۰۲، اللباب ج ۳ صفحہ ۱۱۶۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۵۰۔

(۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۲۔ (۵) ایضاً۔ (۶) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۰۲۔

(۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۰

حضرت عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں:

مارأیت، احداً قط اورع فی عمله من شریک(۱)

میں نے علم میں شریک سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

حدیث:۔ حدیث میں ان کی بلندی شان کا اندازہ صرف اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اسحاق ازرقؒ نے ان سے نو ہزار حدیثوں کا سماع حاصل کیا تھا۔

ابن مبارک کا یہ قول گذر چکا ہے کہ وہ شیوخ کوفہ کی حدیثوں کے سفیان ثوریؒ سے بھی بڑے عالم تھے۔ (۲)

فقہ:۔ فقہ میں بھی غیر معمولی کمال حاصل تھا، اور اسی باعث وہ طویل زمانہ تک واسط، اہواز اور کوفہ میں مسند عدل و انصاف کی زینت بنے رہے، علماء نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے کمال تفقہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

شیوخ:۔ قاضی شریکؒ کے اساتذہ وشیوخ کی طویل فہرست میں بلند پایہ تابعین کافی تعداد میں شامل ہیں، جن میں کچھ نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابواسحاق سبیعی ہشام بن عروہ، سلیمان بن مہران الاعمش، عطاء بن السائب، منصور بن ذاذان، ابراہیم بن جریر العجلی، اسماعیل بن ابی خالد، راشد بن کیسان، عاصم بن سلیمان الاحول، سماک بن حرب، عاصم بن بہدلہ، عاصم بن کلیب، عبدالعزیز بن رفیع، مقدام بن شریح۔

تلامذہ:۔ ان کے آفتاب فیض کی شعاؤں سے کسب نور کرنے والوں کا حلقہ بھی اسی نسبت سے بہت وسیع ہے، فن جرح وتعدیل کے مسلم الثبوت امام عبدالرحمٰن بن مہدی، حافظ وکیع اور امام یحییٰ بن آدم جیسے فخر زمانہ علماء انہی کے خرمن علم کے خوشہ چین ہیں، ان کے علاوہ مشاہیر ائمہ میں فضل بن موسیٰ السینانی، زید بن ہارون، ابونعیم علی بن حجر، ہشیم بن بشیر اسحاق الازرق، اسود بن عامر شاذان، حسین بن محمد المروزی، اسحاق بن عیسیٰ، حاتم بن اسماعیل، یعقوب بن ابراہیم، قتیبہ بن سعید، عبدالرحمٰن بن شریک کے نام ان کے تلامذہ میں ملتے ہیں۔ سب سے آخری شاگرد عباد بن یعقوب کو بتایا جاتا ہے۔ (۳)

پایہ ثقاہت:۔ ماہرین فن کی ایک کثیر تعداد ان کی عدالت وثقاہت کی معترف ہے۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۵۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۷۰۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۴،۳۳۳

كان ثقة ماموناً كثير الحديث. (۱)

"وہ ثقہ، مامون اور کثیر الحدیث ہیں۔"

علامہ عجلی اعتراف کرتے ہیں:

كوفي ثقة وكان حسن الحديث وكان اروى الناس عنه اسحاق الازرق (۲)

وہ کوفی، ثقہ اور حسن الحدیث تھے۔ ان سے سب سے زیادہ روایتیں اسحاق الازرق نے کی ہیں۔

ابو حاتم اور امام نسائی نے بھی ان کی روایات کو قابل قبول قرار دیا ہے۔(۳) ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے مزید برآں ان کی ثقاہت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے انہیں لائق حجت قرار دیا، اور امام مسلمؒ نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔(۴)

تثبت و اتقان:۔ اسی طرح تثبت و اتقان میں بھی بلند پایہ تھے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شریک نے ابو اسحاق سبیعیؒ سے "قدیم" سماع حاصل کیا تھا، جس کا مستند ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے، اسی وجہ سے قاضی شریکؒ کا مرتبہ مرویات سبیعی کے بارے میں زہیر بن معاویہ، اسرائیل بن یونس اور زکریا بن ابی زائدہ سے بھی بلند مرتبہ ہے۔(۵) علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ قاضی شریک اتقان وتثبت میں حماد بن زید کے ہم پلہ تھے۔(۶)

عہدہ قضا:۔ فقہ وافتاء میں ان کے کمال وتبحر کے باعث مختلف سلاطین نے انہیں قضاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا، سب سے پہلے منصور نے ۱۵۳ ہجری میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد معزول کر دیا، اس کے بعد جب مہدی اورنگ خلافت پر رونق افروز ہوا تو اس نے قاضی شریک کو دوبارہ اس منصب پر مامور کیا(۷) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ شریک ۱۵۵ ہجری میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے بعد کوفہ کے مسندِ قضاء پر رونق افروز ہوئے۔(۸) اول الذکر ہی بیان اصح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تائید دوسرے ماخذوں سے بھی ہوتی ہے۔ مورخ ابن خلکان نے اہواز کے قاضی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔(۹)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۵۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۷۰، میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۵۔ (۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۸۷۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۴۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۰۔ (۷) الاعلام ج ۳ صفحہ ۲۱۱۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔ (۹) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۰۲

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قاضی شریکؒ نے اس آزمائش سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کی، جب بھی حاکم وقت نے ان کو بلا کر اس عہدہ کی پیشکش کی، انہوں نے برملا اس سے اپنے کو نااہل بتا کر معذوری ظاہر کر دی، چنانچہ منصور عباسی نے ان سے کہا "**قد ولیتک قضاء الکوفة**" یعنی میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو فوراً عاجزی سے فرمایا:

یا امیر المومنین انی انما انظر فی الصلوة و الصوم فاما القضاء فلا احسنه

"اے امیر المومنین! میں تو صرف نماز روزہ ہی کے امور سے واقفیت رکھتا ہوں، قضاء کی ذمہ داریوں سے باحسن عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔"

اسی طرح جب مہدی نے انہیں یہ منصب تفویض کرنے کے لئے بلایا تو فرمایا: **لا اصلح لذالک** ۔یعنی مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں، لیکن بالآخر جب حکمرانوں نے جبر و زبردستی کی حد تک اصرار کیا تو بادل نخواستہ اس کو قبول کرنے پر تیار ہوئے۔(۱)

عدل پروری:۔ قاضی شریکؒ کی کتاب زندگی کا سب سے درخشاں باب ان کا زمانہ قضاء کا کردار و عمل ہے۔ وہ اس عظیم آزمائش سے بڑی حسن وخوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ اس پوری مدت میں عدل پروری، انصاف پسندی اور غیر جانبداری ان کا خاص شیوہ رہا۔

حافظ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں: **کان مشکورا انی حکمه و تنفیذ الاحکام** (۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں "**کان عادلاً فی قضاءه**" (۳) محمد بن خلف وکیع نے عدالتی فیصلے نافذ کرنے میں قاضی شریکؒ کی زیرکی و ہوشمندی کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ یہاں خود قاضی صاحب کے بیان کردہ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں: جب منصور نے مجھے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو میں وہاں گیا، والی کوفہ محمد بن سلیمان کا کاتب حماد بن موسیٰ کسی قضیہ میں ماخوذ ہو کر میرے سامنے پیش ہوا۔ میں نے دلائل و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر کے جیل بھیج دیا، ایک دن ناگاہ مجھے خبر ملی کہ حاکم نے اسے رہا کر دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ پہلا موقع ہے، اگر اس بارہ میں نے کمزوری کا ثبوت دیا تو پھر حالات پر قابو حاصل کرنا مشکل ہوگا۔

چنانچہ میں فوراً محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا اور نہایت درشت لب و لہجہ میں کہا کہ تمہیں تو

(۱) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۵۰، ۱۸۴، ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳۔ (۲) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱۔ (۳) میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۴۵

میرے فیصلوں کے نفاذ میں مدد و معاون بننا چاہئے تھا نہ کہ مخالف، تم نے قید سے ایک مجرم کو رہا کر کے توہین عدالت کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا اگر تم نے اسے دوبارہ قید میں نہ پہنچایا تو میں امیر المومنین کے سامنے تمہاری حقیقت کی پول کھول کر رکھ دوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر حاکم مذکور نے فوراً اپنے کاتب کو قید خانہ میں واپس کر دیا۔ (۱)

ایک لائق ذکر معمول:۔ پورے زمانہ قضاء میں ان کا یہ مستقل معمول رہا کہ مجلس عدل منعقد کرنے سے قبل دوپہر کا کھانا تناول فرماتے، پھر اپنے موزے میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے بغور دیکھتے، اس کے بعد مقدمات کی پیشی کا حکم دیتے، ان کے بعض احباب کو تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس کاغذ میں کیا لکھا ہے، جسے روزانہ اتنی پابندی سے دیکھنے کا معمول ہے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا تو اس میں تحریر تھا:

یاشریک بن عبدالله اذکر الصراط وحدته ، یاشریک بن عبدالله اذکر الموقف بین یدی الله عزوجل (۲)

''اے شریک بن عبداللہ! پل صراط اور اس کی باریکی کو یاد رکھو، اے شریک! اس دن کو یاد رکھو، جب تم خداوند قدوس کے روبرو کھڑے ہو گے۔''

یہ درحقیقت اللہ جل شانہ کے سامنے ایک حلف نامہ تھا، تاکہ عدالت کی کارروائی کے ہر ہر موڑ پر اس ذات کبریا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین دل کی گہرائی میں جاگزین رہے اور کہیں لغزش وزیادتی نہ ہونے پائے۔

عبادت:۔ نہایت عبادت گزار تھے، محمد بن عیسیٰ عینی شاہد ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی پیشانی پر سجدہ کے واضح نشانات دیکھے۔ (۳)

عقل وفطانت:۔ ان کی فہم و دانش اور ذہانت و فطانت کا ایک ثبوت اوپر مذکور ہوا۔ عمار بن زریق کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مغیرہ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی اثناء میں سامنے سے قاضی شریک، سفیان ثوری، حسن بن صالح اور قیس بن الربیع ساتھ ساتھ آتے نظر آئے، امام مغیرہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا:

مامن هولاء احداً عقل من شریک (۴)

---

(۱) اخبار القضاۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۱۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۵۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔

(۴) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۵۰

''ان سب میں شریک سے زیادہ فرزانہ کوئی نہیں ہے۔''

بدیہہ گوئی: ۔ اسی عقل وذہانت کا ثمرہ تھا کہ وہ حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے۔''کان احضر الناس جوابا'' منصور بن ابی مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی زبان شیوابیان سے خود فرماتے سنا''ترک الجواب فی موضعه اذابة القلب'' یعنی موقع پرجواب سے چوک جانا دل کی ژمردگی کی دلیل ہے۔(۱)

بعض اعتراضات اوران کے جوابات: ۔ ان کے فضل وکمال اورعلم ودانش کا اعتراف کرنے کے ساتھ بعض علماء نے ان پر جرح بھی کی ہے۔ عام طور سے ان پر دواعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ سوء حافظہ میں مبتلا تھے، جس کے نتیجہ میں روایات میں کبھی تخلیط اور تدلیس واقع ہو جایا کرتی تھی، ابراہیم بن سعید کا بیان ہے کہ قاضی شریکؒ نے چارسو حدیثوں میں غلطی کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کی متفرد روایات قابل قبول نہیں ہیں۔(۲)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علیؓ کو دوسرے خلفائے راشدین و انبیائے کرام سے افضل اور خیر البشر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد الرہاوی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قاضی شریکؒ کو خود کہتے سنا کہ:

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر (۳)

''حضرت علیؓ خیر البشر تھے، پس جو ان کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔''

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی اعتراضات یکسر بے بنیاد ہیں، ائمہ سلف کی ایک خاصی تعداد کو اس الزام سے متہم کیا گیا ہے، جس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں اہل بیت کرام سے عقیدت ومحبت کے غلو کو تشیع کی طرف رجحان سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا الزامات میں سے پہلے کا جواب یہ ہے کہ آخر عمر میں قاضی شریکؒ کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے اس زمانہ کی مرویات کا پایہ اتنا بلند نہیں رہا جتنا اس سے قبل کی روایات کا تھا، لیکن یہ ضعف ان کی ساری عمر کی روایت پر اثر انداز نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت کو بہت واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ متقدمین کا سماع بالکل بے داغ ہے، جن متاخرین نے کوفہ کا قاضی ہونے کے بعد ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں وہم واضطراب کا شبہ ہے،

(۱) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۵۔ (۳) ایضاً

اس لئے اس زمانہ میں قاضی شریکؒ کا حافظہ کبر سنی کے باعث درست نہیں رہا تھا، عجلی کا بیان ہے کہ:

من سمع منه قديماً فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ما ولي القضاء ففي سماعه بعض الاختلاط (۱)

''جس نے ان سے قدیم سماع حاصل کیا اس کی روایت درست ہیں اور جس نے ان کے قاضی ہونے کے بعد سماعت کی اس کی مرویات میں کچھ اختلاط ہے۔''

صالح جزرہ کہتے ہیں کہ:

صدوق ولما ولي القضا اضطرب حفظه (۲)

''یوں تو وہ صدوق ہیں، لیکن منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا۔''

اسی طرح ثانی الذکر الزام کی تردید تو ایک سے زائد بار خود قاضی شریک نے کردی تھی، ایک مرتبہ کسی مفسد نے خلیفہ مہدی سے شکایت کردی کہ شریک بن عبداللہ رافضی ہیں، مہدی نے انہیں بلا بھیجا، انہوں نے آکر خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر جواب سے اعراض کیا، قاضی صاحب نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ نہایت خشمگیں لب ولہجہ میں گویا ہوا کہ ''تم ملعون رافضی ہو''۔ قاضی صاحبؒ نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ سے محبت ہی کا نام رفض ہے تو میں خدا اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رافضی ہوں۔ (۳)

علاوہ ازیں خلفائے راشدین پر حضرت علیؓ کی تفضیل کا الزام بھی صرف ایک بہتان ہے۔ قاضی شریکؒ کی زندگی میں ان کے سامنے جب تفضیلیت کا مسئلہ اٹھایا گیا، ہمیشہ یہی فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ سے حضرت علیؓ کو وہی شخص افضل قرار دے سکتا ہے، جس کی عقل ماری گئی ہو، یہ دونوں شیوخ (ابوبکرؓ وعمرؓ) تو نبی اکرم ﷺ کے بعد خیر امت تھے۔ (۴)

قاضی شریکؒ کی حضرت علیؓ کو خیر البشر قرار دینے کی مذکورہ بالا روایت کو لے کر جن لوگوں نے انہیں اتہام کا نشانہ بنایا، ان پر علامہ ذہبیؒ نے شدید ترین نقد کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔ (۲) ایضاً۔ (۳) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۵۶ (تشیع کے الزام میں یہ جواب متعدد علماء سے مذکور ملتا ہے)۔ (۴) ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۶۰

ان شریکاً لایعتقد قطعاً ان علیا خیر من الانبیاء مابقی الا انه اراد خیر البشر فی ایام خلافته (۱)

قاضی شریکؒ حضرت علیؓ کو قطعاً انبیائے کرام سے افضل نہیں سمجھتے تھے، درحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علیؓ اپنے وقت میں خیر البشر تھے، اور بلاشبہ وہ اپنے دور خلافت کے بہترین انسان تھے۔

احترام علم:۔ علم وعلماء کی بے حرمتی وبے توقیری برداشت نہ کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے، ہمدان بن الاصبہانی کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاضی شریک کی خدمت میں حاضر تھا کہ خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا ان کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر قاضی صاحبؒ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کوئی التفات نہ کیا۔ کئی بار کے بعد اس لڑکے نے شاہانہ نخوت سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت کی اولاد کی تذلیل کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں "لکن العلم ازین عند اهله من ان یضیعوا" راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر فوراً وہ لڑکا دوزانو بیٹھ گیا اور پھر سوال کیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا: هکذا یطلب العلم۔ (۲)

بھوک کا فائدہ:۔ قاضی شریکؒ کا یہ گرانقدر مقولہ بہت مشہور ہے کہ بھوک بیماری کو چوس لیتی ہے۔ (۳)

وفات:۔ یکم ذیقعدہ ۱۷۷ ہجری کو بمقام کوفہ علم وفضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہو گیا۔ (۴) حضرت حسن بن حماد کہتے ہیں کہ ۱۷۷ ہجری میں جب قاضی شریکؒ کا انتقال ہوا تو میں کوفہ میں موجود تھا۔ (۵) موسیٰ بن عیسیٰ والی کوفہ نے نماز جنازہ پڑھائی، خلیفہ وقت ہارون الرشید اس وقت حیرہ میں تھا، خبر ملتے ہی بعجلت تمام نماز میں شرکت کے لئے کوفہ آیا، لیکن راستہ ہی سے واپس ہو گیا، کیونکہ اسے تدفین سے فراغت کی اطلاع مل گئی تھی۔ (۶) وفات کے وقت قاضی صاحب ۸۲ سال کے تھے۔ (۷)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۵۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۷۱۔ (۳) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۵۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۶۳۔ (۵) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۸۔ (۶) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۰۳۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۰

حضرت ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ ضحاک نام، ابو عاصم کنیت اور نبیل لقب تھا، نسب نامہ یہ ہے:

ضحاک بن مخلد بن الضحاک بن مسلم بن الضحاک۔

شیبانی اور بصری کی نسبتوں سے شہرت پائی، بعض علماء کا خیال ہے کہ بنو شیبان کے غلام تھے لیکن بعض کی رائے کے مطابق بنو شیبان سے خاندانی نسبت حاصل تھی۔(۱)

مولد:۔ ۱۲۲ ہجری میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے۔(۲) حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کا خیال ہے کہ امام ابو عاصمؒ اصلاً مکی تھے، بعد میں بصرہ منتقل ہو گئے تھے۔(۳)

لقب کی وجہ تسمیہ:۔ ان کے نبیل کے لقب سے مشہور ہونے میں مختلف باتیں بیان کی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک بار بصرہ میں اتفاق سے ہاتھی آ گیا، جو وہاں کے لوگوں کے لئے ایک عجوبہ تھا، اس لئے اس کو دیکھنے کے لئے سب لوگ اپنے کام چھوڑ کر باہر نکل آئے، امام ابو عاصمؒ اس وقت ابن جریجؒ کے حلقہ درس میں تھے، وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ ابن جریج نے ان سے کہا کہ تم ہاتھی دیکھنے نہیں گئے؟ فرمایا: ہاتھی تو کبھی پھر دیکھ سکتا ہوں، لیکن آپ کے اس درس کا بدل کہاں ملے گا۔ اس جواب سے خوش ہو کر ابن جریج نے فرمایا "انت النبیل"۔

اس روایت کی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی قسم کی ایک نہایت مستند روایت یحییٰ مصمودی اور امام مالکؒ کے بارے میں بھی منقول ہے، قیاس ہے کہ غلط فہمی سے اس کا انتساب زیر نظر واقعہ میں ہو گیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابو عاصمؒ کے عمدہ کپڑے زیب تن کرنے کے باعث انہیں نبیل کا لقب ملا، اسی طرح یہ روایت بھی ملتی ہے کہ بڑی اور لمبی ناک ہونے کے باعث نبیل کہا جانے لگا۔(۴)

راقم سطور کے خیال میں مذکورہ بالا وجوہ کے مقابلہ میں علامہ ذہبیؒ کی یہ رائے زیادہ وزن رکھتی ہے کہ امام ابو عاصمؒ اپنی شرافت، نیکی اور صالحیت کے باعث نبیل کے لقب سے ملقب ہوئے۔(۵)

---

(۱) تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۵۰۔ (۲) خلاصہ تذہیب صفحہ ۱۷۷۔ (۳) تہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۵۳۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۴۵۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۴

فضل وکمال: ۔ علم وفضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام حاصل تھا، حدیث وفقہ دونوں پر یکساں عبور رکھتے تھے، وسعت علم اور قوت حافظہ میں ان کا ثانی کم ہی مل سکے گا، اہل تذکرہ شیخ الاسلام اور الحافظ کے القاب سے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں:

کان واسع العلم ولم یرفی یدہ کتاب قط (۱)

''وہ بہت وسیع العلم تھے، ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی۔''

شیوخ وتلامذہ: ۔ جن نامور حفاظ حدیث کے خرمن علم سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں کبار اتباع تابعین کے علاوہ اجلہ تابعین کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ کچھ نمایاں نام یہ ہیں:

حضرت امام مالک بن انس، ہشام بن حسان، سلیمان التیمی، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، ابن جریج، امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز، حیوۃ بن شریح، زکریا بن اسحاق، سفیان ثوری، امام شعبہ، سعید بن ابی عروہ، عبدالحمید بن جعفر، عمر بن سعید، قرہ بن خالدؒ۔

خود امام ابو عاصمؒ سے حدیث کی روایت اور سماعت کرنے والے نامور علماء میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، بندار ابوخیثمہ، یعقوب الدورقی، حارث بن اسامہ، محمد بن حبان وغیرہ شامل ہیں۔ (۲) مزید برآں ان کے شیوخ میں سے جریر ابن حازمؒ اور معاصر علماء میں امام اصمعیؒ نے بھی ان سے بعض روایتیں کی ہیں، جو بجائے خود ابو عاصمؒ کے علم وفضل پر شاہد عدل ہے۔

قوت حافظہ: ۔ انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا دماغ ہزاروں حدیثوں اور مسائل فقیہ کا مخزن بن گیا تھا، درس ہمیشہ زبانی ہی دیا کرتے تھے، علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

لم یحدث قط الا من حفظہ (۳)

''انہوں نے ہمیشہ حافظہ سے حدیثیں روایت کیں۔''

ابوداؤد شہادت دیتے ہیں کہ امام ابو عاصمؒ کو ایک ہزار بہترین حدیثیں زبانی ازبر تھیں۔

---

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۲۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۵۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔
(۴) ایضاً

(۴) ابن خراشؒ کا بیان ہے کہ:

لم یر فی یدہ کتاب قط (۱)

''ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی۔''

تعدیل وتوثیق: ۔ امام ابو عاصمؒ کی عدالت وثقاہت، تثبت واتقان اور صداقت پر تمام علماء و محققین بیک زبان متفق ہیں۔ (۲)

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

کان ابو عاصم ثقة فقیهاً (۳)

''ابو عاصم ثقہ اور فقیہ تھے۔''

عجلیؒ کا بیان ہے:

کان ثقة کثیر الحدیث و کان له فقه (۴)

''وہ ثقہ کثیر الحدیث اور فقیہ تھے۔''

محمد بن عیسٰی الزجاج کہتے ہیں:

قال لی ابو عاصم کل شیی حدثتک حدثونی به لانی مادلست قطّ

''مجھ سے ابو عاصم نے خود کہا کہ میں نے جو کچھ حدیثیں تم سے بیان کی ہیں، وہ فی الواقع اسی طرح میرے شیوخ نے مجھ سے بیان کی ہیں، میں کبھی تدلیس کا مرتکب نہیں ہوا۔''

علاوہ ازیں ابن قانع، ابن معین اور ابن حبان نے بھی بصراحت انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔

اعتراف علماء: ۔ ان کے گوناگوں کمالات کی وجہ سے معاصر علماء ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کے علم وفضل کو سراہتے تھے۔ عمر بن شیبہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے ان کا ثانی اور مثل نہیں دیکھا۔ واللہ مارأیت مثله (۵) حمدان بن علی الورق بیان کرتے ہیں کہ ۲۱۲ ہجری میں ہم لوگ امام احمدؒ کے پاس گئے اور ان سے حدیث روایت کرنے کی درخواست کی، امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

تسمعون منی وابو عاصم فی الحیوة اذهبوا الیه (۶)

---

(۱) تہذیب ج ۴ صفحہ ۴۵۱۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۷۱ و شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۲۸۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۴۵۱۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۷۲۔ (۶) تہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۵۲

تم لوگ مجھ سے سماعت کرتے ہو، حالانکہ ابو عاصمؒ باحیات ہیں، ان کے پاس جاؤ۔

فضائلِ اخلاق: ۔امام ابو عاصمؒ کو علم کے ساتھ عملی دنیا میں بھی ایک امتیازی مقام حاصل تھا، تاحیات کسی کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا، امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

سمعت ابا عاصم یقول ما اغتبت احداً قط منذ عقلت ان الغیبة حرام(۱)

''میں نے ابو عاصم کو کہتے سنا کہ جب سے مجھے علم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔''

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم حدیث حاصل کرتا ہے، وہ گویا دنیا کی بیش بہا دولت جمع کرتا ہے اور وہ روئے زمین کے انسانوں میں سب سے افضل و برتر ہے، اس لئے ہر شخص کو ایسا ہی ''خیر الناس'' بننا چاہئے۔(۲)

وفات: ۔۴ ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو بمقام بصرہ رحلت فرمائی۔(۳) انتقال کے وقت ۹۰ سال چند ماہ زائد عمر تھی۔(۴) سال وفات کے بارے میں اکثر علماء نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، ورنہ ۲۱۱ ہجری ۲۱۳ھ اور ۲۱۴ ہجری کے اقوال بھی ملتے ہیں۔(۵)

---

(۱) العبر ج ۱ صفحہ ۳۶۲۔ (۲) خلاصہ تذہیب صفحہ ۱۷۷۔ (۳) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۹۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۶۔
(۵) تہذیب ج ۴ صفحہ ۴۵۲

عبدالاعلیٰ بن مسہر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔ نام عبدالاعلیٰ، ابومسہر کنیت اور لقب ابن ابی دارمہ تھا۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسلم، اصل نام کی بجائے کنیت ہی کو زیادہ شہرت حاصل تھی۔ اسی لئے ابن سعد اور بعض دوسرے اہل طبقات ان کا تذکرہ ان ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں، جو اپنی کنیتوں سے معروف آفاق ہوئے، مشہور قبیلہ ازد کی ایک بڑی شاخ غسان سے تعلق رکھنے کے باعث غسانی کہلائے۔ (۲)

ولادت اور وطن: ۔ باتفاق روایت ان کی ولادت ۱۴۰ ہجری میں بمقام دمشق ہوئی۔ (۳)

فضل وکمال: ۔ امام ابومسہرؒ اپنے زمانہ کے منتخب علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون کی جامعیت اور مہارت میں ان کی نظیر اتباع تابعین میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ حدیث وفقہ، علم رجال وانساب اور فن مغازی میں اس وقت شام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ تثبت واتقان، فصاحت وبلاغت اور عدالت میں بھی نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ ابوحاتمؒ فرماتے ہیں:

مارأیت ممن کتبنا عنه افصح من ابی مسهر (۴)

''میں نے اپنے شیوخ میں ابومسہر سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔''

علامہ ابن اثیرؒ رقمطراز ہیں:

کان اعلم الناس بالمغازی و ایام الناس (۵)

''وہ مغازی اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔''

ابن حماد حنبلی ان کو عالم اہل الشام کا خطاب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان علامة بالمغازی والاثر کثیر العلم رفیع الذکر (۶)

وہ فن مغازی اور حدیث کے زبردست عالم اور جلیل المرتبت انسان تھے۔

حافظ ذہبی ''شیخ اهل الشام وعالمهم'' کے الفاظ سے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ (۷)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۱۰۰۔ (۴) خلاصۃ تہذیب صفحہ ۲۲۱۔ (۵) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۷۔ (۶) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴۴۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۹

شیوخ وتلامذہ:۔ انہوں نے جن نامور ائمہ سے حدیث کی روایت اور دوسرے علوم کی تحصیل کی ان میں سے کچھ یہ ہیں:

حضرت امام مالک بن انس، اسماعیل بن عیاش، سفیان بن عیینہ، سعید بن عبدالعزیز، صدقہ بن خالد، یحییٰ بن حمزہ الحضرمی، محمد بن حرب، ہقل بن زیاد، خالد بن یزید، محمد بن مسلم الطائفی ۔ان کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے، چند ممتاز نام حسب ذیل ہیں:

امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن صالح، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوحاتم ابوزرعہ، محمد بن اسحاق الصنعانی محمد بن الولید الدمشقی، محمد بن الحسین السمنانی، عمرو بن منصور النسائی، عباس بن الولید الخلال، مروان بن محمد الطاطری، سلیمان بن عبدالرحمن، دمشقی، احمد بن ابی الحواریؒ۔(۱)

مرویات کا پایہ:۔ حفاظ حدیث کی طویل فہرست میں ایسے خوش نصیب خال خال ہی ملتے ہیں جو ماہرین جرح وتعدیل کی گرفت سے محفوظ رہے ہوں۔ امام ابومسہر کا شمار ایسے ہی خوش قسمتوں میں ہے، ان کی ثقاہت وعدالت، حفظ وضبط اور تثبت واتقان پر اتفاق ہے، امام احمد جنہیں ابومسہرؒ سے سعادت تلمذ بھی حاصل ہے، فرماتے ہیں:

رحم الله ابامسهر ماكان اثبته (۲)

''خدا ابومسہر پر رحم فرمائے، وہ بڑے ثبت تھے۔''

ابوداؤد کا بیان ہے:

كان ابا مسهر من ثقات الناس

''ابومسہر ثقہ لوگوں میں تھے۔''

ابن حبانؒ شہادت دیتے ہیں:

كان امام اهل الشام فى الحفظ والاتقان

''امام ابومسہر حفظ واتقان میں اہل شام کے امام تھے۔''

جلیل المرتبت تبع تابعی یحییٰ بن معینؒ کا قول ہے:

كان من الحفاظ المتقنين واهل الورع فى الدين (۳)

''وہ حافظ متقنین اور اہل زہد وورع لوگوں میں تھے۔''

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۸، ۹۹۔ (۲) خلاصہ تذہیب صفحہ ۲۲۱۔ (۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹۔۱۰۱

خلیلیؒ کہتے ہیں:

ثقة حافظ امام متفق علیه

''وہ متفقہ طور پر حافظ اور ثقہ امام تھے۔''

علاوہ ازیں ابو حاتم، عجلی، ابو زرعہ، مروان بن محمد، ابن حبان، ابن وضاح اور حاکم جیسے بحر حدیث کے شناوران کی ثقاہت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

اعترافِ علماء:۔ امام ابو مسہرؒ کے تبحر و جلالت علم کا اعتراف اہل علم و دانش معاصرین کی ایک بڑی جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معینؒ کا ارشاد ہے:

منذ خرجت من بغداد الی ان رجعت لم ارمثل ابی مسهر (۱)

''میں نے بغداد اور اس کے باہر کسی کو ابو مسہر کا ثانی نہیں دیکھا۔''

ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

ما رایت احدافی کورة من الکور اعظم قدراً و لا اجل عند اهل العلم من ابی مسهر بدمشق اذا خرج اصطف الناس یقبلون یده (۲)

''میں نے اطراف ملک میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو دمشق کے اہل علم کے نزدیک ابو مسہر سے زیادہ جلالت مرتبت اور بلندی شان رکھتا ہو، وہ جب نکلتے تو لوگ ان کی دست بوسی کے لئے دورویہ قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔''

امام احمدؒ معترف ہیں:

کان عندکم ثلاثة اصحاب حدیث مروان و الولید و ابو مسهر

''تمہارے پاس تین محدث ہیں، مروان، ولید اور ابو مسہر۔''

محمد بن عثمان التنوخیؒ کا بیان ہے:

ما بالشام مثل ابی مسهر کان من احفظ الناس

''شام میں ابو مسہر کی نظیر نہ تھی، وہ لوگوں میں سب سے بڑے حافظ تھے۔''

ابن حبان حفظ و اتقان میں انہیں امام اہل الشام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

کان ممن عنی بالنساب اهل بلده وابنائهم و الیه کان یرجع اهل الشام فی الجرح والعدالة شیوخهم (۳)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹۔۱۰۱۔ (۲) شذرات ج ۲ صفحہ ۱۳۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹۔۱۰۰

''وہ اہل شام کے انساب کے سب سے بڑے واقف کار تھے اور شام کے علماء جرح و تعدیل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔''

فتنہ خلق قرآن:۔ اگر چہ حاکم بغداد مامون الرشید کے درباری اور اہل منصب معتزلہ نے اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر عقیدہ خلق قرآن کا اعلان خلیفہ سے ۲۱۲ ہجری ہی میں کرا دیا تھا، لیکن اس فتنہ کو عروج ۲۱۸ ہجری میں حاصل ہوا، جب اپنی عمر کے آخری سال میں مامون نے یہ طے کرلیا کہ حکومت کے جبر و قہر سے کام لے کر لوگوں سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار کرایا جائے۔ چنانچہ اس نے سنہ مذکورہ میں پہلی بار رقہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک فرمان بھیجا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں محدثین اور فقہاء پر سختی کرنے میں تامل نہ کرو اور ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا فوراً اقرار لو۔

چنانچہ اس فرمان کے مطابق اسحاق نے تمام محدثین و قضاۃ کو اپنے دربار میں بلایا، اس جماعت میں حضرت ابوحسان زیادی، بشر بن ولید، علی بن مقاتل، فضل بن غانم، امام احمد بن حنبل، سجادہ، قواریری، محمد بن نوح، ابن علیہ، علی بن عاصمؒ کے علاوہ بہت سے دوسرے جلیل القدر علماء شامل تھے، نائب حاکم بغداد نے ان سب کا امتحان لیا، پہلی بار سب نے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا اقرار کیا، لیکن جب اسحاق نے زجر و توبیخ کی اور مامون کی طرف سے سخت ترین سزا دینے کی دھمکی دی تو تقریباً سب نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے اس باطل عقیدہ کا اقرار کرلیا۔(۱)

ابومسہرؒ کی آزمائش:۔ لیکن اللہ نے جن لوگوں کو ثبات قلب کی نعمت عطا کی تھی وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہے، ان میں امام احمد بن حنبلؒ نے جو رتبہ عالیہ حاصل کیا اس کی نظیر سے پوری اسلامی تاریخ خالی ہے:

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

اسی طرح امام ابومسہرؒ کا نام بھی دعوت و عزیمت کی تاریخ میں روشن رہے گا۔

علامہ ابن سعدؒ نے ان کے ابتلاء کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

''جب بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم نے عقیدہ خلق قرآن کے منکر علماء کو پابجولاں مامون الرشید کے پاس رقہ بھیجا (جہاں اس وقت وہ مقیم تھا) تو امام ابومسہرؒ کو بھی اسی

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۷۵۔

طرح روانہ کیا، خلیفہ نے ان سے اس بحث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: **ھو کلام اللہ غیر مخلوق** ۔ مامون نے یہ استقامت دیکھ کر تلوار اور چرمی کوڑا طلب کیا تا کہ امام صاحب کی تعذیب کے بعد ان کا سر قلم کردے ۔ اس حالت میں اقرار کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کیا کہ میں قتل کے خوف سے اس عقیدہ کا اظہار کر رہا ہوں ۔ اس کے بعد خلیفہ نے ان کو عمر قید کی سزا کا حکم دیا اور ربیع الآخر ۲۱۸ ہجری میں انہیں رقہ سے بغداد لا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان بھی اہم ہے، انہوں نے ابوداؤد کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابومسہرؒ نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار آخر تک نہیں کیا اور ان کی استقامت کو دیکھ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ (۱)

وفات: ۔ عمر قید کی سزا کو دو ہی ماہ گزرے تھے کہ یکم رجب ۲۱۸ ہجری کو ۷۹ سال کی عمر میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ جب ان کے جسد خاکی کی تدفین کے لئے زندان سے نکالا گیا تو جنازہ میں شرکت کے لئے بغداد کی ایک خلقت ٹوٹ پڑی ۔ ہر طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی ۔ (۲)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۱۰۰ ۔ (۲) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۷۳ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ عبدالرحمٰن نام، ابو عبداللہ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰن بن القاسم بن خالد بن جنادہ(۱)، زبید بن الحارث العتقی کے غلام تھے، اس لئے عتقی کی نسبت سے مشہور ہیں۔(۲)

ولادت اور وطن:۔ مصر کے رہنے والے تھے، ان کے سال پیدائش کے سلسلہ میں علماء کا بہت اختلاف ہے۔ ۱۲۸ ہجری، ۱۳۱ ہجری اور ۱۳۲ ہجری تینوں منقول ہیں، لیکن امام ابن القاسم کے تلمیذ رشید سحنون کے بیان کو اس بارے میں معتبر قرار دیا جائے گا، کیونکہ وہ "صاحب البیت ادری بما فیہ" کے پورے مصداق تھے، اس کے مطابق ۱۲۸ ہجری میں شیخ کی ولادت ہوئی۔(۳)

طلب علم:۔ انہیں طلب علم کا بے انتہا شوق تھا، جس کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس راہ میں جسمانی صعوبتوں کو انگیز کرنے کے علاوہ خطیر مال و دولت کو بھی قربان کیا، چنانچہ ابن عماد لکھتے ہیں:

انفق مالاً کثیراً فی طلب العلم (۴)

''انہوں نے تحصیل علم میں بکثرت مال خرچ کیا۔''

امام مالکؒ کے منبع علم سے خصوصی استفادہ کیا، خود بیان کرتے ہیں کہ ایک شب عالم رویا میں مجھے خبر دی گئی کہ تمہیں علم سے اس قدر شغف وانہماک ہے تو ''عالم آفاق'' کی صحبت اختیار کرو۔ میں نے پوچھا، وہ عالم کون ہے؟ بتلایا گیا ''امام مالک رحمۃ اللہ۔'' چنانچہ اس غیبی اشارہ کے بعد وہ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کامل بیس سال تک اپنے سینہ کو مالکی علوم کا گنجینہ بنانے میں مصروف رہے، امام صاحبؒ سے انہوں نے ۲۰ کتابوں کا سماع حاصل کیا تھا۔(۵)

تبحر و جامعیت:۔ فضل وکمال کے اعتبار سے وہ یگانہ روزگار فقیہ اور حافظ حدیث تھے۔ تبع تابعین کی جماعت میں ایسی جامع الکمالات شخصیتیں بہت کم ملتی ہیں۔ خصوصاً فقہ مالکی کی مہارت میں تو ان کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ میدان علم کے شہسوار ہونے کے ساتھ زہد واتقا اور شجاعت و

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۲۔ (۲) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۹۳۔ (۳) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۲۹۔ (۵) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۹۴

سماحت میں بھی ممتاز تھے۔ روم، بربر اور زنج کے جہاد میں عمر کا چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔ (۱) ابن حبانؒ کا بیان ہے:

کان حبراً فاضلا تفقه علی مذهب مالک و فرع علی اصوله (۲)

"علم و فضل میں بلند پایہ تھے، فقہ مالکی کے متبع اور اس کے اصول سے فروع کا استنباط کرنے والے تھے۔"

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں "الامام فقیه الدیار المصریه" (۳)

شیوخ و تلامذہ:۔ امام مالکؒ سے خصوصی تلمذ کے علاوہ جن ممتاز علماء کے فیض صحبت سے وہ مستفید ہوئے، ان میں کچھ نام یہ ہیں۔

عبدالرحمٰن بن شریح بکر بن مضر، نافع بن ابی نعیم، یزید بن عبدالملک اور سفیان بن عیینہ۔ اسی طرح خود ان کے تلامذہ میں سعید بن عیسیٰ، محمد بن مسلمہ، حارث بن مسکین، سحنون بن سعید، عبدالرحمٰن بن ابی الغمر، محمد بن عبداللہ اور عیسیٰ بن حماد کے اسماء لائق ذکر ہیں۔ (۴)

فقہ:۔ فقہ میں غیر معمولی مہارت ان کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے۔ امام مالکؒ کی طویل ترین ہم نشینی نے انہیں فقہ مالک کا متبع بنا دیا تھا، مالکی مذہب کی پہلی تدوین ان ہی سے شروع ہوتی ہے۔ امام مالکؒ کے فتاویٰ و مسائل کی تقریباً تین سو جلدیں ان کے پاس تھیں۔ (۵)

ایک بار امام مالکؒ سے ابن وہب اور ابن القاسم کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ابن وہب عالم ہیں اور ابن قاسم فقیہ۔ (۶) ابن حبانؒ رقمطراز ہیں:

کان حبراً فاضلا ممن تفقه علی مالک و فرع علی اصوله و ذب عنها و نصر من انتحلها (۷)

وہ بڑے عالم و فاضل تھے اور ان علماء میں سے تھے جو فقہ مالکی کے پیرو تھے اور جنہوں نے اس مذہب کے فروع متعین کئے اور ان کی طرف سے ہمیشہ دفاع اور ان کے متبعین کی حمایت کرتے رہے۔

ان کے ہم پایہ معاصر عبداللہ بن وہبؒ کا قول ہے "اگر فقہ مالکی میں مہارت پیدا کرنا چاہو تو

(۱) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۲۹۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۳۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۵۳۔ (۶) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۵۲

ابوالقاسم کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ وہ اس میں منفرد و یکتا ہیں۔ (۱)

موطا کی روایت:۔ موطا امام مالکؒ کے رواۃ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مختلف زمانوں میں علماء نے امام صاحبؒ سے اس کی تحصیل کی ہے۔ اس اختلاف زمانی کے نتیجہ میں موطا تیں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ جن میں صرف ۱۶ روایتیں مشہور و معتبر ہیں۔ انہی خوش بختوں میں ابن القاسم بھی ہیں۔ نسائی کا بیان ہے۔

لم یرو احد الموطا عن مالک اثبت من ابن القاسم ولیس احد من اصحاب مالک عندی مثله (۲)

''عبدالرحمٰن بن القاسم سے زیادہ ثبت کسی شخص نے امام مالکؒ سے موطا کی روایت نہیں کی اور نہ اصحاب مالکؒ میں ابن القاسم کے پایہ کا کوئی تھا۔''

خلیلی'' کہتے ہیں کہ:

هو اول من حمل الموطا الی مصر (۳)

''وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے موطا مصر میں پہنچائی۔''

مدونہ کی تالیف:۔ فقہ مالکی کی مشہور ترین ضخیم کتاب ''المدونۃ الکبریٰ'' انہی کی تالیف ہے، جو ان کے لائق شاگرد سحنون کے واسطہ سے مروی ہے، اس کتاب کے متعلق زرکلی'' کا بیان ہے:

هو من اجل الكتب المالكية (۴)

''یہ مذہب مالکی کی عظیم ترین کتابوں میں ہے۔''

بعض علماء کا خیال ہے کہ خود ابن القاسم نے امام مالکؒ کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آ کر اپنے شیخ کے مجتہدات و فقہیات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا۔ یحییٰ مصمودی مدونہ کا سماع حاصل کرنے ابن القاسم کی خدمت میں مصر سے حاضر ہوئے تھے، لیکن اس وقت وہ بستر علالت پر تھے، یہ کتاب مصر کے مطبع بولاق سے طبع ہو کر ہر جگہ دستیاب ہے۔

ثقاہت:۔ علماء ان کی ثقاہت پر متفق ہیں نسائی: ''ثقة مامون'' ابوزرعہ مصری: ''ثقة رجل صالح'' اور حاکم: ''ثقة مامون'' کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خطیب ابن حبان اور یحییٰ بن معین نے بھی ان کی توثیق کردی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔ (۵)

---

(۱) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۲) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۴۔

(۴) الاعلام ج ۲ صفحہ ۵۰۴۔ (۵) الدیباج المذہب صفحہ ۱۴۶

زہد وورع: ۔ ان کمالات کے ساتھ وہ نہایت بلند مرتبہ زاہد و متقی بھی تھے۔

حرث بن مسکین بیان کرتے ہیں کہ اس صفت میں وہ عجیب و غریب حیثیت رکھتے تھے۔ فرط تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ سلاطین وقت کے نذر و تحائف کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔

اقوال زریں: ۔ ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اکثر دعا فرمایا کرتے: ''خداوندا! تو دنیا کو مجھ سے اور مجھے دنیا سے دور رکھ۔'' فرمایا ''حکمرانوں سے تقرب اختیار کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔'' فرمایا ''زیادہ دوست بنانے سے بچو، کیونکہ یہ آزاد لوگوں کو غلام بنانے کے مانند ہے۔''(۱)

وفات: ۔ ۷ صفر شب جمعہ کو بمقام مصر انتقال فرمایا۔ باب القرافۃ الصغری کے باہر ان کا مزار ہے۔ (۲) وفات کے وقت حسب اختلاف روایت ۵۸، ۶۰ اور ۶۳ سال کی عمر تھی۔

(۱) الدیباج المذہب صفحہ ۱۳۷۔ (۲) ابن خلکان ج ا صفحہ ۴۹۴۔

حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جن علماء نے درس وافادہ کی مجلسیں گرم کرنے کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان میں عبدالرزاق ابن ہمام کا اسم گرامی بہت ممتاز ہے، حدیث میں ان کی شہرۂ آفاق ''مصنف'' نہایت بلند واعلیٰ مقام کی حامل ہے، قدامت واہلیت کے لحاظ سے ان کا پایہ ''مصنف'' ابن ابی شیبہ سے بھی اونچا ہے۔

نام ونسب:۔ عبدالرزاق نام اور ابوبکر کنیت ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبدالرزاق ابن ہمام بن نافع، ان کے والد ہمام کا شمار ثقات تابعین میں ہوتا ہے۔(۱)

ولادت اور وطن:۔ ۱۲۶ ہجری میں یمن کے دارالحکومت اور مشہور ترین شہر صنعاء میں ان کی ولادت ہوئی۔(۲) اس مردم خیز سرزمین کو لاتعداد شیوخ وآئمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔(۳)

طلبِ علم:۔ انہوں نے بدو شعور ہی سے اپنے والد اور دوسرے مقامی علماء سے تحصیل علم شروع کردی تھی، اور بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں دسترس ومہارت پیدا کرلی تھی، مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ علم میں کامل سات سال گذارے تھے، اس خصوصی صحبت اور زرین موقع سے وہ پورے طور پر بہرہ یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کے عہد میں مرویات ابن راشد کا ان سے بڑا عالم وحافظ کوئی نہ تھا، یمن سے باہر ان کی رحلتِ علمی کا بصراحت ثبوت فراہم نہیں ہوتا، لیکن وہ اکثر بغرض تجارت شام وغیرہ ممالک کا سفر کیا کرتے تھے۔ یقیناً ان کا شغف علم انہیں وہاں کے مشاہیر شیوخ کی خدمت میں لے جاتا ہوگا، حافظ ذہبیؒ رقمطراز ہیں۔

رحل فی تجارته الی الشام ولقی الکبار (۴)

''وہ تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے اور وہاں کے کبار علماء سے شرف نیاز حاصل کرتے تھے۔''

---

(۱) تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) مرآۃ الجنان جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب جلد ۲ صفحہ ۶۱، ملک شام میں بھی دمشق کے قریب صنعاء نام کا ایک گاؤں ہے، اس کی طرف بھی علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے۔ جیسے ابوالاشعث، شراحیل بن کلیب الصنعانی اور حنش بن عبداللہ الصنعانی وغیرہ۔ لیکن اکثر وبیشتر صنعانی کی نسبت صنعاء یمن ہی کی طرف ہوتی ہے۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۳۴

شیوخ: ۔ ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں والد بزرگوار ہمام اور عم محترم وہب کے علاوہ معمر بن راشد، عبید اللہ بن عمر، ایمن بن نابل، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، زکریا بن اسحاق، اسمٰعیل بن عیاش، ثور بن یزید، ہشیم بن بشیر، ابو معشر نجیح، عبدالعزیز بن زیادؒ کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۱)

خصوصی فیض معمر بن راشد سے حاصل کیا تھا، خود بیان کرتے ہیں کہ:

جالست معمرا سبع سنین (۲)

''میں نے سات سال تک معمر کی ہم نشینی کی ہے۔''

تلامذہ: ۔ ان کے فضل وکرم کا شہرہ سن کر اقصائے عالم سے تشنگانِ علم کا ہجوم ایک سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا، آئمہ اسلام کی ایک بڑی جمعیت ان کے دامانِ فیض سے وابستہ رہی، لائق ذکر مشاہیر میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، محمود بن غیلان، ابوخثیمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبدالرحمٰن بن بشر الحکم، عبد بن حمید محمد بن رافع، محمد بن غیلان، محمد بن یحییٰ الذھلی کے نام خصوصیت کے نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ معاصرین میں امام وکیع، ابواسامہ حماد بن سلمہ اور شیوخ میں سفیان بن عیینہ ومعتمر بن سلیمان نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (۳)

فضل وکمال: ۔ ابن ہمام چمنستان علم وفن کے گل تازہ تھے، تبحر علمی، مہارت فنی اور قوتِ حافظہ میں ان کا مقام نہایت بلند تھا، خیر الدین زرکلی انہیں **"من حفاظ الحدیث الثقات"** علامہ یافعی **"الحافظ العلامہ"** اور حافظ ذہبی **"احد الاعلام الثقات"** لکھتے ہیں۔ مزید برآں علامہ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں کہ اگر ابن ہمام کے سوانح وکمالات کا استقصاء کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ (۴) ہشام بن یوسفؒ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق ہم سب میں بڑے حافظ وعالم تھے۔ (۵)

قوت حافظہ: ۔ ان کے حفظ وضبط کی قوت نہایت حیرت انگیز تھی، ابراہیم بن عباد الدیری کا بیان ہے کہ ستر ہزار حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں۔ (۶)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۱۱ وابن خلکان جلد ا صفحہ ۵۲۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۳۲۳ (۳) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۵۳ وتہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۳۳۳۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۱۲۔
(۶) الاعلام ج ۲ صفحہ ۵۱۹

مرجعیت:۔ اسی فضل و کمال کے نتیجہ میں دنیا کے دور دراز گوشوں سے طالبان علم اس شمع دین و دانش کی طرف پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور صنعاء کا شہر قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے نغموں سے معمور ہو گیا۔

ان کے شیخ معمر نے اپنے لائق شاگرد کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔(۱) چنانچہ وقت نے ثابت کیا کہ یہ پیش بینی حرف بحرف حقیقت بن کر رہی۔

مؤرخین بالاتفاق اعتراف کرتے ہیں کہ عہد رسالت ﷺ کے بعد کوئی شخصیت اتنی زبردست مرجوعہ خلائق اور پرکشش ثابت نہ ہوسکی، ممکن ہے اس رائے میں کسی حد تک مبالغہ ہو، لیکن یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ ائمہ و علماء جوق در جوق آ کر علم کے اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، علامہ یافعی انہیں "المرتحل الیه من الآفاق" لکھتے ہیں۔ مؤرخ ابن اثیر رقمطراز ہیں:

مارحل الناس الیٰ احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما رحلوا الیہ۔ (۲)

رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے، جتنے امام ابن ہمام کے پاس آئے۔

ثقاہت و عدالت:۔ ماہرین فن ان کی صداقت و عدالت پر متفق ہیں۔ علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ابن ہمامؒ کی ثقاہت پر علماء یک زبان ہیں، ان کے عدل و صدوق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ صحاح نے ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔(۳) امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ معمر سے ابن ہمامؒ کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علماء سے زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے۔ انہی کا بیان ہے کہ ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق "اثبت" ہیں۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، یعقوب بن شیبہ، ابوداؤد الفریابی اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ ذہلی اور بزار بیان کرتے ہیں:

کان عبدالرزاق ایقظهم فی الحدیث و کان یحفظ۔ (۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۱۲۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۶۱۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۴۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۱۴

حضرت عبدالرزاق بن ہمام تمام محدثین میں سے سب سے زیادہ حاضر دماغ و بیدار مغز محدث اور بڑے حافظ تھے۔

بعض شکوک وشبہات کا ازالہ: ۔اس تمام تحسین وستائش کے باوصف بعض علماء نے ان کو نقد وجرح کا نشانہ بھی بنایا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرح کی بنیاد تمام تر شک وشبہ اور سوء تفاہم پر قائم ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ رفض وتشیع کی طرف مائل تھے، ابن عماد حنبلی، حافظ ذہبی اور علامہ ابن حجرؒ نے اس طرح کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔لیکن تحقیق کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس نقد کی حقیقت پر کاہ سے زیادہ نہیں۔

امام احمدؒ سے ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا:

هل كان عبدالرزاق يتشيع ويفرط في التشيع ؟

''کیا عبدالرزاق غالی شیعہ تھے؟''

امام موصوفؒ نے جو ابن ہمامؒ کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے، فرمایا:

لم اسمع في هذا شيئًا (۱)

''میں نے تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں سنا۔''

اغلب ہے کہ رفض وشیعیت کا شبہ لوگوں کو اس لئے ہوا کہ ابن ہمام اہل بیت کو بہت محبوب اور حضرت علیؓ کے قاتل کو مبغوض رکھتے تھے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) پر حضرت علیؓ کی تفضیل کے قائل تھے، لیکن لوگوں کو سوء تفاہم ہوا۔ حالانکہ خود ابن ہمامؒ نے نہایت دوٹوک الفاظ میں اس شبہ کا پردہ چاک کردیا تھا کہ:

والله ما انشرح صدري قط ان افضل عليا على ابي بكر وعمر رحم الله على ابي بكر و عمر من لم يحبهم فما هو مؤمن و اوثق اعمالي حبي اياهم(۲)

بخدا اس بات پر مجھے کبھی شرح صدر نہ ہوا کہ میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر علیؓ کو فضیلت دوں۔ اللہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم پر رحمت نازل فرمائے۔جو شخص ان سے محبت نہ کرے وہ مومن کامل نہیں اور ان بزرگوں سے میری محبت حاصل اعمال ہے۔

ایک بار کسی نے شیخ ابن ہمامؒ سے دریافت کیا کہ ''آپ کے نزدیک کیا حضرت علیؓ نزاع

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۱۲۷۔ (۲) تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۲

جنگوں میں جادۂ حق پر قائم تھے؟ فرمایا، بخدا نہیں! بلکہ خود جناب امیر کا بھی خیال تھا کہ وہ ایک آزمائش میں مبتلا ہیں اور میرا بھی یہی خیال ہے۔ (۱) حب آل رسول ﷺ کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی جب تشیع کا الزام عائد کیا گیا تو امام صاحبؒ نے برملا جواب دیا کہ اگر آل محمد کی محبت ہی کا نام شیعیت ہے تو میں جن وانس کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً شیعہ ہوں۔

دوسرا شبہ ابن ہمامؒ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ سوءِ حفظ اور فتورِ عقل میں مبتلا تھے، اور ضعیف و منکر روایتیں بیان کیا کرتے تھے، یہ صحیح ہے کہ آخر عمر میں وہ ضعف بصر وغیرہ ایسے عوارض کا شکار ہو گئے تھے، جو جرح وتعدیل کے معیار میں خلل انداز ہوتے ہیں، لیکن ان سے ان کی پوری زندگی کی مرویات کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں ہے، ان کے عنفوان شباب کی حدیثوں پر کسی نے بھی نقد وجرح کی جرأت نہیں کی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اس حقیقت کو بصراحت بیان کیا ہے کہ ۲۰۰ ہجری تک ان کی بصارت بالکل درست تھی، اس کے بعد کے گیارہ سال کی روایات ضعیف ہیں۔ جن علماء نے اس سے قبل ان سے سماعت حدیث کی ہے وہ معتبر ومستند ہے۔

اتینا عبدالرزاق قبل الماتین وھو صحیح البصر ومن سمع منہ بعد ماذھب بصرہ فھو ضعیف السماع (۲)

''۲۰۰ ہجری سے قبل ہمارے پاس عبدالرزاق آئے، تو ان کی بصارت قائم تھی، پس جس نے ان کی بینائی زائل ہونے کے بعد ان سے حدیثیں سنی ہیں اس کا سماع ضعیف ہے۔''

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ اور ائمہ حدیث نے ابن ہمامؒ کی روایات کو حجت قرار دیا ہے۔

ان کے بعض اور بھی اعتراضات ابن ہمامؒ پر وارد کیے گئے ہیں، لیکن علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبی نے انہیں لچر، مہمل اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

وفات:۔ ۱۵ شوال ۲۱۱ ہجری کو یمن میں وفات پائی، (۳) اس وقت ۸۵ سال کی عمر تھی۔ (۴)

تصنیف:۔ انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑیں، لیکن اکثر معدوم ہیں۔

خیر الدین زرکلی اور ابن ندیمؒ نے ان کی جن کتابوں کے نام دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۲۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۸۔
(۴) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۴۳ و مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۵۲

(۱) جامع یا سنن عبدالرزاق
(۲) تفسیر میں ایک کتاب
(۳) کتاب السنن فی الفقہ
(۴) مصنف عبدالرزاق

ان میں مؤخر الذکر کتاب ابن ہمامؒ کی مشہور ترین تصنیف ہے، ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی مصنف گو مجموعی حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور وقیع ہے، لیکن قدامت کے اعتبار سے وہ بھی اس سے کم پایہ ہے۔ یہ کتاب فقہی ابواب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ اس کی لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں، بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، یہ عجیب بات ہے کہ عبدالرزاق بن ہمامؒ نے اپنی مصنف کو شمائل پر ختم کیا ہے اور شمائل کو آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے۔

حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال كان شعر النبى الىٰ انصاف اذنيه (۱)

''مجھ سے معمر نے عن ثابت عن انس بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک تھے۔''

یہ مصنف تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے، مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

(۱) بستان المحدثین صفحہ ۴۸

حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ عبدالعزیز نام اور ابوعبداللہ یا ابوالاصبغ کنیت تھی۔ دادا تک سلسلہ نسب یہ ہے، عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ المیمون (۱)

ان کے دادا قبیلہ آل ہدیر کے غلام تھے، جن کی کنیت ابوسلمہ تھی۔ غالباً یہ نسلاً ایرانی تھے، میمون کے زمانہ ہی سے یہ خانوادہ مدینہ منورہ میں آباد ہوگیا تھا اور عبدالعزیز بن عبداللہ کی پیدائش جوار نبوی ہی میں ہوئی۔ اسی بناء پر عام اہل تذکرہ انہیں **من اھل المدینہ** لکھتے ہیں۔ ان کے دادا ابوسلمہ قابل ذکر لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ احمد بن زہیرؒ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ شیخ عبدالعزیز کے دادا کا نام میمون تھا؟ فرمایا: ہاں میمون تھا! ان ہی کی اولاد میں تو متعدد علماء اور محدث پیدا ہوئے ہیں۔

ماجشون کی وجہ تسمیہ:۔ شیخ عبدالعزیزؒ کے نام کا ایک جز ماجشون بھی ہے۔ مشہور مؤرخ خطیب بغدادی اس کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

انما سمی الماجشون لان وجنتیہ کانتا حمراوین (۲)

''ماجشون کہلائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے رخسارے شراب کی طرح سرخ تھے۔''

یعنی وہ بہت ہی حسین وجمیل تھے۔ چنانچہ اہل فارس انہیں مے گوں کہنے لگے اور پھر اسی کو معرب کر کے اہل مدینہ نے ماجشون کر دیا، یہ خطیب کی تحقیق ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ماہ گون (چاند سا) کا معرب ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ گل گوں کا معرب ہے۔ (۳)

بہرحال تمام روایات کا قدر مشترک یہی ہے کہ عبدالعزیز حسن وجمال کی دولت سے انتہائی مالا مال تھے۔ حتی کہ ان کا ظاہری حسن ان کے نام کا لازمی جزو بن گیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔ بعض تذکرہ نویسوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ماجشون، زیر تذکرہ شیخ عبدالعزیزؒ کا لقب ہے، چنانچہ خطیب نے یہی لکھا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شیخ کا نہیں بلکہ ان

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج۱ صفحہ ۲۴۴۔ (۲) تاریخ بغداد ج۱۰ صفحہ ۴۳۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج۶ صفحہ ۳۴۴

کے چچا یعقوب بن ابی سلمہ کا لقب تھا۔ اس کی وجہ خواہ وہ ے گوں کا معرب ہو یا ماہ گوں کا، مگر ان کے چچا کے وقت ہی سے ان کا خاندانی لقب ہو گیا تھا۔

مؤرخ ابن خلکان تو یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لقب ان کے چچا کو حضرت حسینؓ کی صاحبزادی حضرت سکینہ نے عطا کیا تھا۔ چنانچہ ابن خلکان کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولقبته سكينة بنت الحسين بن علي بن ابي طالب رضي الله عنهم وجرىٰ هذا اللقب علىٰ اهل بيته من بنيه وبني اخيه (۱)

"اور ان کو یہ لقب سکینہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب نے عطا کیا اور یہ لقب ان کے خاندان میں ان کے لڑکوں اور بھتیجوں میں جاری رہا۔"

ابن قتیبہ دینوری یعقوب بن ابی سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

هو الماجشون بن ابی سلمه واسمه يعقوب ينسب الىٰ ذالک ولده وبنو عمه فقيل لهم بنو الماجشون (۲)

"ماجشون بن ابی سلمہ کا نام یعقوب تھا، اسی نسب سے ان کے اور ان کے چچازاد بھائیوں کے لڑکے منسوب کر کے ماجشون پکارے جاتے ہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایں خانہ تمام آفتاب است: ۔ شیخ عبدالعزیزؒ کا پورا خانوادہ علم و فضل اور صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھا۔ ان کے چچا کا ذکر اوپر مذکور ہوا، خود ان کے دو صاحبزادے اہل علم ہوئے ہیں، شیخ عبدالعزیزؒ کے صاحبزادے عبدالملکؒ تو اپنے وقت کے مسلم ادیب اور ممتاز صاحب علم و فضل سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجر شیخ یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے ماجشون کی نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

هو الماجشون سمي بذالک هو وولده وكان فيهم رجال لهم فقه ورواية للحديث والعلم (۳)

یعقوب ہی کو ماجشون کہا جاتا ہے۔ یہ اور ان کی اولاد بھی اس نسبت سے پکارے جاتے ہیں اور ان کے خانوادہ میں بہت سے محدث، فقیہ اور عالم گذرے ہیں۔

ولادت اور تعلیم: ۔ شیخ عبدالعزیزؒ کے سنہ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، مگر

---

(۱) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۱۵۱۔ (۲) المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۰۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۸۸

دیگر حالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی، ان کا نسبی تعلق اصبہان (ایران سے تھا) غالباً ان کے دادا ہی کے وقت ہی میں یہ لوگ مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ میں ایک گلی کا نام سکۃ الماجشون پڑ گیا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی خاص معلومات تذکروں میں نہیں ملتیں، ان کے شیوخ کی فہرست اور مدینہ منورہ سے ان کے باہر جانے کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانہ یہی گذرا، اسی بناء پر ان کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی ہوگی، ان کے والد اور چچا دونوں صاحب علم وفضل تھے، ان سے اور محمد بن المنکدر رسے استفادہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے۔(۱) تعلیم کے بعد یہیں ان کا حلقہ درس وافتاء قائم ہوا۔

شیوخ:۔ ان کے ممتاز شیوخ کے نام درج ذیل ہیں۔ ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

حضرت امام زہری، محمد بن المنکدر ر، عبداللہ بن دینار، ابوحازم سلمہ بن دینار، سعد بن ابراہیم، حمید الطویل، عمرو بن ابی عمر، صالح بن کیسان، ہشام بن عروہ، عبداللہ ابن الفضل، عبداللہ ابن عمر، یحییٰ بن سعید الانصاری، سہیل بن ابی صالح، ایوب السختیانی، قدامہ بن موسیٰ۔

ان کے علاوہ بے شمار محدثین وفقہاء سے انہوں نے استفادہ کیا تھا، امام زہریؒ سے کسب فیض اس وقت ایک امتیاز سمجھا جاتا تھا، اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ''معناہ انہ عرض'' یعنی شیخ ماجشون نے ان سے سماعاً نہیں بلکہ عرضاً استفادہ کیا، ابتداء میں کچھ علم کلام اور قدر کی طرف بھی میلان تھا۔(۲)

حلقۂ درس:۔ تحصیل علم کے بعد مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنا ایک الگ حلقہ درس قائم کیا۔(۳) اور غالباً ۱۴۸ ہجری تک وہ یہیں رہے اور پھر اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے، عبداللہ بن وہبؒ کا بیان ہے کہ میں نے ۱۵۸ ہجری میں حج کیا تو ایک منادی یہ اعلان کر رہا تھا کہ:

لایفتی الناس الا مالک و عبدالعزیز بن ابی سلمة (۴)

''امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔''

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں بغداد میں گئے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۴۳۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۳۔

(۴) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۴۴

مدینہ منورہ میں ان کا درس غالباً فقہ تک محدود تھا، تحدیث روایت کرنے میں وہ احتیاط کرتے تھے، مگر بغداد پہنچ کر پھر اس کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی۔ مدینہ منورہ میں اس وقت امام مالک کے علاوہ بھی متعدد شیوخ حدیث وفقہ موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ انہیں فقہ کے درس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی، مگر عراق میں فقہ کا عام چرچا تھا، اس لئے غالباً ان کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

ولم یکن من شانہ الحدیث فلما قدم بغداد کتبوا عنہ فکان بعد یقول جعلنی اھل بغداد محدثاً (۲)

حدیث ان کا فن نہیں تھا، مگر جب بغداد آئے تو لوگوں نے ان سے (اہل مدینہ کی) روایتیں لکھنا شروع کردیں۔ اس طرح ان کو حدیث کی روایت کرنی پڑی۔ چنانچہ بعد میں خود کہتے تھے کہ مجھے اہل بغداد نے محدث بنادیا۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے کچھ ممتاز آئمہ فقہ حدیث کے نام یہ ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی، ابونعیم، علی بن الجعد، یحییٰ بن بکیر، احمد بن یونس، (۳) زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، وکیع بن الجراح، ابوداؤدالطیالسی، عبداللہ بن صالح العجلی، (۴) بشر بن المفضل، یزید بن ہارون، منصور بن سلمہ (۵) وغیرہ۔

ان میں سے بالخصوص امام ابوداؤد طیالسی نے متعدد جگہ اپنی کتاب میں ان سے روایتیں کی ہیں، ذیل میں کچھ رواتیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت حمزہؓ کی شہادت کے واقعہ کو خود وحشیؓ کی زبانی شیخ ماجشون ہی نے بیان کیا ہے۔ مسند ابن حنبل اور صحیح بخاری میں بھی یہ روایت تھوڑے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔(۶)

(۲) دوسری روایت مرغ کو گالی دینے کی ممانعت میں ہے، اس کو شیخ امام عبدالعزیزؒ نے دو واسطوں سے بیان کیا ہے۔ دونوں واسطوں کے بیان کرنے کے بعد امام داؤد دوسرے واسطے کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ "ھذا اثبت عندی یعنی یہ واسطہ میرے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہے۔(۷)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۴ و تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۸۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۴۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۶۔ (۶) مسند طیالسی ج ۴ صفحہ ۱۲۹۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۱ و العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۴۴

علم وفضل کے بارے میں معاصرین کی رائے:۔ شیخ عبدالعزیزؒ علم وفضل کے لحاظ سے طبقہ اتباع تابعین کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔حافظ ذہبیؒ نے انہیں علم کا امام اور مفتی وفقیہ لکھا ہے۔(۱) حافظ ابن حجر الفقیہ اور احدالاعلام لکھتے ہیں،(۲) ابن ناصرین کہتے ہیں کہ ماجشون علمائے ربانیین اور فقہائے مصنفین میں سے ہیں۔(۳)

حدیث:۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ میں گذرا، جہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے ہر ہر گلی معمور تھی، بالخصوص امام مالکؒ کا چشمہ فیض یہیں سے جاری تھا، ان کے علاوہ ابن ابی ذئب اور دوسرے بہت سے محدثین اپنا اپنا حلقہ درس حدیث قائم ہوئے تھے، اس لئے جیسا کہ مذکور ہوا شیخ عبدالعزیزؒ نے بھی اس فن سے حصہ وافر پایا، بعض محدثین نے ان پر قدرے جرح کی ہے، مگر امام ابوداؤد، نسائی، ابوزرعہ اور ابوحاتم ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔

ابن سعد کان ثقۃ اکثیر الحدیث، یعنی ثقہ اور کثیر الحدیث تھے بلکہ کرپھر کہتے ہیں کہ اہل عراق نے دوسرے اہل مدینہ کے مقابلہ میں ان سے زیادہ روایتیں کی ہیں۔ابن معین انہیں لیث بن سعد اور ابراہیم بن سعد کے برابر سمجھتے تھے۔(۴)

فقہ میں ان کا مسلک۔ شیخ عبدالعزیزؒ کی اصل خصوصیت روایت فی الحدیث نہیں بلکہ تفقہ فی الحدیث تھی، چنانچہ ان کے تفقہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے۔حتیٰ کہ بعض نے تو انہیں تفقہ میں امام مالکؒ سے بھی بڑھا دیا ہے۔(۵)

اسی کمال تفقہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں صرف دو ہی آدمیوں کو فتویٰ دینے کا حق تھا اوپر ذکر آچکا ہے کہ (غالباً حکومت کی طرف سے) یہ اعلان کرادیا گیا تھا کہ" ابن الماجشون اور امام مالکؒ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔"

اپنے مسلک میں یہ اہل حرمین کے پابند تھے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رقمطراز ہیں:

وکان فقیھا ورعاً متابعاً لمذھب اھل الحرمین

"وہ فقیہ اور متقی تھے اور اہل حرمین کے مذہب کے تابع۔"

مہدی سے تعلقات:۔ جب وہ مدینہ منورہ سے بغداد گئے تو وہاں مہدی سے راہ ورسم ہوگئی، جو اس وقت شہزادہ تھا۔مہدی کے اوپر شیخ عبدالعزیزؒ کی فراست عقل کا بڑا اثر ہوا اور وہ ان

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۳_(۲) ایضاً_(۳) ایضاً_(۴) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۸_(۵) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۳

پر بڑا اعتماد کرنے لگا۔ چنانچہ ایک بار عباسی خلیفہ منصور حج کو جانے لگا تو مہدی دور تک اس کی مشایعت کو گیا، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا بیٹے! میرے لئے حج میں اور دوسرے معاملات میں رہنمائی کرنے والا کوئی آدمی دے دو۔ مہدی نے کہا میں آپ کے ساتھ ایک نہایت عاقل وفرزانہ آدمی کو بھیجوں گا اور اس کے لئے اس نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون کا انتخاب کیا۔(۱)

ان کی اسی عقل وفراست کی وجہ سے ان کے شاگرد ابوداؤد ابوالولید کی یہ رائے نقل کرتے ہیں کہ

کان یصلح للوزارۃ (۲)

''وہ وزارت کی صلاحیت رکھتے تھے۔''

شاعری:۔ شعروشاعری سے بھی ذوق تھا، گو اسے پیشہ نہیں بنایا تھا، مگر کبھی کبھی اس کا اظہار ہوجاتا تھا۔ ایک دفعہ ابن الماجشونؒ مہدی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مہدی نے پوچھا ''آپ نے ان مرحوم دوستوں کے بارے میں بھی کچھ طبع آزمائی کی ہے جو فقہائے روزگار تھے؟''

ابن ماجشونؒ بولے: ہاں! پھر یہ اشعار سنائے:

ایا باک علی احبابہ جزعاً
قد کنت احذر ذا من قبل ان یقعاً
ان الزمان رای الف السرور بنا
فدب بالھجر فیما بیننا وسعی
ما کان واللہ شوم الدھر یترکنی
فلا زیادۃ شیی فوق ماصنعا (۳)
ویصنع الدھر بی ماشاء مجتھداً
حتی یجرعنی من غیضہ جرعاً

ترجمہ:۔ ''اے دوستوں کی موت پر بے تحاشا رونے والے، میں بھی اس حادثہ کے نازل ہونے سے پہلے ڈرتا تھا، زمانہ نے جب یہ دیکھا کہ ہم سب احباب ایک جگہ ہونے کی وجہ سے باہم بہت مانوس ہیں تو اس نے ہجر کو ہمارے درمیان دوڑایا، اور اس میں اس نے بڑی دوڑ دھوپ

(۱) تاریخ بغداد ج۱۰ صفحہ ۴۳۶۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۰۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۷

ہیں، بخدا زمانہ کی بدنصیبیاں میرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑیں گی جب تک کہ وہ اپنے غیظ و غضب کو خوب اچھی طرح مجھ کو نہیں پلا دے گی۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اچھا! زمانہ میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ کر گزرے۔ اس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر کسی چیز کی کیا زیادتی ہو سکتی ہے۔"

مہدی نے ان اشعار کو سن کر کہا، بخدا میں اب آپ کو مالدار بنا دوں گا۔ چنانچہ اس نے انہیں دس ہزار دینار دیے جانے کا حکم دیا۔ ابن الماجشون انہیں لے کر بغداد چلے آئے، لیکن انہوں نے اپنے والد کے اوصاف و خصائل دیکھ کر جود و عطا کی جو خو اپنے اندر پیدا کر لی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے وہ سب دینار تقسیم کر کے خرچ کر دیئے۔ (۱)

زہد و ورع:۔ علم و فضل کے ساتھ ان کے عملی کمالات بھی قابل ذکر ہیں۔ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ احمد بن صالحؒ کہتے ہیں "**كان نزهاً صاحب سنة ثقة**"۔ علامہ ابن سعد انہیں ورع بتاتے ہیں۔ (۲)

تصنیفات:۔ شیخ عبدالعزیز بن الماجشون صاحب تصنیف بھی تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی کوئی تفصیل نہیں پائی جاتی، خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "له كتب مصنفة في الاحكام" احکام میں ان کی چند کتابیں ہیں۔ (۲) اسی طرح حافظ ذہبی احمد بن کامل کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

ان کی تصنیف کی ہوئی چند کتابیں بھی ہیں جن کو ابن وہبؒ نے روایت کیا ہے۔

وفات:۔ شیخ عبدالعزیز بن الماجشون کی وفات کے سلسلہ میں ان کے صاحبزادے ایک بہت عجیب و غریب واقعہ نقل کرتے ہیں، یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ "میرے والد کی روح جسم سے پرواز کر گئی، ہم سب نے انہیں غسل کے لئے تخت پر لٹایا، اتفاق کی بات ہے، غسل دینے والا جب غسل دے رہا تو اس نے ان کے تلوے میں ایک رگ دیکھی جو پھڑک رہی تھی۔ اس نے یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ سب کی یہ رائے ہوئی کہ اس وقت غسل دینا ملتوی کر دیا جائے، دوسرے دن بھی جب غسل دینے کا اہتمام کیا گیا تو یہی صورت پیش آئی، غرض اسی طرح تین دن گزرے، اس کے بعد ابن الماجشونؒ یکایک اٹھ کر بیٹھ گئے اور لوگوں سے ستو طلب کیا، ارشاد کی فوراً تعمیل کی گئی۔ جب ستو پی چکے تو لوگوں نے دریافت کیا۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۴ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۹ (۳) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ا صفحہ ۲۰۱

''آپ پر ان تین دنوں میں جو کچھ واردات گزری ہے، اس کی کچھ روداد ہم کو بھی سنائیے؟''
انہوں نے بطیب خاطر اس درخواست کو قبول کیا اور یوں واقعہ بیان کیا:

میری روح کو فرشتہ لے کر روانہ ہوا، اس نے آسمان دنیا کو عبور کیا اور اسی طرح گزرتا ہوا ساتویں آسمان تک پہنچ گیا۔ وہاں اس فرشتہ سے پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ فرشتہ نے جواب دیا: ابن الماجشون۔ کہا گیا تو ابھی تو ان کی عمر میں اتنے برس، اتنے مہینے اور اتنے گھنٹے باقی ہیں، تم ان کو ابھی کیوں لے آئے؟ اس کے بعد فرشتے نے لے کر نیچے اترنا شروع کیا، یہاں تک کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔ ان کے دائیں جانب حضرت ابوبکرؓ تھے اور بائیں جانب عمر فاروقؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آپ کے سامنے تشریف رکھتے تھے۔

یہ دیکھ کر میں نے فرشتہ سے دریافت کیا کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو بیٹھے ہیں کون ہیں؟ جواب ملا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ۔ میں نے کہا، یہ تو سرور کونین ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ فرشتہ نے کہا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ظلم و جور کے زمانہ میں حق پر عمل کیا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حق کے زمانہ میں حق پر عمل کیا۔ (۱)

اس کے کچھ دنوں کے بعد بغداد میں ۱۶۴ ہجری میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (۲)
ان کے جنازہ میں خلیفہ وقت مہدی خود شریک تھا، اور اسی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ قریش کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ (۳)

اولاد:۔ ابن ماجشونؒ کے ایک نامور صاحبزادے عبدالمالک کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر اور ابن خلکان نے ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔ ذیل میں مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے:

عبدالملک نام اور ابو مروان کنیت تھی۔ یہ خانوادہ مدینہ میں آباد تھے، اس لئے مدنی بھی ان کے نام کا جزو ہو گیا۔

علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ حدیث میں تو کسی بلند مقام کے مالک نہیں تھے۔ مگر فقہ میں اپنے والد کے صحیح جانشین تھے۔ فقہ میں امام مالکؒ سے تلمذ رکھتے تھے اور انہی کے مسلک کے پابند تھے۔ اسی بنا پر مالکی شمار کئے جاتے ہیں۔

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۵۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۴ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۴۴ و شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۵۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۴۳۹

چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

تفقه علی الامام مالک (۱)

''انہوں نے امام مالک سے تفقہ حاصل کیا۔''

تفقہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ تھے۔حتیٰ کہ ان کی فصاحت لسانی ضرب المثل تھی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ:

کان فقیهاً فصیحاً دارت علیه الفتیا و علی ابیه قبله و هو فقیه ابن الفقیه (۲)

وہ فقیہ اور فصیح اللسان تھے،ان کے عہد کے فتوے کا مدار انہی پر تھا اور ان سے پہلے ان کے والد پر تھا،وہ (بلاشبہ) فقیہ ابن فقیہ تھے۔

قاضی یحیٰ ابن اکثمؒ فرمایا کرتے تھے:

عبدالملک ایک سمندر ہیں جس کو ڈول گندا نہیں کرسکتا۔(۳)

مصعب الزبیریؒ کہتے تھے کہ "کان مفتی اهل المدینة فی زمانه" یعنی عبدالملک اپنے زمانہ میں مدینہ کے مفتی تھے۔

امام شافعیؒ سے مذاکرہ ہونے لگتا تو دونوں کی نکتہ رسی اور فصاحت لسانی کی وجہ سے دوسرے لوگ ان کی اکثر بحثیں سمجھ نہیں پاتے تھے،مورخ ابن خلکان نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ:

لان الشافعی تأدب بهذیل فی البادیة و عبدالملک تأدب فی خؤولته من کلیب بالبادیه (۴)

''اس لئے کہ امام شافعی نے دیہات میں قبیلہ ہذیل کے پاس زبان سیکھی تھی اور عبدالملک نے اپنے ننہال قبیلہ کلیب کے یہاں دیہات میں رہ کر تربیت حاصل کی تھی۔''

ان کے شاگرد احمد بن حنبلؒ معدل کہتے ہیں کہ عبدالملک کی موت کے بعد جب یہ ذکر آتا کہ ان کی زبان کو مٹی کھا رہی ہے تو:

صغرت الدنیا فی عینی (۵)

''دنیا میری نظروں میں حقیر ہو جاتی تھی۔''

۲۱۴ ہجری میں بروایت ۲۱۲ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۵۱۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۸۔
(۴) ابن خلکان،ج ۱ صفحہ ۵۱۴۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۹

حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ عبداللہ نام اور ابو محمد کنیت تھی۔(۱) نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہ ابن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن۔(۲)

کوفہ کے قبیلہ اود کی ایک شاخ زعافر سے خاندانی نسبت رکھتے تھے،اس لئے کوفی، اودی اور زعافری،تینوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔(۳)

ولادت:۔ ان کے سن پیدائش کے بارے میں محققین بہت مختلف الرائے ہیں۔حافظ ذہبی نے نشاندہی کی ہے کہ عبداللہ بن ادریس کی ولادت ۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔(۴) علامہ ابن سعد نے طبقات میں بروایت طلق بن غنم ۱۱۵ ہجری کو ان کا سن ولادت قرار دیا ہے۔(۵) لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ معتبر و مستند خود ابن ادریس کا بیان ہے، جسے حافظ ابن حجر نے احمد بن جواس کی روایت سے نقل کیا ہے،وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ادریس کو کہتے سنا: "ولدت فی سنة ۱۱۰"۔علامہ عسقلانیؒ اس کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: "وکذا رواہ غیر واحد"۔علاوہ ازیں صاحب تہذیب نے ۱۲۰ ہجری کے قول کو لفظ قیل سے ذکر کیا ہے،جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔(۶)

فضل وکمال:۔ انہیں علم وفضل کی دولت بے بہا وراثۃً نصیب ہوئی تھی،ان کے دادا یزیدؒ جلیل المرتبت تابعی تھے،جنہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دامان فیض سے خوشہ چینی کی تھی۔اسی طرح عبداللہ کے والد حضرت ادریسؒ بھی وقت کے بلند پایہ عالم اور ماہر فن تھے،ان گوناگوں مناسبتوں سے حضرت عبداللہ بھی علم کی دولت سے مالا مال ہوئے،منتخب زمانہ تابعین سے اکتساب ضوء کیا اور پھر خود بھی افتاء و اجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے۔حافظ ذہبی انہیں الامام القدوۃ الحجۃ احد العلام اور الحافظ العابد لکھتے ہیں۔(۷) ابو حاکم کا بیان ہے:

هو امام من أئمة المسلمين

"وہ ائمہ اسلام میں سے ہیں۔"

حسن بن عرفہؒ کہتے ہیں:

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔(۲) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفحہ ۱۹،(۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۱۔(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۸۔(۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔(تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۵۔ (۷) العبر، ج ۱ صفحہ ۳۰۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸

ما رأیت بالکوفة افضل منه (۱)

''میں نے کوفہ میں ان سے بڑا فاضل نہیں دیکھا۔''

امام احمد بن حنبلؒ ''کان عبدالله بن ادریس نسیج وحدة'' کے الفاظ میں رطب اللسان ہیں۔(۲)

شیوخ:۔ انہوں نے بکثرت محدثین سے سماع حاصل کیا تھا، جن میں اجلۂ روزگار تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل ہے، ممتاز اور لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

امام اعمش، ابن جریج، امام شعبہ، سہیل بن ابی صالح، یحییٰ بن سعید الانصاری، داؤد بن ابی ہند، ہشام بن عروہ، حسن بن فرات، ابواسحاق الشیبانی۔(۳)

تلامذہ:۔ خود امام زعافری کے آفتاب کمال کی کرنوں سے جن علماء کے دل منور ہوئے، ان میں امام مالک، امام احمد، عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن ابی شیبہ، ابوخیثمہ، زیاد بن ایوب، یحییٰ بن آدم، ابوبکر بن ابی شیبہ، حسن بن ربیع اور حسن بن عرفہ جیسے یکتائے عصر ائمہ شامل ہیں۔(۴)

مرویات کا پایہ:۔ حدیث و متعلقات حدیث کی معرفت میں ابن ادریسؒ کا پایہ نہایت بلند تھا، ابن مدینیؒ کا بیان ہے کہ اس فن میں وہ اپنے والد بزرگوار پر بھی تفوق رکھتے تھے۔

عبدالله بن ادریس فوق ابیه فی الحدیث (۵)

''عبداللہ بن ادریس کو حدیث میں اپنے والد پر بھی فوقیت حاصل تھی۔''

محققین علماء نے ان کی ثقاہت، حجیت، تثبت اور اتقان کو بصراحت تسلیم کیا ہے، ابن معین کہتے ہیں ثقة فی کل شیئی۔(۶)

ابوحاتم کا بیان ہے:

هو حجة یحتج بها وهو امام من ائمة المسلمین. (۷)

''وہ حجت، امام اور ثقہ ہیں۔''

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۴۔ (۲) مرأۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۴۳۰۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفحہ ۱۹۱ و تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۴۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۴۔ (۵) خلاصہ تذہیب صفحہ ۱۹۱۔ (۶) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۵

و کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث حجة صاحب سنة و جماعة (۱)

وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث، حجت اور اہل سنت تھے۔

علاوہ ازیں امام نسائی، عجلی اور امام احمد نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

عبادت و صالحیت:۔ علم و فضل کے ساتھ ان کی دنیائے عمل بھی بہت روشن تھی، عبادت و ریاضت اور تقویٰ و صالحیت میں وہ کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں شمار کیے جاتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ میں ان سے بڑا عابد کوئی نہ تھا۔ "لم یکن اعبد منه"۔ (۲) ابن عمار بیان کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے، جن کا نمایاں وصف نیکی و تقویٰ ہوتا ہے۔ (۳)

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں "کان عابداً فاضلاً"۔ (۴)

مسلک:۔ اگرچہ وہ دوسری صدی کے دیگر ائمہ کی طرح منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے، لیکن اپنے فتاویٰ اور فقہی اقوال میں بیشتر مسلک اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے۔ (۵)

موطا امام مالکؒ کی روایات:۔ امام مالکؒ نے بایں ہمہ جلالت علم و تفوق زمانی ابن ادریس سے کافی سماع حاصل کیا تھا اور ان دونوں میں بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ موطا کی تمام روایات کا سماع امام مالکؒ نے ابن ادریسؒ سے حاصل کیا تھا۔

ان جمیع ما رواه مالک فی المؤطا سمع من ابن ادریس (۶)

"امام مالکؒ نے موطا کی تمام روایات کی سماعت ابن ادریس سے کی تھی۔"

جاہ و منصب سے بے اعتنائی:۔ وہ تاحیات جاہ و منصب سے کنارہ کش رہے۔ دنیا نے ان کے قدموں میں بارہا جبہ سائی کی، لیکن انہوں نے بے نیازی کا لائق تقلید نمونہ پیش کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیا، چنانچہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار ان کے سامنے قضاء کا عہدہ پیش کیا اور اس کے قبول کرنے پر از حد اصرار کیا۔ لیکن ابن ادریسؒ نے اپنی عدم صلاحیت کا حیلہ کر کے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ان سے قبل خلیفہ مذکور نے یہ منصب حافظ وکیع ابن الجراحؒ کے سپرد کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا اور پھر بالآخر حفص بن غیاث نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر ہارون نے پانچ ہزار درہم بطور زاد راہ پیش کیا تو اول الذکر دونوں ائمہ نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا اور ابن غیاث نے لے لیا۔ (۷) اس واقعہ کے بعد ابن ادریسؒ کو قاضی حفصؒ کی جانب سے سخت تکدر پیدا

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۰۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۴۵۔
(۴) ایضاً۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۷۔ (۷) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸

ہو گیا، کیونکہ انہوں نے ائمہ سلف کی شانِ استغناء کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ بروایت صحیح منقول ہے کہ ابن ادریسؒ نے اس کے بعد قاضی حفص سے تاحیات بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔(۱)

استغناء کا دوسرا واقعہ:۔ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید حج کی غرض سے مکہ جارہا تھا، سرِ راہ کوفہ سے اس کا گذر ہوا، اس کے ہمراہ دونوں لڑکوں امین و مامون کے علاوہ قاضی ابو یوسفؒ بھی تھے۔ کوفہ پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ تمام مقامی شیوخ حدیث جمع ہوں، تاکہ ان سے امین و مامون سماع حاصل کر سکیں۔ چنانچہ حسب حکم تمام علماء خلیفہ کی فرودگاہ پر مجتمع ہوئے، لیکن عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس اسے وقارِ علمی کے منافی تصور کر کے نہ آئے۔

شیخ کوفہ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد امین و مامون، ابن ادریسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سو حدیثیں سماعت کیں۔ اس کے بعد مامون نے ان کی خدمت میں کچھ مال و زر پیش کیا۔ لیکن شیخ نے اس میں سے کچھ بھی قبول کرنا گوارا نہ کیا۔

ان سے فارغ ہو کر دونوں خلیفہ زادے عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا، جسے ابن یونسؒ نے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر مامون نے اس رقم کو دوگنا کر کے پیش کیا، ابن یونسؒ نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا۔ "خدا کی قسم! اگر تم اس مسجد کو فرش سے چھت تک مال سے بھر کر پیش کرو تو بھی میں حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر ایک حبہ لینا گوارا نہیں کر سکتا۔"(۲)

وفات:۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۲ ہجری میں بمقام کوفہ راہ سپارِ عالم جاوداں ہوئے۔(۳) انتقال کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔(۴) چونکہ حافظ ذہبیؒ کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۲۰ ہجری میں ہوئی، اس لئے وفات کے وقت شیخ کی عمر ۷۲ سال قرار پاتی ہے۔ لیکن سن ولادت کے بارے میں ذہبی کے قول کو ضعیف مانا جاتا ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا، خود ابن ادریس کے بیان کے مطابق ۱۱۰ ہجری میں ان کی پیدائش ہوئی۔ اس طرح ان کی عمر ۸۲ سال ہوتی ہے۔ جب ابن ادریسؒ کا وقت قریب آیا تو ان کی صاحبزادی محبت پدری سے مغلوب ہو کر رونے لگیں۔ یہ دیکھ کر فرمایا! کس بات پر روتی ہو، میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن کئے ہیں۔(۵) یعنی خیر و برکت کا ایک خزانہ اس مکان میں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں جو پسماندگان کے لئے سرور و انبساط کا باعث ہونا چاہیے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸ و البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۹

حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حمید بن زہیر بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ۔(۱)

خاندان اور وطن:۔ امام حمیدیؒ نسلاً خالص عرب تھے، مکہ معظمہ کی خاک پاک سے اٹھے اور آخر میں اسی کا پیوند بنے، جیسا کہ مذکورہ بالا مفصل نسب نامہ سے ظاہر ہے، قریش کے مشہور خاندان اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک معزز شاخ بنوحمید سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسی باعث اسدی، مکی، قرشی اور حمیدی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے، ان میں آخرالذکر نسبت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بعض علماء کا اختلاف ہے، لیکن اصح و مرجح یہی ہے کہ بنوحمید کے خاندان والے حمیدی کہلاتے ہیں۔

حافظ ابن اثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ سمعانی نے ارجح قرار دیا ہے، اصمعیؒ کے اس قول سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

حمیدیون کلهم من بنی اسد بن قریش(۲)

''تمام حمیدی بنواسد بن قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔''

فضل وکمال:۔ امام حمیدیؒ ان نامور اہلِ علم اتباع تابعین میں تھے، جنہوں نے نہ صرف علم و عمل کے چراغ روشن کئے بلکہ قرطاس وقلم کے ذریعہ زر وجواہر کے انبار لگادیئے۔ ان کی شہرہ آفاق مسند حدیث کے قدیم ترین اور مستند ذخیروں میں شمار کی جاتی ہے۔ امام بخاریؒ جیسے محتاط محدث ان کی روایت کو اپنی جامع کا سرآغاز بناتے ہیں، حدیث میں خصوصی فیضان رکھنے کے ساتھ انہیں فقہ و افتاء پر کامل عبور حاصل تھا، اپنے گوناگوں علمی کمالات کی وجہ سے ''عـالـم اهل مكة'' ان کا لقب ہی پڑ گیا۔ تمام ارباب تذکرہ بہت نمایاں طور پر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ذہبی ''الامام العلم الحافظ الفقيه'' لکھتے ہیں۔(۳)

ابن عماد الحنبلی ''كان اماماً حجةً'' علامہ زرکلی ''احد الائمة فى الحديث'' اور سبکی ''محدث مكه وفقيها'' تحریر فرماتے ہیں۔(۴)

---

(۱) توالی التاسیس لابن حجر، صفحہ ۴۷۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۱ صفحہ ۳۲۱ و کتاب الانساب ورق ۱۷۷۔
(۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۲۔ (۴) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۵، الاعلام جلد ۲ صفحہ ۱۵۵۷، طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳

حافظ جلال الدین السیوطیؒ رقمطراز ہیں: ''احد الائمة صاحب المسند''۔(۱)

شیوخ: ۔ امام حمیدیؒ کی جلالت مرتبت اور تبحر علمی کا مزید ثبوت ان کے شیوخ و اساتذہ کی طویل فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے مل جاتا ہے۔ جس میں امام شافعی، مسلم بن خالد، فضیل بن عیاض جیسے فخر زمانہ ائمہ کے نام ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت سفیان بن عیینہ کے کیسہ فیض سے کامل بیس سال تک مستفید ہوتے رہے۔(۲) حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:

صحب ابن عیینه فاکثر عنه وهو من اصح الناس عنه حدیثا(۳)

''انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ کی بڑی صحبت اٹھائی اور اسی باعث ان سے بکثرت روایتوں کا سماع حاصل کیا۔''

چنانچہ تمام لوگوں میں ابن عیینہ سے سب سے زیادہ صحیح الروایت ہیں۔

ابراہیم بن سعد، ولید بن مسلم، وکیع ابن الجراح الرواسی، مروان ابن معاویہ، عبدالعزیز بن ابی حازم، دراوردی، بشر بن بکر التنیسی۔(۴)

تلامذہ: ۔ خود ان کے چراغ علم سے روشنی حاصل کرنے والے تلامذہ میں بلند پایہ ماہرین فن شامل تھے۔ چند ممتاز نام یہ ہیں۔ امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، ابوزرعہ، ابوحاتم، بشر بن موسیٰ، سلمہ بن نصیب، یعقوب بن سفیان، محمد بن یوسف السنائی، عبداللہ بن فضالہ، محمد بن احمد القرشی، احمد بن ازہر نیشاپوری، یعقوب بن شیبہ، محمد بن یسحر، یوسف بن موسیٰ القطان، اسماعیل بن سمویہ، محمد بن یونس الکدیمی، ہارون الحمال، امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ تھے اور وہ اپنے استاد سے اس درجہ متاثر تھے کہ جامع صحیح میں ۷۵۱ حدیثیں ان کے واسطہ سے روایت کی ہیں۔ مزید برآں امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بواسطہ ان سے روایت کی ہے۔(۵)

حفظ وضبط: ۔ حافظہ کی قوت بلا کی پائی تھی، جس کی بدولت حدیث کا ایک وسیع سرمایہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا۔ چنانچہ اہل نظر محققین نے مستند ذرائع سے لکھا ہے کہ امام حمیدی کو اپنے شیخ سفیان بن عیینہ کی مرویات سے دس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔(۶) اسی باعث علامہ ابن سعدؒ ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔

ثقاہت وعدالت: ۔ ثقہ شیوخ حدیث کے فیضان نے ان کی روایات کو بھی استناد وحجیت

---

(۱) حسن المحاضرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶۔ (۲) الانساب للسمعانی صفحہ ۱۷۷۔ (۳) توالی التاسیس صفحہ ۳۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۱۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۱۵۔ (۶) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۴

کے بلندترین مقام پر پہنچادیا تھا۔ ماہرین فن متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ حمیدیؒ کی مرویات اسناد کے اعتبار سے جس اعلیٰ پایہ کی ہیں، اس کے بعد کسی بلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حد و انتہاء ہے کہ امام بخاریؒ نے ان ہی کی روایت سے اپنی جامع صحیح کا آغاز کیا ہے اور بقول ابن حجر وہ امام حمیدی پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ ان کی روایت ملنے کے بعد وہ کسی دوسرے کی مرویات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ (۱) ابو حاتم کا بیان ہے کہ:

هو اثبت الناس في ابن عيينه وهو رئيس اصحابه وهو ثقة امام (۲)

''وہ سفیان بن عیینہ کی مرویات کے بارے میں سب سے زیادہ ثبت تھے اور وہ ان کے تلامذہ کے سرخیل تھے، اسی طرح وہ ثقہ امام تھے۔''

علاوہ ازیں ابن حبان، ابو حاتم، ابن سعد اور حاکم نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۳)

فقہ و افتاء:۔ حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعیؒ سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی اور جب وہ مصر تشریف لے گئے تو حمیدی بھی ان کے ہمراہ رہے، اس طرح وہ امام صاحب کے بکثرت اجتہادات کے امین تھے، مصر میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مکہ واپس آ گئے اور وہاں مفتی و فقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی، حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں افتاء کا مرکز بن گئے تھے، امام بخاریؒ نے ان سے فقہ کی بھی تحصیل کی تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

فقہ و افتاء:۔ حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعیؒ سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی اور جب وہ مصر تشریف لے گئے تو حمیدی بھی ان کے ہمراہ رہے، اس طرح وہ امام صاحبؒ کے بکثرت اجتہادات کے امین تھے، مصر میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مکہ واپس آ گئے اور وہاں مفتی و فقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی، حافظ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں افتاء کا مرکز بن گئے تھے۔ امام بخاریؒ نے ان سے فقہ کی بھی تحصیل کی تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

جزم كل من ترجم البخاري بان الحميدي من شيوخه في الفقه والحديث (۴)

امام بخاریؒ کے تذکرہ نویسوں نے بوثوق لکھا ہے کہ وہ فقہ و حدیث میں امام حمیدی کے

---

(۱) توالی التاسیس صفحہ ۳۷۔ (۲) تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۱۵، حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۴۶۔ (۳) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳، وتذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۔ (۴) حسن المحاضرہ ج ۱ صفحہ ۱۴۶

شاگرد تھے۔

حاکمؒ کا بیان ہے کہ حمیدیؒ مکہ کے مشہور مفتی، فقیہ اور محدث تھے۔(۱)

اعتراف علماء:۔ امام حمیدیؒ کے فضل وتقدم اور بلندی شان کا اعتراف بکثرت علماء نے کیا ہے، جن میں نہ صرف ان کے تلامذہ اور ہم عصر اہل علم بلکہ ان کے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ربیع بن سلیمان المرادی سے مروی ہے کہ امام شافعیؒ اکثر فرمایا کرتے:

مارأیت صاحب بلغم احفظ من الحمیدی (۲)

میں نے حمیدی سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں: حمیدیؒ، شافعیؒ اور ابن راہویہ میں ہر ایک امام تھا۔ (۳)

ابن عدی کا بیان ہے کہ "کان من خیار الناس"(۴)

حاکم کہتے ہیں:

ھو لاھل الحجاز فی السنة کاحمد بن حنبل لاھل العراق (۵)

وہ حدیث میں اہل حجاز کے لئے وہی مقام رکھتے ہیں جو عراق میں امام احمد کو حاصل تھا۔

امام بخاریؒ شہادت دیتے ہیں کہ حمیدی حدیث میں امام تھے۔

یعقوب بن سفیانؒ کا ارشاد ہے:

حدثنا الحمیدی ومالقیت انصح للاسلام واھله منه (۶)

حمیدی نے ہم سے حدیث بیان کی، اور ہم نے ان سے بڑھ کر کسی کو اسلام اور مسلمانوں کا خیرخواہ نہیں دیکھا۔

شمائل ومناقب:۔ زہد وورع اور پاکبازی و نیک طینتی ان کی سیرت کے روشن پہلو ہیں، سنت نبوی ﷺ کے حد غلو تک متبع تھے، اور غالباً اسی باعث اہل الرائے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عقائد و نظریات، اصول السنہ کے نام سے امام حمیدیؒ کا ایک مختصر رسالہ پایا جاتا ہے، اس کے مطالعہ سے ان کے بعض عقائد اور مسلک پر بڑی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے، یہ رسالہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اپنی مسند کے آخر میں شامل کردیا ہے۔ ذیل میں ہم اسی سے حمیدی کے مذہبی خیالات اخذ کرکے درج کرتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۲) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۵۔ (۴) توالی التاسیس صفحہ ۳۵۔ (۵) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۱۵

عقیدۂ قدر کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ہمارے نزدیک سنت ثابتہ یہ ہے کہ انسان خیر و شر اور تلخ و شیریں کے بارے میں تقدیر پر کامل ایمان رکھے اور یہ یقین رکھے کہ ہر راحت و مصیبت اللہ جل شانہ کے فیصلہ کے مطابق ہوتی ہے۔

ایمان کے متعلق کہتے ہیں: ”وہ قول و عمل دونوں کا نام ہے، جس میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔ قول بغیر عمل کے بیکار ہے اور قول و عمل بغیر نیت کے غیر مفید ہے، اسی طرح اگر قول، عمل اور نیت سب ہو، لیکن اتباع سنت نہ ہو تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے ”الایمان قول و عمل یزید وینقص“ ان کے بھائی ابراہیم بن عیینہ نے کہا ”اے ابومحمد! یہ نہ کہئے کہ ایمان میں کمی ہوتی ہے۔“ یہ سن کر حضرت سفیانؒ غضبناک ہو گئے اور فرمایا ”او لڑکے، تم خاموش رہو، ایمان یقیناً کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔“

فرمایا: قرآن پاک خدا کا کلام ہے، جو شخص اسے مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔

فرمایا: صحابہ کرامؓ کا احترام نہایت ضروری ہے، ہر مومن کو ان کے لئے استغفار و دعا کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان(۱)

”اور جو ان کے بعد آئے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما۔“

اس میں مسلمانوں کو صحابہؓ کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو کوئی ان کو برا بھلا کہے وہ سنت سے منحرف ہے اور ایسا شخص مال غنیمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

وفات: ربیع الاول ۲۱۹ ہجری میں اپنے وطن مکہ ہی میں رحلت فرمائی، سال وفات ۲۲۰ ہجری بھی بیان کیا جاتا ہے، لیکن اکثر نے اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔(۲)

تصنیفات: مذکورہ بالا رسالہ اصول السنہ کے علاوہ امام حمیدیؒ کی کئی اور تصانیف کے نام بھی ملتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) کتاب الرد علی النعمان۔

(۲) کتاب التفسیر۔

(۱) سورۂ حشر رکوع ۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۱۶، والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۷۷

(۳) مسند۔(۱)

مسند:۔ یہ امام حمیدی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے، جس نے انہیں علم حدیث کی تاریخ میں ایک زندہ جاوید مقام عطا کیا ہے۔ مختلف ممالک میں مسانید کے مجموعے مرتب کرنے میں جن علماء کو شرف اولیت حاصل ہوئی ان میں حمیدی کا نام بھی ہے، کہا جاتا ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے ان ہی نے مسند تصنیف کی، یہ گیارہ اجزاء پر مشتمل ہے۔(۲) اور اس میں ۱۲۹۳ حدیثیں ہیں۔ اکثر روایتیں مرفوعا مروی ہیں اور صحابہ وتابعین کے کچھ آثار بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے مسند حمیدی کا آغاز حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث کو قرار دیا ہے، لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ بقول مولانا اعظمی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے کسی غیر مستند نسخہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا لکھا ہے، ورنہ جیسا کہ مسند سے ظاہر ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا آغاز ہوا ہے اور یہی تمام ارباب مسانید کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ پہلے خلفائے راشدین کی علی الترتیب روایات نقل کرتے ہیں، اس کے بعد عشرہ مبشرہ صحابہ کی حدیثیں، اس کے بعد دوسروں کی، امام حمیدیؒ نے اسی سنت کی اتباع کی ہے۔

مسند کے نسخے ایک زمانہ تک نایاب رہے، پھر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے جو قدیم کتب کی تلاش وتحقیق اور تصحیح وتحشیہ میں شہرت رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس سلسلہ کے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، مسند کے کئی مخطوطات کا پتہ چلایا جو دارالعلوم دیوبند مکتبہ سعیدیہ حیدرآباد، جامعہ عثمانیہ اور دارالکتب الظاہر دمشق میں محفوظ تھے۔

ان ہی قلمی نسخوں کی وجہ سے مولانا اعظمی نے ۱۹۶۳ء میں پہلی بار مسند حمیدی کو دو جلدوں میں آڈٹ کیا ہے اور مجلس العلمی کراچی سے اس کی اشاعت ہوئی، دوسری جلد کے آخر میں رسالہ اصول السنہ بھی شامل ہے۔

مسند کے رواۃ:۔ مسند کو امام حمیدی سے بکثرت علماء نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابو اسماعیل السلمی (۲۸۰ ہجری) اور بشر بن موسیٰ الاسدی کا نام ذکر کرنے کے بعد "رواۃ غیر واحد" لکھ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسند کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں۔

لیکن آج جو مسند ہمارے سامنے موجود ہے، وہ امام بشر بن موسیٰ الاسدی سے مروی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت کردہ مسند کا اب تک سراغ نہیں لگ سکا ہے۔ ذیل میں بشر کا

(۱) مقدمہ مسند حمیدی ج اصفحہ ۸ بحوالہ کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق اصفحہ ۳۰۔ (۲) الرسالۃ المستطرفہ صفحہ ۵۷

مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

بشر نام، ابوعلی کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: بشر بن موسیٰ بن صالح بن شیخ بن عمیرہ بن حبان بن سراقہ بن مرثد بن حمیری، (۱) ۱۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے، وطن مالوف بغداد تھا۔ بنو اسد کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو فضل و تقدم، امارت و ریاست اور شرافت میں بہت مشہور اور ترقی یافتہ خاندان تھا اور حقیقت یہ ہے کہ امام بشر تمام خاندانی خصوصیات کے امین تھے۔ (۲)

امام بشرؒ نے ابونعیم فضل بن دکینؒ، روح بن عبادہ، خلاد بن یحییٰ، ہوذہ بن خلیفہ، عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، حسن بن موسیٰ الاشیب، علی بن الجعد، اصمعی، سعید بن منصور، خلف بن الولید اور عمر بن الحکام وغیرہ مشاہیر اہل علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کے جملہ کمالات کو اپنے سینے میں منتقل کیا، یہاں تک کہ ان کی جلالت مرتبت کی بناء پر امام احمد بن حنبل بھی بایں ہمہ تجر و فضل ان کی توقیر و تکریم کرتے تھے۔ (۳) دارقطنی کا بیان ہے:

بشر بن موسیٰ الاسدی ثقة نبیل (۴)

''بشر بن موسیٰ الاسدی ثقہ اور شریف انسان تھے۔''

علامہ ابن الجوزیؒ رقمطراز ہیں:

کان ھو فی نفسہ ثقة امینا عاقلا رکیناً (۵)

''وہ بذات خود نہایت ثقہ، امین اور بہت عقلمند تھے۔''

۲۶ ربیع الاول ۲۸۸ ہجری بروز شنبہ ان کی شمع بغداد میں گل ہوگئی۔ مقبرہ باب التبن میں تدفین ہوئی۔ جنازہ میں ایک جم غفیر شریک تھا۔ (۶) کہا جاتا ہے کہ امام بشر آخر زندگی میں اپنی پیری اور ضعف کے بارے میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ضعفت ومن جاز الثمانین یضعف

وینکر منه کل ما کان یعرف

ویمشیی رویداً کالاسیر مقیداً

تدانی خطاہ فی الحدید ویرسف (۷)

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۶۔ (۲) المنتظم ج ۶ صفحہ ۲۸۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۸۷ (۴) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۷۔ (۵) المنتظم ج ۶ صفحہ ۲۸۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۸۔ (۷) المنتظم ج ۶ صفحہ ۲۸

حضرت عبداللہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب۔ قبیلہ قریش کی شاخ بنوعدی سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث عدوی کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عمری اور مدنی خاندانی ووطنی نسبتیں ہیں۔(۱)

وطن اور خاندان: ۔مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے اور فاروق اعظم کے اس خانوادہ فضل و کمال سے تعلق رکھتے تھے، جس کے بے شمار افراد آسمان علم پر نیر تاباں بن کر چمکے، چنانچہ ان کے بھائی عبیداللہ جنہیں تابعیت کا شرف حاصل ہے، ثقاہت تثبت اور اتقان میں مسلم حیثیت کے مالک تھے۔

علم وکمال: ۔علم وعمل کے اعتبار سے وہ نہایت بلند مرتبہ تھے، حدیث میں تبحر کی ساتھ تقویٰ عبادت اور صالحیت میں بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ علامہ ذہبیؒ "کان محدثا صالحا" لکھتے ہیں۔(۲) ابن الاہول کا بیان ہے کہ "عبداللہ علم کی علامت اور عبادت کی انتہاء تھے۔"(۳)

اساتذہ: ۔جن حفاظِ حدیث سے انہوں نے روایت کی ہے ان میں نافع مولیٰ بن عمر، حمید الطویل، سعید المقبری، زید بن اسلم، سہیل بن ابی صالح، سعید بن سعید الانصاری، قاسم بن غنام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تلامذہ: ۔خود ان کے حلقہ درس سے مستفید ہونے والوں میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کے علاوہ کچھ لائق ذکر نام یہ ہیں: عبدالرحمٰن بن مہدی، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، عبدالرزاق، یعقوب بن الولید المدنی، یونس بن محمد المؤدب مطرف بن عبداللہ المدنی۔(۴)

مرویات کا پایہ: ۔ان کی مرویات کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل بہت اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ توثیق وتضعیف کرنے والے علماء کا پلہ برابر ہے۔

ابن حبانؒ کا خیال ہے کہ دراصل عبداللہ عبادت وصلاح سے اس قدر مغلوب تھے کہ حفظ وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس لئے وہ متروک الحدیث قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

---

(۱) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۶۸۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۹۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۷۹۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷۔

ان کی عدالت و ثقاہت کی شہادت دینے والوں میں ابن معین، یعقوب بن شیبہ، ابن عدی اور احمد بن یونس شامل ہیں اور جن ائمہ نے ان کی روایات کو ناقابل حجت اور ضعیف قرار دیا ہے ان میں علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید نسائی اور امام احمد وغیرہ کے نام پیش پیش ہیں، مؤخر الذکر ان کی تضعیف کے باوصف ان کے فضل و کمال اور تقویٰ و صالحیت کے پورے طور پر قائل ہیں۔(۱)

صلاح و تقویٰ:۔ نہایت عبادت گذار اور تقویٰ و صالحیت سے متصف تھے۔ حتیٰ کہ ان اوصاف کے غلبہ نے علماء کی نظر میں ان کے حفظ و استحضار کو بھی مجروح کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی کلی توجہ احادیث و آثار کی طرف باقی نہ رہی تھی۔ ابن حبانؒ بیان کرتے ہیں کہ:

کان ممن غلب علیه الصلاح والعبادة حتی غفل عن حفظ الاخبار وجودة الحفظ للاثار (۲)

''وہ ان علماء میں تھے، جن پر عبادت و صالحیت کا غلبہ تھا، یہاں تک کہ اس وصف نے انہیں احادیث و روایات کے حفظ و ضبط سے غافل کر دیا۔''

حق گوئی و بیباکی:۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ائمہ سلف کا مشترک شعار رہا ہے۔ یہاں تک کہ سلاطین وقت کی شوکت و جبروت کے سامنے بھی وہ اپنی حق گوئی و بیباکی میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق اس قسم کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ بھی انہیں خاصانِ خدا میں تھے۔

ایک بار ایام حج میں ہارون الرشید کو سعی (صفا و مروہ کے درمیان) میں روک کر ان کی بدعنوانیوں پر سخت برا بھلا کہا، علامہ یافعی نے ان دونوں کے مکالمہ کو نقل کیا ہے، جو یہ ہے:

شیخ: اے ہارون!

خلیفہ: جی چچا جان، حاضر ہوں، فرمائیے!

''کیا تم ان حاجیوں کی تعداد شمار کر سکتے ہو؟'' شیخ نے حجاج کرام کے انبوہ عظیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''بھلا اسے کون شمار کر سکتا ہے۔'' خلیفہ بولا۔

کان کھول کر سن لو! شیخ نے نہایت جرأت سے کہا۔ ان میں سے ہر ہر شخص تو خود اپنا مسئول

(۱) خلاصہ تذہیب صفحہ ۲۰۷۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۵۹

ہے، لیکن تم خدا کے نزدیک ان سب کے جواب دہ اور ذمہ دار ہو۔ پھر ذرا رک کر اشارہ فرمایا۔ بخدا جب انسان خود اپنے مال میں اسراف کرتا ہے تو وہ لائق تعزیر قرار پاتا ہے، تو پھر اگر وہ عام مسلمانوں کے مال میں فضول خرچی کا مرتکب ہو تو اس کی سزا کس قدر بڑی ہوگی۔ (۱)

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۷۱ ہجری یا ۱۷۳ ہجری میں بمقام مدینہ طیبہ انتقال فرمایا۔ اس وقت ہارون الرشید اورنگ خلافت پر فائز تھا۔ (۲)

(۱) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۶۷۔ (۲) خلاصہ صفحہ ۲۰۷، میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۵۹ و تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۲۸

حضرت عبداللہ ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔ نام عبداللہ اور کنیت عبدالرحمٰن تھی۔(۱) اور سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ بن فرعان بن ربیعہ بن ثوبان۔(۲) مختلف حیثیتوں کی بناء پر حضرمی، اعدولی، غافقی اور مصری تمام نسبتوں سے مشہور ہیں۔

حضرت بشر بن منذرؒ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن لہیعہؒ کی کنیت ابوخریطہ تھی، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی گردن میں ایک چارٹ لٹکائے مصر کی شاہراہوں پر گشت کیا کرتے اور جہاں کوئی شیخ مل جاتا تو اس سے اس کے اساتذہ وشیوخ حدیث کے بارے میں سوال کرتے، اگر کسی مستند شیخ کی روایت اس کے پاس مل جاتی تو اس کا سماع کر کے فوراً اسی چارٹ میں نوٹ کر لیتے، اسی بناء پر ابوخریطہ ان کی کنیت ہی پڑ گئی۔(۳)

ولادت: ۔ صحیح روایت کے مطابق ۹۶ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔(۴)

فضل وکمال: ۔ علمی اعتبار سے وہ ممتاز اتباع تابعین اور حفاظ حدیث میں تھے۔ انہیں بکثرت تابعین کرام کا شرف دیدار حاصل تھا، چنانچہ روح بن فلاں کا بیان ہے:

لقی ابن لهيعة اثنين وسبعين تابعياً (۵)

''عبداللہ بن لہیعہ نے ۷۲ تابعین عظام سے ملاقات کی تھی۔''

بلاشبہ اس شرف وسعادت میں ان کے ہم پلہ شاذ ونادر ہی مثالیں مل سکتی ہیں۔ حدیث اور فقہ میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ علماء نے ان کے گوناگوں فضل وکمال کو سراہا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے:

عند ابن لهيعة الاصول وعندنا الفروع (۶)

''ابن لہیعہ اصولوں کے حامل تھے اور ہمارے پاس صرف فروع ہیں۔''

امام احمدؒ کا قول ہے:

ماکان محدث بمصر الا ابن لهيعة (۷)

---

(۱) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۲۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۶۷۔ (۴) کتاب الانساب ورق ۳۰۶۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۴۔ (۶) العبر ج ۱ صفحہ ۲۶۴۔ (۷) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۶۵

''مصر میں ابن لہیعہ کے علاوہ کوئی محدث ہی نہ تھا۔''

حضرت قتیبہؒ کہتے ہیں کہ جب ابن لہیعہؒ کی وفات ہوگئی تو لیث بن سعدؒ نے برجستہ فرمایا کہ ''علم وفضل میں انہوں نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔'' (۱)

شیوخ وتلامذہ:۔ ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابن لہیعہؒ کو اپنی بخت آوری کی بناء پر ۷۲ تابعین کرامؒ سے شرف لقاء حاصل تھا، ان میں اکثر ائمہ کے علاوہ انہوں نے دوسرے کبار اتباع تابعین سے بھی اپنی تشنگی علم کو فرو کیا تھا، ان کے شیوخ واساتذہ کی طویل فہرست میں کچھ ممتاز نام یہ ہیں:

عطاء بن ابی رباح، محمد بن المنکدر، عطاء بن دینار، محمد بن عجلان، اعرج، ابی الزبیر، موسیٰ بن وردان، ابی یونس، مولیٰ ابی ہریرہ، عبدالرحمٰن بن زیاد، عقیل بن خالد۔

اسی طرح خود حضرت ابن لہیعہ کے چشمہ علم سے سیراب ہونے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، جس میں ان کے پوتے احمد اور بھتیجے لہیعہ بن عیسیٰ بن لہیعہ کے علاوہ حضرت سفیان ثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث، لیث بن سعد، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، ولید بن مسلم، اسد بن موسیٰ، اشہب بن عبدالعزیز، یحیٰی بن اسحاق اور قتیبہ بن سعیدؒ جیسے دنیائے فضل و کمال کے درخشاں تارے شامل ہیں۔ (۲)

ضبط واتقان:۔ ثقاہت وعدالت اور حفظ وضبط میں ابن لہیعہؒ کا پایہ نہایت ہی بلند تھا۔

امام احمدؒ کا بیان ہے کہ:

لم یکن بمصر مثل ابی لهیعة فی کثرة حدیثه و ضبطه و اتقانه (۳)

''مصر میں کثرت حدیث، ضبط اور اتقان میں ابن لہیعہ عدیم المثال تھے۔''

عبداللہ بن وہب جنہیں ابن لہیعہ سے خصوصی تلمذ کی سعادت حاصل ہے، روایت کرتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

حدثنی والله صادق البار (۴)

''مجھ سے بخدا صادق وسچے شخص نے روایت کیا ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے بیانات ان کی عدالت وصداقت کے شاہد عدل ہیں، امام بخاری، امام مسلم، نسائی وغیرہ نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۶۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۴۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۶۴۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۶

جرح:۔ لیکن ابن لہیعہؒ کی یہ کیفیت آخر عمر تک قائم نہ رہ سکی اور کبر سنی کی بناء پر دوسرے محدثین کی طرح ان کا حافظہ بھی کمزور ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوجعفر طبری بیان کرتے ہیں کہ اختلط عقله فی اخر عمره۔(۱)

اسی بناء پر علماء و ناقدین فن نے ابن لہیعہؒ کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و اتقان کا اعتراف کرنے کے ساتھ جرح کا حق بھی ادا کیا ہے۔ ضعف حافظہ کے علاوہ ایک المیہ اور بھی ان کے ساتھ پیش آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ابن لہیعہ نے مختلف شیوخ کی مسموعہ روایات کو بہت سی کاپیوں میں لکھ کر جمع کر رکھا تھا۔ وفات سے ۴ سال قبل ۱۷۰ ہجری میں سوء اتفاق سے ان کے مکان میں آگ لگ گئی اور روایات کا یہ تمام بیش بہا ذخیرہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

اسی بناء پر علمائے فن کا خیال ہے کہ اس حادثہ عظمیٰ کے پیش آنے سے قبل کی ابن لہیعہؒ کی روایات قابل قبول ہیں، لیکن اس کے بعد کی نہیں۔ چنانچہ علامہ سمعانی رقمطراز ہیں:

كان اصحابنا يقولون ان سماع من سمعه منه قبل احتراق كتبه مثل العباد له بسماعهم صحيح ومن سمع بن احتراق كتبه فسماعه ليس بشئى (۲)

''ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ چاروں عبداللہ کی طرح جس کسی نے ابن لہیعہ سے ان کی کتابوں کے جلنے سے قبل سماع حاصل کیا وہ صحیح اور درست ہے، لیکن اس حادثہ کے بعد کے سامعین کا سماع غیر مقبول ہے۔''

ابن سعد خامہ ریز ہیں:

كان ضعيفاً ومن سمع منه فی اول امره احسن حالاً فی روايته ممن سمع منه بآخره (۳)

''وہ ضعیف تھے اور جس نے شروع میں ان سے سماع کیا، اس کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس کے مقابلہ میں جس نے آخر عمر میں ان سے سماعت کی۔''

امام احمدؒ کا بیان ہے:

احترقت كتبه وهو صحيح الكتاب ومن كتب عنه قديماً فسماعه صحيح (۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۹۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۴۰۹۔ (۳) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۴۴ و ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴۔ (۴) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفحہ ۲۱۱۔

ان کی کتابیں جل گئی تھیں، وہ ثقہ اور صحیح الکتاب تھے، جس نے ان سے شروع ہی میں سماع کیا وہ درست ہے۔

لیکن اہل مصر کا خیال ہے کہ ابن لہیعہ کا حافظہ شروع سے آخر تک یکساں قائم رہا۔ آخر عمر میں کوئی اختلاط پیدا نہیں ہوا تھا۔ (۱)

عہدۂ قضا:۔ فقہ وافتاء میں غیر معمولی مہارت اور دقیقہ رسی حاصل تھی، اسی خصوصیت کی بناء پر عہد عباسی میں مسند قضاء کی بھی زینت بنے۔ جب ۱۵۵ ہجری میں قاضی مصر ابوخزیمہ کی وفات ہوگئی تو خلیفہ ابوجعفر منصور نے عبداللہ بن لہیعہ کو بصد اکرام واعزاز مصر کا قاضی مقرر کیا، اس سلسلہ میں انہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے قاضی ہیں جن کا تقرر خود خلیفہ نے کیا، ورنہ اس سے پہلے تمام صوبوں کے والی اپنے اپنے علاقہ میں قضاۃ کا انتخاب وتقرر کرتے تھے۔ (۲) خلیفہ نے تیس دینار ماہانہ ان کا منصبی مشاہرہ بھی متعین کیا تھا، مصر کے قضاۃ میں سب سے پہلے ان ہی کو یہ وظیفہ ملا۔ (۳)

انہوں نے تقریباً ۹ سال تک اپنے منصبی فرائض کو نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا اور پھر ماہ ربیع الاول ۱۶۴ ہجری میں اس سے سبکدوش ہوگئے۔

وفات:۔ سنہ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن اصح یہ ہے کہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں یوم یکشنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۷۴ ہجری کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔ (۴)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۲۳۵ وحسن المحاضرۃ ج ۲ صفحہ ۸۸۔ (۳) تاریخ ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۴۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۷ واخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۲۳۶ وابن خلکان ج ۱ صفحہ ۲۴۷ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴

حضرت عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام عفان، کنیت ابوعثمان الصفار اور باپ کا اسم گرامی مسلم تھا۔(۱) عزرہ بن ثابت الانصاری کے غلام تھے، اسی باعث انصاری کہے جاتے ہیں، بصری وطن کی طرف نسبت ہے، صفار کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوسکی، اغلباً یہ لقب ہوگا۔

ولادت:۔ ان کی سال ولادت کے بارے میں کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، البتہ ابن سعد کی ایک روایت کی بنیاد پر محققین نے قیاس آرائی کی ہے کہ وہ ۱۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے، چنانچہ محمد بن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ:

''میں نے ۲۱۰ ہجری میں عفان بن مسلمؒ کو یہ کہتے سنا کہ اس وقت میری عمر ۷۶ برس ہے۔''

چونکہ ابن سعد کو عفان سے تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی، اس لئے ان کا بیان قرین صحت ہوسکتا ہے۔(۲) وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے اور وہی ان کا مولد ومنشا بھی ہے، لیکن بعد میں ترک وطن کر کے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

فضل وکمال:۔ امام عفان علمی حیثیت سے ائمہ اسلام اور علمائے اعلام میں شمار کئے جاتے ہیں، وہ حدیث کے اہم ستون تھے، بغداد میں ان کی ذات علم کا مرکز ومنبع تھی، جہاں سے اقصائے عالم کے وارفتگان نے اپنی دنیائے علم آراستہ کی۔

علاوہ ازیں حق گوئی، راست بازی، اتباع سنت اور تثبت واتقان میں ان کی مثال کم ملتی ہے، اہل تذکرہ نے بہت نمایاں طور پر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

احد ارکان الحدیث نزل بغداد و نشربها علم (۳)

''وہ حدیث کے ایک اہم رکن تھے۔ بغداد آ کر علم کی اشاعت کی۔''

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

محدث بغداد الحافظ الثبت ھو من مشائخ الاسلام والأئمۃ الاعلام(۴)

(۱) خلاصہ تذہیب صفحہ ۲۶۸۔(۲) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۱۹ وابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۱۔(۳) شذرات الذہب صفحہ ۲ ۴۷۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۳۴۸ ومیزان الاعتدال ۲ صفحہ ۲۰۲

وہ محدث بغداد اور حافظ ثبت تھے، اسی طرح ان کا شمار اسلام کے بلند مرتبہ شیوخ اور ائمہ میں ہوتا ہے۔

شیوخ وتلامذہ:۔ انہوں نے جن کبار شیوخ سے حدیث کی تحصیل و روایت کی ان میں شعبہ، حماد بن سلمہ، سلیمان بن مغیرہ، ہمام بن یحییٰ، حماد بن زید، وہیب بن خالد، ابوعوانہ، عبداللہ بن بکر، عبدالوارث بن سعید اور سلیم بن حیان کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، خلف بن سالم، محمد بن سعد، کاتب الواقدی، قتیبہ بن سعید، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابراہیم بن اسحاق، ابوزرعہ، ابوحاتم الرازی، بندار، اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحییٰ الذہلی اور قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ وغیرہ بکثرت نامور ائمہ ان سے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں۔(۱)

جرح وتعدیل:۔ تقریباً تمام علمائے فن نے امام عفانؒ کی ثقاہت، تثبت اور اتقان پر مہر تسلیم ثبت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عفان کی روایت میرے موافق ہو تو پھر مجھے کسی اور کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔(۲) امام احمدؒ کا ارشاد ہے:

مارأیت احداً احسن حدیثاً منه عن شعبة (۳)

"میں نے حضرت شعبہؒ سے روایت کرنے والا کسی کو امام عفان سے بہتر نہیں دیکھا۔"

حافظ ابن معینؒ تو ان کے مرتبہ تثبت کی بلندی کے اس حد تک معترف تھے کہ وہ جرح و تعدیل کے مشہور آفاق امام عبدالرحمٰن بن مہدی پر بھی عفانؒ کو ترجیح دیتے تھے۔

یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ:

کان عفان ثقة ثبتاً متقناً صحیح الکتاب قلیل الخطاء والسقط

"امام عفانؒ ثقہ، ثبت اور متقن تھے۔ ان کی کتاب صحیح تھی، جس میں غلطی وغیرہ کم تھی۔"

ابن خراشؒ فرماتے ہیں:

عفان بن مسلم بصری ثقة من خیار المسلمین (۴)

"امام عفان بصرہ کے رہنے والے ثقہ اور بہترین لوگوں میں تھے۔"

اس کے ساتھ بعض علماء نے ان پر نقد و جرح کا حق بھی ادا کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ وفات

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۸۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔
(۴) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۷۶

سے ایک سال قبل یعنی ۲۱۹ ہجری میں وہ سوء حافظہ کے شکار ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے تخلیط روایات کے مرتکب ہو جاتے تھے، حضرت ابوخیثمہ کہتے ہیں کہ ہم نے عفان کے انتقال سے چند ماہ قبل ان کی روایات قبول کرنا ناپسند کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلیمان بن حربؒ نے انہیں "ردی الحفظ" اور "بطی الفهم" قرار دیا ہے۔

اس تمام جرح کا شافی جواب حافظ ذہبی نے میزان میں دیا ہے، چنانچہ تخلیط کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

هذا التغير من تغير مرض الموت وماضره لانه ماحدث فيه بخطاء (۱)

یہ تغیر (سوء حافظہ) مرض موت میں پیدا ہوا، لیکن اس سے ان کی ثقاہت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ اس زمانہ میں بھی انہوں نے کوئی غلط حدیث روایت نہیں کی۔

اور سلیمان بن حرب کے اعتراض کے بارے میں ذہبیؒ کی رائے ہے:

عفان اجل واحفظ من سليمان وهو نظيره و كلام النظراء والاقر ان ينبغي ان يتامل ويتأفي فيه (۲)

عفان سلیمان سے زیادہ جلیل المرتبت حافظ تھے، پھر وہ ان کے معاصر تھے، اور معاصرین کی رائے محل غور اور لائق نظر ہوتی ہے۔

اتباع سنت: حدیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ سنت کی اتباع نہایت شدت کے ساتھ کرتے تھے، جو بات بھی شریعت نبوی ﷺ کے شفاف دامن پر داغ محسوس ہوتی، ہمیشہ اس سے محترز رہتے، خواہ اس راہ میں کتنے شدائد سے دوچار ہونا پڑے، غالباً اسی تمسک بالسنہ کے باعث عجلی انہیں "صاحب السنة" کہتے ہیں۔ (۳)

راست گوئی اور استغناء: امام عفانؒ کی زندگی کا ایک درخشاں باب حق گوئی اور اس کے ساتھ شانِ بے نیازی بھی تھی۔ حق کے معاملہ میں کبھی نہ تو ارباب سطوت کے سامنے سرخم کیا اور نہ مال و زر کی حرص ان کے پائے استقامت کو متزلزل کر سکی۔

بروایت صحیح منقول ہے کہ ایک بار ان کو دس ہزار دینار اس غرض کے لئے دیے جا رہے تھے کہ فلاں شخص کی تعدیل کے بارے میں سکوت اختیار کر لیں، نہ اسے عدول کہیں اور نہ غیر عدول، لیکن امام عفانؒ نے اس پیشکش کو رد کر دیا اور فرمایا کہ:

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۳۔ (۲) ایضاً صفحہ ۲۰۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۳۱۔

لاابطل حقا من الحقوق (۱)

"میں کسی شخص کا حق ختم نہیں کرسکتا۔"

اسی طرح حضرت فلاسؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے امام عفانؒ کو دو ہزار دینار دے کر کہا کہ آپ فلاں آدمی کی عدالت پر مہر تصدیق ثبت فرما دیجئے۔

امام موصوفؒ نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں ایک غلط بات کو ہرگز صحیح نہیں کہہ سکتا۔ (۲)

آزمائش:۔ گذشتہ صفحات میں امام عبدالاعلیٰ بن مسہرؒ کے تذکرہ میں عہدِ مامونی کے مشہور عالم فتنہ خلق قرآن کی کسی قدر تفصیل گذر چکی ہے۔ اس پر آشوب دور میں جن محدثین وفقہاء کو شدید ترین آزمائش سے گزرنا پڑا، ان میں عفان بن مسلمؒ کا اسم گرامی بھی نمایاں ہے۔ یوں تو تمام ہی تذکرہ میں ابتلاء کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ لیکن مؤرخ خطیب بغدادی نے اس کی تفصیل خود امام عفانؒ کی زبانی نقل کی ہے۔ جس کی مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہا جا سکتا ہے، اس لئے ہم ذیل میں اسی کو درج کرتے ہیں۔

خود فرماتے ہیں:

خلیفہ مامون الرشید نے رقہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام یہ فرمان بھیجا کہ تمام مقامی فقہاء ومحدثین کو یکجا کر کے ان سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار لو، چنانچہ اس کے بموجب اسحاق نے دوسرے علماء کے ساتھ مجھ کو بھی طلب کیا، جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے مامون کا وہ خط پڑھ کر سنایا، جس میں میرے متعلق یہ تحریر تھا:

امتحن عفان ادعه الیٰ ان یقول القران کذا و کذا فان قال ذالک فاقره علیٰ امره وان لم یجبک الیٰ ما کتبت به الیک فاقطع عنه الذی یجری علیه (۳)

"امام عفان کی آزمائش کرو اور ان کو عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرنے کی دعوت دو، اگر وہ اس کے قائل ہو جاتے ہیں تو فبہا، لیکن اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو پھر ان کا وظیفہ بند کر دو۔"

خط ختم کرنے کے بعد اسحاق نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے اس کے جواب میں پورہ سورۂ اخلاص پڑھی اور کہا، کیا یہ مخلوق ہے؟ اسحاق نے بڑے غصے سے کہا کہ

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۸ و تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۷۱

جناب امیر المومنین کا حکم ہے کہ اگر آپ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کرتے تو آپ کو ملنے والا پانچ سو درہم ماہانہ کا وظیفہ بند کردیا جائے گا۔

بلاشبہ مقصد برآری کے لئے یہ ایک کارگر تدبیر تھی کہ اقتصادی و معاشی ناکہ بندی کردی جائے، لیکن امام عفانؒ نے نہایت ثابت قدمی اور صبر و استقلال کے ساتھ جو جواب دیا، وہ یقیناً ایک زندہ رہنے والی چیز ہے۔ فرمایا:

یقول الله عزوجل وفی السماء رزقکم وما توعدون (الایہ)

یعنی رزق رسانی کا وعدہ تو خود خداوند قدوس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ ایک در بند ہوکر دوسرے دروازے رزق کے کھل جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ جواب سن کر اسحاق بالکل مبہوت ہوکر رہ گیا اور امام عفانؒ گھر واپس آ گئے۔(۱)

نصرت ایزدی:۔ ابراہیم ابن الحسینؒ کہتے ہیں کہ جب امام عفانؒ، اسحاق کی طلب پر ان سے ملنے گئے تو میں ان کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ امام عفانؒ کے انکار پر ان کی سرکاری امداد منقطع کردی گئی۔ چنانچہ جب وہ مکان واپس آئے تو گھر والوں نے سارا ماجرا سن کر ان کو سخت لعنت وملامت کی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت امام عفانؒ کا گھرانہ چالیس نفوس پر مشتمل تھا۔ اسی اثناء میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دیکھا گیا تو مچھلی کی شباہت کا ایک شخص کھڑا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک ہزار درہم کی تھیلی تھی۔ اس نے امام عفانؒ کو وہ تھیلی دیتے ہوئے کہا:

ثبتک الله کما ثبت الدین وهذا فی کل شهر (۲)

''جس طرح تم نے دین کو مستحکم کیا، خدا تمہیں بھی استقامت دے اور ہر ماہ تم کو اسی طرح ایک ہزار کی تھیلی ملتی رہے گی۔''

وفات:۔ بروایت صحیح ربیع الاول ۲۲۰ ہجری میں بمقام بغداد انتقال فرمایا۔ عاصم بن علیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۳) ابوداؤد کا بیان ہے کہ میں بغداد میں امام عفانؒ کے جنازہ میں شریک تھا۔(۴)

---

(۱) بغدادی ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عفانؒ کو ایک ہزار درہم سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔
(۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۷۷

حضرت عبداللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام عبداللہ، کنیت ابوعبدالرحمٰن اور باپ کا نام شوذب تھا۔ بلخی وطن کی طرف نسبت ہے۔(۱)

ولادت اور وطن:۔ حضرت ابن شوذبؒ خود اپنے ہی قول کے مطابق ۸۶ ہجری میں پیدا ہوئے، ان کا اصلی وطن خراسان کا مشہور شہر بلخ تھا، جس کی طرف انتساب کا شرف قتیبہ بن سعید، ہشام بن عمار، محمد بن علی بن طرخان اور زیاد بن ایوب وغیرہ بکثرت علماء وفضلاء کو حاصل ہے۔ (۲) ابن شوذب ابتدائے عمر میں اپنے وطن سے منتقل ہو کر وہیں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ پھر وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد شام چلے گئے اور تاحیات وہیں رہے۔(۳)

فضل وکمال:۔ ابن شوذبؒ علم وفضل کے اعتبار سے ثقہ ائمہ اور بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بلخ کے علاوہ بصرہ اور شام کے شیوخ حدیث اور فقہاء سے اکتساب فیض کیا تھا۔ حافظ ذہبیؒ انہیں امام صدوق،(۴) اور کان کثیر العلم جلیل القدر لکھتے ہیں۔(۵) علم کے علاوہ صدق ودیانت، زہد وتقویٰ اور عبادت وخشیت میں ارفع تھے۔ کثیر بن ولید کا قول ہے:

کنت اذا رأیت ابن شوذب ذکرت الملائکۃ (۶)

''میں جب بھی ابن شوذب کو دیکھتا، فرشتوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔''

حدیث وفقہ:۔ انہیں اپنی بخت آوری سے منتخب روزگار تابعین کی صحبت میسر آئی تھی، جن کے دامانِ فیض سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اسی بناء پر حدیث وفقہ دونوں پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ لائق ذکر اساتذہ کی فہرست میں چند نام یہ ہیں:

حضرت ثابت البنانی، حسن البصری، محمد بن سیرین، سعید بن ابی عروبہ، عبداللہ بن القاسم اور عمر بن عبدالواحد الاحول۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اور خود ان کے تلامذہ میں ابواسحاق الفزاری، عبداللہ ابن المبارک، عیسیٰ بن یونس اور محمد کثیر المصیصی وغیرہ مشہور ہیں۔(۷)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) معجم البلدان ج ۲ صفحہ ۲۶۳۔ (۳) تقریب التہذیب صفحہ ۱۰۴۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۴۶۔ (۵) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۲۵۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔

ثقاہت:۔ ان کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ سفیان ثوری کہتے ہیں: کان ابن شوذب من ثقات مشائخنا ۔(۱) علامہ ذہبی صدوق امام من طبقة الاوزاعی اور حافظ ابن حجر صدوق عابد لکھتے ہیں۔ (۲) یحییٰ بن معین، ابن عمار اور امام احمدؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(۳) ائمہ صحاح نے بھی توثیق کرتے ہوئے ان کی روایتیں نقل کی ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

وفات:۔ بروایت صحیح ۱۵۶ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۴) اور وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔(۵)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۴۲ و تقریب التہذیب صفحہ ۱۰۴۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۲۰۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۶۔ (۵) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۲۵

حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔عبداللہ نام، ابو محمد کنیت اور والد کا اسم گرامی نافع تھا۔ مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔ بنو مخزوم سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی مشہور ہوئے۔ ممتاز ائمہ میں ان کی ہم نام ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کے باپ کا نام بھی نافع تھا، اس لئے اکثر اوقات علماء کو ثقاہت وعدالت اور علم وفضل کی تعیین میں خلط مبحث ہو گیا ہے۔ اس لئے امام عبداللہ بن نافع کو ''الصائغ'' کے لفظ سے ممتاز کیا گیا ہے۔ مورخ ابن اثیرؒ کی رائے کے مطابق اصائغ یا اصائغی کی نسبتیں رکھنے والے تمام ائمہ ''صیاغۃ'' کی طرف منسوب ہیں۔(۱)

علم وفضل: ۔علمی کمالات کے اعتبار سے وہ کبار اتباع تابعین کے زمرے میں شامل ہیں۔ امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ زمانہ دراز تک امام صاحبؒ کے دامن فیض سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ان کے فقہی افکار وخیالات کا مخزن بن گئے تھے۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

کان قد لزم مالک لزوما شدیدا وکان لایقدم علیه احد (۲)

''انہوں نے امام مالکؒ کا ساتھ شدت کے ساتھ پکڑا حتیٰ کہ وہ ان پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔''

جناب احمدؒ بن صالح کا بیان ہے:

کان اعلم الناس برای مالک (۳)

''وہ امام مالکؒ کے خیالات کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے۔''

جناب ابوداؤدؒ فرماتے ہیں:

کان عبدالله عالما بمالک وکان صاحب فقه (۴)

''عبداللہ بن نافع امام مالک کے مسلک کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے۔''

فقہ: ۔امام ابن نافعؒ کو فقہ اور بالخصوص فقہ مالکی میں خاص مہارت حاصل تھی اور اسی کمال تفقہ کے باعث وہ مدینہ میں افتاء کے مرجع تھے۔(۵) یحییٰ بن معینؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن نافعؒ کے پاس امام مالکؒ کے چالیس ہزار مسائل تھے۔(۶)

---

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۴۸۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۴۳۲۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۵۲۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۵۲۔ (۶) تہذیب ج ۶ صفحہ ۵۲

حدیث:۔ ان کی فقیہانہ حیثیت کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے سامنے حدیث میں ان کے تفوق کا چراغ زیادہ روشن نہ ہوسکا، یہاں تک کہ بعض علماء سرے سے انہیں محدث ہی تسلیم نہیں کرتے۔(۱) لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس فن پر بھی انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔

ان کی مرویات کے پایہ استناد پر علماء متفق نہ ہوسکے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاری اور ابو حاتم وغیرہ نے انہیں ضعیف الحافظہ قرار دیا ہے۔(۲) لیکن اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے جس میں ابن معینؒ، امام نسائی اور ابو زرعہ وغیرہ شامل ہیں، انہیں ثقہ اور عدول بتایا ہے۔(۳) ان کی عدالت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے علاوہ ائمہ اربعہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔(۴) ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان صحیح الکتاب و اذا حدث کان حفظه بما اخطأ (۵)

''وہ صحیح الکتاب تھے، جب اپنے حافظہ سے روایت کرتے تو اکثر غلطی کر جاتے تھے۔''

امام بخاریؒ نے بایں ہمہ تبحر و جلالت علم ان سے دو تین حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کی فضل و کمال کو سراہا ہے۔

شیوخ و تلامذہ:۔ جن حفاظ حدیث سے انہوں نے سماع حاصل کیا، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ حضرت لیث بن سعد، عبداللہ بن نافع، مولیٰ ابن عمر، سلیمان بن یزید الکعبی، داؤد بن قیس الفراء، اسامہ بن زید اللیثی، محمد بن عبداللہ، ابن ابی ذئب، ہشام بن سعد۔

خود ان سے روایت کرنے والوں میں قتیبہ، سلمہ بن شبیب، حسن بن علی الجلال، احمد بن صالح مصری، ابوالطاہر بن السرح، زبیر بن بکار، ابراہیم بن المنذر، احمد بن حسن الترمذی، محمد بن یحییٰ الذہلی، یونس بن عبدالاعلیٰ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔(۶)

وفات:۔ ماہ رمضان ۲۰۶ ہجری میں بمقام مدینہ وفات پائی۔(۷)

---

(۱) العبر ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱۔ (۳) میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۸۲۔ (۴) خلاصہ تہذیب صفحہ ۲۱۲۔ (۵) تہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱ و میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۸۲۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۲۲

حضرت علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔ نام علی، کنیت ابوالحسن اور والد کا اسم گرامی مسہر تھا، ولاءً قرشی اور وطناً کوفی کہلاتے ہیں۔(۱)

فضل وکمال: ۔ علمی اعتبار سے وہ اجلہ تبع تابعین میں تھے، جامعیت وتبحر میں انہیں تمغہ امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے الامام الحافظ لکھ کر اس کا اعتراف کیا ہے۔(۲)

حدیث: ۔ حدیث نبوی ﷺ میں ان کی معرفت اور تمق مسلم تھا۔ جن شیوخ حدیث سے انہوں نے سماع کا شرف حاصل کیا تھا، ان میں ہشام بن عروہ، سلیمان الاعمش، یحیٰ بن سعید الانصاری، اسماعیل بن ابی خالد، عاصم الاحول، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ، عبداللہ بن عطاء اور ابو مالک الاشجعی کے نام لائق ذکر ہیں۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہ، زکریہ بن عدی، بشر بن آدم، خالد بن مخلد، علی بن حجر، ہناد بن السری اور عثمان بن ابی شیبہ ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہیں۔(۳)

فقہ: ۔ فقہ سے بھی انہیں بہرۂ وافر نصیب تھا۔ احمد العجلی بیان کرتے ہیں کہ علی بن مسہر حدیث و فقہ دونوں کے جامع تھے۔(۴)

ثقاہت: ۔ ان کی عدالت وثقاہت ناقدین فن کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ اتفقوا علیٰ توثیقہ ۔(۵) امام احمد کا بیان ہے کہ وہ صالح الحدیث اور ابومعاویہ الضریر سے زیادہ ثقہ وثبت تھے۔(۶) عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ "میں نے شہرۂ آفاق محدث اور ماہر رجال یحیٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ علی بن مسہر کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابو خالد الاحمر کو؟ فرمایا: علی بن مسہر کو! میں نے پھر پوچھا، اچھا یہ بتلایے کہ علی بن مسہر اور اسحاق بن ازرق میں سے کس کو محبوب رکھتے ہیں؟ فرمایا، وہ دونوں ہی ثقہ ہیں۔(۷)

مزید برآں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیحین میں ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔(۸)

قضاءت: ۔ اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کے باعث موصل (عراق) کے منصب قضاء پر بھی

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔
(۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۲۵ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۳۵۱۔ العبر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔ (۸) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۳۵۱

فائز ہوئے۔(۱) لیکن افسوس ہے کہ یہاں وہ ایک نہایت المناک واقعہ سے دوچار ہوئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ اپنے عہدۂ قضا کے دوران ابن مسہر آشوب چشم میں مبتلا ہوئے اور علاج کی غرض سے ایک ماہر چشم طبیب کے پاس گئے، ابن مسہرؒ سے قبل جو شخص اس مقام کا قاضی رہ چکا تھا، اس نے از راہِ حسد و کینہ پروری اس معالج کو مال و زر کی حرص دلا کر کہا کہ ابن مسہرؒ کی بینائی زائل کردو۔ چنانچہ وہ طبیب طمع میں آ کر ایسا ہی کر گذرا، اور پھر ابن مسہرؒ نابینا ہو کر بصد حسرت و یاس اپنے وطن مولوف کوفہ واپس آ گئے۔(۲)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ابن مسہرؒ آرمینیہ کے قاضی تھے اور نابینائی کا واقعہ وہیں پیش آیا، لیکن دوسرے تذکروں میں صرف موصل ہی کا ذکر ملتا ہے۔ ممکن ہے دونوں ہی جگہ یکے بعد دیگرے منصب قضاء کو عزت دی ہو۔

قوتِ حافظہ:۔ حضرت ابن مسہرؒ کے قوت حافظہ کا اندازہ صرف اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بصارت زائل ہونے کے بعد بھی ان کا چشمہ فیض جاری رہا اور وہ محض اپنے حافظہ کی بنیاد پر احادیث روایت فرمایا کرتے تھے۔ امام احمدؒ کا قول ہے:

كان قد ذهب بصره فكان يحدثهم من حفظه(۳)

''ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی، تو اپنے حافظہ سے حدیث روایت کرتے تھے۔''

وفات:۔ ۱۸۹ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔(۴) علماء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ان کی تدفین کے ساتھ فقہ میں تبحر و مہارت فن کا ایک دور ختم ہوگیا۔(۵)

---

(۱) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۲۲۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔ (۴) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳

حضرت عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام عمر اور ابوداؤد کنیت تھی۔ معلوم نسب نامہ یہ ہے: عمر بن سعد ابن عبید، اصل نام کی بجائے کنیت ہی سے مشہور ہوئے۔ حضری اور کوفی دونوں وطنی نسبتیں ہیں۔ حضر کوفہ کا ایک محلہ ہے، وہیں ان کی فرودگاہ تھی۔(۱)

علم وفضل:۔ علمی حیثیت سے باکمال ہونے کے ساتھ عبادت، انابت الی اللہ اور فقر واستغناء میں بھی نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے اکابر تابعین کی صحبت سے مشرف اور ان کے خزانہ علم سے مستفید ہوئے تھے۔ عجلی کے بیان کے مطابق تین ہزار ایسی حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں جن کی حجیت اور استناد پر ماہرین فن کا اتفاق ہے۔(۲) دنیائے دل کی آبادی کا عالم یہ تھا کہ جس مقام پر وہ ہوتے وہاں کے لوگ اس جگہ کو ہر آفت اور بلا سے مامون تصور کرتے۔ حافظ وکیعؒ جیسے جلیل القدر امام فرماتے ہیں:

ان كان يدفع البلاء باحد في زماننا فبا بي داؤد الحضرمي (۳)

اگر ہمارے زمانہ میں کسی کے ذریعہ بلائیں دور کی جاتی ہیں تو وہ ابوداؤد الحضرمی ہیں۔

امام ابونعیمؒ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو غایت تعظیم واحترام سے خاموش بیٹھے رہتے اور فرماتے:

لم يكن بالكوفة بعد حسين الجعفي افضل منه (۴)

''امام حسین الجعفی کے بعد کوفہ میں ان سے بڑا فاضل کوئی نہ تھا۔''

شیوخ:۔ جن محدثین وعلماء سے انہوں نے کسب ضیاء کیا ان میں درج ذیل کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کے نام ملتے ہیں۔ حضرت مسعر بن کدام، مالک بن مغول، سفیان ثوری، صالح بن حسان، حفص بن غیاث، یحییٰ بن ابی زائدہ، شریک نخعی، ہشام بن سعدؒ۔

تلامذہ:۔ اسی طرح خود ان کے خرمن علم کے خوشہ چینیوں میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن المدینی، قاسم بن زکریا، محمود بن غیلان، موسیٰ بن عبدالرحمن المسروقی، علی بن حرب اور عبد بن حمید کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔(۵)

---

(۱) کتاب الانساب ورق ۱۷۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۰۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔ (۵) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۲۸۳ و تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۲

ثقاہت: علمائے فن نے ان کی مرویات کو اتفاق رائے سے قابل حجت قرار دیا ہے۔ ابن وضاحؒ فرماتے ہیں:

کان ابو داؤد ثقة زاهداً من اهل الكوفة

''امام ابوداؤد الحضرمی کوفہ کے ثقہ اور زاہد شخص تھے۔''

علامہ محمد بن مسعودؒ کا بیان ہے:

هو احب الی من حسين الجعفی و كلاهما ثقة(۱)

''وہ میرے نزدیک امام حسین الجعفی سے بھی زیادہ پسندیدہ شخص تھے اور ثقہ تو دونوں ہی ہیں۔''

علاوہ ازیں ابو حاتم، آجری عجلی اور ابن معین بھی ان کی عدالت وصداقت کے معترف ہیں۔

عبادت: حضرت علی بن المدینیؒ بیان کرتے ہیں کہ کثرت عبادت وریاضت میں کم از کم کوفہ میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ ''ما رأيت بالكوفة اعبد منه''(۲)

علامہ ابن حبانؒ کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

كان من عباد الخشف (۳)

''وہ بے انتہاء عبادت گزار تھے۔''

فقر و درویشی: بایں تبحر علم وفن ان کی زندگی قرونِ اولیٰ کی سادگی، تواضع اور درویشی و قلندری کا مثالی نمونہ تھی۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

كان زاهداً ناسكا له فضل و تواضع (۴)

''وہ زاہد، پرہیزگار، متواضع اور صاحب فضل تھے۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

رأيت اباداؤد الحضرمي وعليه جبة مخرقة وقد خرج القطن منها يصلي بين المغرب والعشاء وهو يترجح من الجوع (۵)

''میں نے ابوداؤد الحضرمی کو اس عالم میں دیکھا کہ وہ پھٹا پرانا جبہ پہنے ہوئے تھے، جس کی روئی باہر نکل پڑ رہی تھی، وہ مغرب وعشاء کے درمیانی وقفہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور بھوک سے

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۲۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۲۔
(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۱۔ (۵) صفوۃ الصفوہ ج ۳ صفحہ ۱۰۸

نڈھال تھے۔''

حضرت حسین بن علی الصدائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابوداؤد الحضرمی کی فرودگاہ پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے اندر ہی سے دریافت کیا، کون ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک حدیث کا طالب علم حاضر ہے۔ فرمایا: اچھا ذرا ٹھہرو! راوی کا بیان ہے کہ اسی اثناء میں، میں نے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا، کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ ایک تہبند باندھے اون کات رہے ہیں۔ جس کو بیچ کر وہ روزی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ میری آواز پر اون سمیٹ کر اکٹھا کیا اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ پھر مجھے اندر بلایا اور حدیثیں املاء کروانا شروع کیں۔ یہاں تک کہ کاغذ ختم ہو گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے علاوہ خالصۃً لوجہ اللہ روایت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابن عبدربہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عباس الدوری کو اکثر یہ کہتے سنا کہ:

حدثنا ابو داؤد الحضرمی ولو رأیت ابا داؤد الحضرمی لرأیت رجلا کانه اطلع علی النار فرای ما فیها (۱)

''ہم سے ابوداؤد حضرمی نے حدیثیں روایت کی ہیں اور تم اگر ان کو دیکھتے تو ایک ایسا شخص پاتے جس نے گویا آگ کے اندر جھانک کر اپنی حقیقت کو دیکھ لیا ہو۔''

یعنی خوفِ آخرت اور خشیت الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے۔ اسی فقر و استغناء اور دنیا سے کنارہ کشی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت ان کے گھر میں کوئی بھی سامان نہ تھا۔ چنانچہ ابو حمدون جو شیخ کے جنازہ میں شریک تھے، کہتے ہیں کہ:

لما دفناه ترکنا بابه مفتوحاً ما خلف شیئاً (۲)

''جب ہم نے ان کو دفن کر دیا تو ان کے گھر کے دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا، کیونکہ انہوں نے اپنے پیچھے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا۔''

وفات:۔ جمادی الاخریٰ ۲۰۳ ہجری میں بایامِ خلافت مامون کوفہ میں رحلت فرمائی۔ (۳) بعض علماء نے ان کا سال وفات ۲۰۶ ہجری بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۹۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۰۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۱

حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ عیسیٰ نام اور ابوعمرو کنیت تھی۔(۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عیسیٰ بن یونس ابن ابی اسحاق، عمرو بن عبداللہ بن احمد بن ذی یحمد بن السبیع بن سبع بن صعب بن معاویہ، ابن کثیر بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔(۲) خاندانی نسبت سے ہمدانی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر کوفی کہلاتے ہیں۔

وطن:۔ ان کا اصلی وطن تو کوفہ تھا اور غالباً وہیں پیدا بھی ہوئے، کچھ دنوں بعد بغداد میں بھی مجلس درس و افادہ گرم کی، لیکن پھر شام کے سرحدی علاقہ حدث (۳) میں مستقل طور پر مرابط (۴) کی حیثیت سے اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ حضرت سمعانیؒ کا بیان ہے:

کان عیسیٰ قد انتقل عن الکوفۃ الی بعض ثغور الشام فسکنھا(۵)

''عیسیٰ بن یونسؒ کوفہ سے شام کے ایک سرحدی علاقہ میں منتقل ہو کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔''

علامہ ابن سعدؒ کا بیان اس سلسلہ میں سب سے واضح ہے، وہ رقمطراز ہیں:

عیسیٰ بن یونس السبیعی من اھل الکوفۃ تحول الی الثغر منزل بالحدث ومات بھا فی خلافۃ ھارون (۶)

''عیسیٰ بن یونسؒ کوفہ کے رہنے والے تھے، پھر سرحدی علاقہ حدث میں منتقل ہو کر مقیم ہو گئے اور وہیں ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔''

خاندان:۔ حضرت عیسیٰ بن یونسؒ اس خانوادۂ فضل و کمال سے تعلق رکھتے تھے جس کا ہر فرد آسمان علم وفن کا اختر تاباں تھا، بلاشبہ جماعت تابعین میں ابواسحاق سبیعی اس حیثیت سے بہت ہی ممتاز ہیں کہ ان کے خاندان میں ائمہ وعلماء کی پوری ایک جماعت تیار ہو کر نکلی، جن میں سے کسی نے قرآن وحدیث میں نام روشن کیا تو کوئی فقہ و فتاویٰ کی مسند ریاست پر فائز ہوا، عبادت و ریاضت، تواضع وانکسار، بے نفسی وفروتنی، ان سب میں قدر مشترک تھی، ابواسحاق سبیعیؒ کے علاوہ اس خانوادۂ عالیہ میں جو علماء نامور ہوئے، ان میں حضرت یونس بن ابی اسحاق، اسرائیل بن

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) مقام حدث کی تعیین کرتے ہوئے صاحب تقویم رقمطراز ہیں۔ "ھو مدینۃ صغیرۃ عامرۃ فیھا میاہ وزرع کثیر و اشجار کثیرۃ وھو ثغر" صفحہ ۲۶۳۔ (۴) یعنی سرحدی محافظ۔ (۵) کتاب الانساب للسمعانی، ورق ۲۹۰۔ (۶) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۸۷۔

یونس، عیسیٰ بن یونس، یوسف بن یونس، اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی اور یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاقؒ قابل ذکر شامل ہیں۔

فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے وہ بلند پایہ اتباع تابعین میں تھے، جامعیت اور تبحر علمی میں ان کی نظیر شاید ہی ملتی ہے، حضرت ولید بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ امام اوزاعی سے میری روایات کے بارے میں سوائے عیسیٰ بن یونس کے مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں، کیونکہ میں نے موصوف کو امام اوزاعیؒ سے پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کسب فیض کرتے دیکھا ہے اور بلاشبہ وہ تمام باقی علمائے عرب سے افضل ہیں۔ امام وکیعؒ کا قول ہے:

ذالک رجل قد قهر العلم (۱)

''یہ شخص علم پر غالب ہے۔''

حدیث:۔ حدیث میں انہوں نے وقت کے کبار محدثین اور ارباب فن سے مہارت حاصل کی تھی اور پھر خود بھی اساتذۂ عصر میں شمار ہوئے، اپنے جد امجد ابواسحاق سبیعی کے دیدار سے دید شوق کو روشن کیا تھا، لیکن ان سے سماع کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ دوسرے تابعین کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کے خصوصی اساتذۂ حدیث میں سلیمان الاعمش کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ خود حضرت عیسیٰ بن یونسؒ ہی سے مروی ہے کہ:

اربعين حديثا حدثنا بها الاعمش فيها ضرب الرقاب لم يشركني فيها احد غير محمد بن اسحاق (۲)

''مجھ سے اعمش نے چالیس حدیثیں بیان کی تھیں، ان میں سے ایک ضرب الرقاب کی حدیث بھی ہے۔ اس کی سماعت میں محمد بن اسحاق کے علاوہ میرا کوئی شریک نہیں ہے۔''

ان کے لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ہشام بن عروہ، عبیداللہ بن عمر، سلیمان الاعمش، امام اوزاعی، شعبہ، مالک بن انس، ابن جریج، یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد ابن اسحاق یونس بن ابی اسحاق، اسرائیل بن یونس، ابن عون، ولید بن کثیر، زکریا بن ابی زائدہ، ابن ابی عروبہ، معمر بن راشدؒ۔ (۳)

تلامذہ:۔ اسی طرح ان کے چشمہ فیض سے اپنی تشنگی علم کو فرو کرنے والے وارفتگان علم کا دائرہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۲ و تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۹

بھی خاصا وسیع ہے۔ جن میں ان کے والد یونس بن ابی اسحاق اور صاحبزادے عمر بن عیسیٰ کے علاوہ اسماعیل بن عیاش، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یعقوب الدورقی، حسن بن عرفہ، ولید بن مسلم، بقیہ بن الولید، عبداللہ بن وہب، مسدد، حکم بن موسیٰ، یحییٰ بن اکثم، علی بن حجر، حسن بن عرفہ کے نام لائق ذکر ہیں۔(۱)

علاوہ ازیں حماد بن سلمہؒ بھی عمر میں ابن یونسؒ سے بڑے ہونے کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں۔

فقہ:۔ پورا خاندان سبیعی فقہ میں تمغۂ امتیاز رکھتا تھا۔ حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کو بھی اس چشمہ فیض سے بہرۂ وافر نصیب ہوا تھا۔ حضرت سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رئیس الفقہاء سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں شریک تھے کہ اسی اثناء میں عیسیٰ بن یونس تشریف لے آئے۔ ان پر نظر پڑتے ہیں ابن عیینہ نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا: مرحبا بالفقیه ابن الفقیه ابن الفقیه۔(۲)

قرأت قرآن:۔ کلام پاک کی مختلف قرأتوں کا علم بھی گذشتہ زمانہ میں بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے حدیث وفقہ کی طرح علماء اس کی تحصیل کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور اس میں جدوجہد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن یونس اس فن میں مہارت اور یدطولیٰ رکھتے تھے۔ جعفر بن یحییٰ البرمکیؒ کا قول ہے:

مارأینا فی القراء مثل عیسیٰ بن یونس (۳)

''ہم نے قراء میں عیسیٰ بن یونس کی نظیر نہیں دیکھی۔''

نحو:۔ عنفوانِ شباب میں علمِ نحو کی طرف ان کا خصوصی رجحان تھا، اور اس میں انہیں جلد ہی اس حد تک قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ اپنے معاصرین پر تفوق کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ اس لئے اپنی نفس کشی کے لئے انہوں نے نحو کی طرف اپنی توجہ کو بالکل ہٹالیا، احمد بن داؤد کی روایت سے خود عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ:

لم یکن فی اسنانی ابصر بالنحو منی قد خلتنی منه نخوة فترکته(۴)

''میرے ہمعصروں میں نحو کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا، اس سے مجھ میں غرور

---

(۱) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۹۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۵ و تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۴ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۵۔ (۴) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۱

پیدا ہو گیا، چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔‘‘

حج و جہاد:۔ کم وبیش ۹۰ برس کی طویل عمر میں انہوں نے مختلف مقامات پر علم وفن کے چشمے جاری کیے تھے، لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ حج اور جہاد میں گزرا تھا۔

بعض بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سال حج کرنے اور ایک سال جہاد فی سبیل اللہ میں رہنے کا معمول بنالیا تھا اور آخر عمر تک اس پر عامل رہے، ان کے شاگرد رشید احمد بن خباب راوی ہیں کہ:

غزا عیسٰی بن یونس خمسًا واربعین غزوۃً وحج خمسا واربعین حجۃ (۱)

’’عیسیٰ بن یونس نے ۴۵ حج اور ۴۵ جہاد میں شرکت کی۔‘‘

استغناء:۔ ائمہ اسلام کے عام شعار کے مطابق عیسیٰ بن یونس بھی استغناء و بے نیازی کا پیکر مجسم تھے۔ بالخصوص وہ حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم وتدریس پر کوئی معاوضہ قطعی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اسی مثالی اور معیاری شعار نے بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں محیر العقول علمی وفنی کارنامے انجام دلائے۔

حب جاہ اور حرص وآز کی زیادتی علم کی افادیت کو ختم کر دیتی ہے، جس کی نظیر عصر حاضر میں عامۃ الورود ہے، لیکن علمائے سلف کے نزدیک اس کا تصور بھی محال تھا۔ حضرت ابن یونس بھی اس کی اعلیٰ مثال تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے ایام خلافت میں امین اور مامون امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث سنانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے متعدد روایتیں بیان کیں، پھر اس کے بعد مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ مامون نے خیال کیا کہ وہ اس رقم کو کم سمجھ کر قبول نہیں کر رہے ہیں، چنانچہ اس نے پھر بیس ہزار درہم پیش کیے، مگر اس پر بھی ابن یونسؒ نے انتہائی شانِ استغناء کے ساتھ جواب دیا:

لا ولا اھلیلجۃ ولا شربۃ ماء علیٰ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو ملئت لی ھذا المسجد الی السقف (۲)

’’نہ، حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر نہ تو میں ایک ہڑ ہی قبول کروں گا اور نہ ایک گھونٹ پانی، خواہ میرے لئے یہ مسجد زمین سے چھت تک بھر کیوں نہ دی جائے۔‘‘

اسی طرح ایک دفعہ انہیں اہل رقہ نے درس دینے کے لئے بلایا۔ جب وہ اس سے فارغ

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ صفحہ ۴۸۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۴ و تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۴۸

ہوکر واپس جانے لگے تو ایک لاکھ کی خطیر رقم ان کی خدمت میں بار بار پیش کی۔ مگر وہ کسی طرح اسے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے اور ہر مرتبہ فرماتے لاحاجة لي فيها، جب اصرار حد سے فزوں تر ہوا تو بہت درشتی کے ساتھ نہایت فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

لا والله لايتحدث اهل العلم اني اكلت للسنة ثمناً الا كان هذا قبل ان ترسلوني الي. فاما على الحديث فلا والله ولا شربة ماء ولا اهليجة (۱)

نہیں، بخدا اہل علم یہ نہ کہیں کہ میں نے حدیث کی قیمت وصول کی ہے۔ ہاں اس صورت میں اسے قبول کر لیتا جب تم مجھے بلا نہ بھیجتے۔ بخدا حدیث پر نہ تو میں ایک گھونٹ پانی قبول کرنے کو تیار ہوں اور نہ ایک ہڑ لینے کو۔

تثبت وعدالت اور اعتراف علماء:۔ ان کی ثقاہت وعدالت، علم وفضل اور اوصاف و کمالات کا اعتراف نہ صرف ان کے فضلائے وقت تلامذہ نے بلکہ ان کے معاصرین اور ہم پلہ ائمہ نے بھی نہایت فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام نوریؒ نے لکھا ہے:

اجمع الائمة على جلالته وتوثيقه وارتفاع مرتبته(۲)

''ان کی جلالت شان، علو مرتبت اور ثقاہت پر ائمہ کا اجماع ہے۔''

اس حیثیت سے بلاشبہ حضرت عیسیٰ بن یونسؒ منفرد اور عدیم النظیر تھے کہ ان پر کسی بھی اہل علم اور ناقد فن کو کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

بخ بخ ثقة مامون (۳)

حضرت علی بن مدینیؒ کا بیان ہے:

جماعة من الاولاد اثبت عندنا من ابائهم منهم عيسى بن يونس بن ابي اسحاق السبيعي (۴)

''ہمارے نزدیک ائمہ کی اولاد کی ایک جماعت اپنے آباء سے زیادہ تثبت رکھتی ہے۔ انہی میں عیسیٰ بن یونس بھی ہیں۔''

حضرت ابن عمار کہتے ہیں کہ فرزندان یونس یعنی اسرائیل، عیسیٰ اور یوسف میں عیسیٰ کا مرتبہ ثقاہت سب سے بلند و برتر ہے۔ عجلی کا قول ہے:

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۵۶ وتہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۲) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۴۸۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج اصفحہ ۳۰۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۴

عیسیٰ بن یونس کوفی ثقة و کان تثبتا فی الحدیث

''عیسیٰ بن یونس کوفی ثقہ ہیں اور حدیث میں تثبت رکھتے ہیں۔''

علامہ سمعانیؒ رقمطراز ہیں:

کان ماموناً ثقة صدوقاً (۱)

''وہ مامون، ثقہ اور صدوق تھے۔''

حضرت ابن سعدؒ خامہ ریز ہیں کہ:

کان ثقة ثبتاً (۲)

وفات:۔ ان کی وفات کے متعلق بہت متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۸۱ ہجری سے ۱۹۱ ہجری تک کے مختلف اقوال ہیں، لیکن علامہ یافعیؒ اور حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ صحیح ترین قول کے مطابق وسط رمضان ۱۸۸ ہجری میں بمقام حدث، یہ آفتاب علم غروب ہوا۔ (۳)

(۱) کتاب الانساب ورق ۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۴۲۰ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۱

حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ فضل نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام موسیٰ ہے۔ بنو قطیعہ مروزی سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مروزی(۱) اور وطن کی طرف منسوب ہو کر سینانی مشہور ہوئے۔(۲)

مولد اور وطن:۔ ۱۱۵ ہجری میں بمقام سینان پیدا ہوئے۔ یہ مرو سے پانچ فرسخ پر واقع ایک گاؤں ہے۔(۳) ملک خراسان میں مقروہ مردم خیز خطہ ہے جس کو محدثین وفقہاء کے ایک انبوہ عظیم کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، کسی زمانہ میں کوفہ بصرہ اور بغداد کی طرح وہ بھی علم کا ایک بڑا مرکز شمار ہوتا تھا۔ جن ائمہ کے ناموں کے ساتھ مروزی کی نسبتیں لگی ہوئی ہیں وہ دراصل مرو ہی کی طرف منسوب ہیں۔

ترکِ وطن کا واقعہ:۔ ایک افسوسناک واقعہ کی بناء پر شیخ سینانی اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر دوسرے گاؤں میں جا کر رہنے لگے تھے، چونکہ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اس لئے یہاں اس کا تفصیلی ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا۔

جب شیخ فضل بن موسیٰ'' کے آفتاب علم وفضل کی کرنیں اطراف عالم میں پھیلیں، تو تشنگان علم کے قافلے ہر سمت سے اسی ایک مرکز فضل کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ سینان طالبان علم کی کثرت سے بھر گیا تھا۔ شیخ کی اس درجہ مقبولیت اور شہرت بہت سے دلوں میں کھٹکنے لگی اور وہ ان کی بدنامی کی تدبیریں کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے ایک فاحشہ عورت سے مال وزر کی حرص دلا کر یہ اقرار کرالیا کہ شیخ فضل (حاشا وکلا) کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں۔ پھر حاسدین نے ان پر بدکرداری کا اتہام عائد کیا، جس سے دلبرداشتہ اور ملول ہو کر فضل بن موسیٰؒ نے وہ گاؤں ہی چھوڑ دیا اور ایک دوسرے قریہ ''راماشاہ'' نامی میں جا کر سکونت اختیار کرلی۔

لیکن چند ہی دن بعد خدائے عزوجل نے اپنے مقبول بندہ کی برأت کا سامان بھی کر دیا۔ ہوا یہ کہ شیخ فضل کے ترک وطن کے بعد قریہ سینان میں شدید ترین خشک سالی پیدا ہوگئی۔ لوگوں کو اپنی غلطی اور قدرت کے انتقام کا فوراً احساس ہوگیا۔ چنانچہ وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنی نازیبا حرکتوں کی معافی مانگی اور بہت منت سماجت کر کے دوبارہ سینان چلنے کی

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۶۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۵۸۹۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۳۔

درخواست کی، لیکن شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے کذب صریح اور بہتان عظیم کا اعتراف کرو۔ چنانچہ لوگوں نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا۔ اپنی برأت سننے کے بعد انہوں نے فرمایا:

لا اسکن قریة اهلها کذبه صفة

''میں ایسے گاؤں میں ہرگز نہیں رہوں گا جس کے باشندے جھوٹے ہیں۔''

اور پھر تا حیات راماشاۃ ہی میں مقیم رہے۔(۱)

فضل وکمال:۔ علم وفضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے جو زمانہ پایا تھا اس میں تابعین کرام کی لائی ہوئی بہاریں ختم ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ اتباع کی تازہ دم جماعتیں علم وکمال کی مجلسیں سجا کر درس وافادہ میں مشغول تھیں۔ حضرت فضل ابن موسیٰؒ نے کوفہ اور دوسرے مراکز علم وفن کا سفر کر کے اپنے جیب و داماں کو لاتعداد گوہر آبدار سے مالا مال کیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر وہ خود بھی مشاہیر زمانہ ائمہ میں شمار کیے گئے۔

حافظ ذہبیؒ انہیں "احد علماء الثقات" اور شیخ مرو ومحدثها لکھتے ہیں۔(۲) علامہ سمعانی ان کو علم وفضل اور عمر میں عبداللہ بن مبارک کا قرین ومثیل قرار دیتے ہیں۔(۳)

حدیث:۔ حدیث ہی ان کے فکر ونظر کا خصوصی جولانگاہ تھی۔ اس کی سماعت کو کتابت انہوں نے حضرت سلیمان الاعمش، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، ابوحنیفہ، داؤد ابن ابی ہند، خثیم بن عراک، معمر بن راشد، یونس بن ابی اسحاق السبیعی، سفیان ثوری، شریک اور قاضی شریحؒ سے کی تھی۔(۴)

تلامذہ:۔ ان کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہونے والوں میں علی بن حجر، معاذ بن اسد، محمود بن غیلان، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن اکثم اور محمد بن حمیدؒ کے اسمائے گرامی معروف وممتاز ہیں۔(۵)

تثبت وثقاہت:۔ اتقان اور ثقاہت میں بھی ان کا مرتبہ بہت ارفع ہے۔ تمام علماء ان کی صداقت وثقاہت کے معترف ہیں۔ حضرت ابونعیم کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن مبارک سے بھی زیادہ ثبت(۶) تھے۔ ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ "هو صدوق صالح"(۷) عبداللہ بن مبارک

(۱) اللباب فی الانساب ج ا صفحہ ۵۹۰۔ وکتاب الانساب ورق ۴۲۳۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۳۴ والعبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۳۰۷۔ (۳) کتاب الانساب ورق ۴۲۳۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۶۔ (۵) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفحہ ۳۰۹ وکتاب الانساب ورق ۴۲۳ وتہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷۔ (۶) العبر ج ا صفحہ ۳۰۷۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷

انکے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "حدثنی الثقة" (۱) امام وکیعؒ کا قول ہے "اعرفه ثقة صاحب سنة" (۲) علاوہ ازیں حضرت یحییٰ بن معین، ابن شاہین، امام بخاری، علامہ ذہبی، ابن حبان اور علامہ ابن سعدؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۳) صرف علی بن المدینیؒ ایک تنہا شخص ہیں جو سینانی کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔

عقل و فرزانگی:۔ بہت ہی دانشمند اور ذہین و فطین تھے، ابو اسماعیلؒ ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکثر ابو نعیمؒ کو فضل بن موسیٰؒ کے بارے میں یہ کہتے سنا ہے کہ:

وكان والله عاقلاً لبيبا (۴)

"بخدا وہ بہت عاقل اور دانشمند تھے۔"

اعتراف علماء:۔ مشہور محدث حاکم ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كبير السن عالي الاسناد و امام من ائمة عصره في الحديث

"سن رسیدہ، بلند اسناد اور اپنے زمانہ کے ائمہ حدیث میں تھے۔"

ابراہیم بن شماسؒ نے ایک دفعہ امام وکیعؒ سے سینانیؒ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

لبت سمع الحديث معنا لاتبالي سمعت الحديث منه اومن ابن مبارک (۵)

"وہ ثبت ہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ حدیث کا سماع حاصل کیا تھا۔ تم اگر ان سے یا ابن مبارک سے سماع کرو تو پھر کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔"

علامہ سمعانیؒ نے لکھا ہے کہ "وہ علم اور عمر دونوں میں عبداللہ ابن مبارکؒ کے برابر تھے۔" (۶)

وفات:۔ باختلاف روایت ربیع الاول ۱۹۱ ہجری یا ۱۹۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ علامہ ذہبی نے اول الذکر ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۷) راماشاۃ ہی میں جہاں وہ ترک وطن کے بعد مقیم تھے، تدفین ہوئی۔ (۸)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷۔ (۲) العبر ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) خلاصہ تذہیب صفحہ ۳۰۹ و میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۳۴ و تہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۸۷ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۴۔ (۴) تہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷۔ (۵) ایضاً۔ (۶) کتاب الانساب ورق ۳۲۳۔ (۷) العبر ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۸) سمعانی ورق ۳۲۳

حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔ قاسم نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا اسم گرامی معن تھا۔ شجرۂ نسبت یہ ہے:

قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحرث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نذار بن معد بن عدنان (۱) نسباً ہذلی اور مسعودی کہلاتے ہیں۔

خاندان اور وطن: ۔ مخزن علم کوفہ کو ان کی وطنیت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے جد امجد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصیت آسمان صحابیت کا وہ کوکب تاباں تھی جس پر پوری اسلامی تاریخ فخر کرتی ہے، وہ نہ صرف قرآن وحدیث اور اصول وفرائض وغیرہ علوم میں یگانہ زمانہ تھے بلکہ فقہ میں ایک مستقل مکتب فکر کے بانی بھی تھے۔ جس کی اساس پر بعد میں فقہ حنفی کا فلک رفعت محل تعمیر ہوا۔ قاضی قاسمؒ نے اپنی اس آبائی علمی وراثت سے حصہ وافر پایا تھا۔

شیوخ: ۔ جن ائمہ وعلماء کے فیضان صحبت نے قاضی قاسمؒ کو چشمک زن آفتاب بنانے میں حصہ لیا، ان میں نمایاں یہ نام ہیں: حضرت ہشام بن عروہ، عاصم الاحول، سلیمان التیمی، منصور ابن المعتمر، یحییٰ بن سعید، امام اعمش، طلحہ بن یحییٰ، داؤد بن ابی ہند، محمد بن عمروؒ۔ (۲)

تلامذہ: ۔ خود ان کے دامنِ فیض سے وابستہ رہنے والے اساطین علم میں عبدالرحمٰن بن مہدی، ابونعیم، عبداللہ بن الولید، علی بن نصر اور معافی بن سلیمانؒ کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۳)

فضل وکمال: ۔ علمی اعتبار سے ان کا مقام نہایت بلند تھا۔ جملہ علوم وفنون پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ حدیث وفقہ، تاریخ ورجال، زبان وادب میں ان کا عبور مسلم خیال کیا جاتا تھا۔ ابوحاتم بیان کرتے ہیں:

كان من اروى الناس للحديث والشعر واعلمهم بالفقه والعربية (۴)

''وہ حدیث، فقہ اور عربیت کے بہت بڑے واقف کار تھے۔''

ابن ناصر الدین کہتے ہیں:

كان اماماً علامة ثقة قاضي الكوفة (۵)

---

(۱) معجم الادباء ج ۵ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۱۷۔ (۵) شذرات الذہب ج اصفحہ ۲۸۹

''وہ امام، علامہ، ثقہ اور کوفہ کے قاضی تھے۔''

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة عالماً بالحدیث والفقه والشعر وایام الناس (۱)

''وہ ثقہ، حدیث وفقہ اور شعر وتاریخ کے عالم تھے۔''

حافظ ذہبیؒ نے **الامام العلامة** اور خزرجی نے **احد الاعلام** لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔(۲) امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ تنوع اور تفنن فی العلوم میں ان کی نظیر شاید وباید ہی مل سکتی ہے۔(۳) علامہ یاقوت حمویؒ لکھتے ہیں:

ان القاسم من المحدثین والفقهاء والزهاد والثقات ولم یکن بالکوفة فی عصره نظیره ولا احد یخالفه فی شیی یقوله (۴)

بلاشبہ قاسم بن معن محدثین فقہاء، زہاد اور ثقات کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور کوفہ میں اس زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی اور نہ ان کے قول کی مخالفت کرنے والا کوئی شخص تھا۔

ثقاہت:۔ ائمہ جرح وتعدیل نے متفقہ طور پر ان کے عدول اور ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ امام احمد، ابوحاتم اور ابن حبان وغیرہ برملا ان کی توثیق کرتے ہیں۔ مزید برآں امام ابوداؤد اور امام ترمذیؒ نے اپنی تصانیف میں ان کی مرویات کی تخریج کی ہے۔(۵)

فقہ حنفی کی اتباع:۔ اگرچہ قاضی قاسمؒ اپنے تبحر وکمال علم کی بناء پر امامت واجتہاد کے منصب جلیل پر فائز تھے، لیکن چونکہ انہوں نے ایک عرصہ تک امام ابوحنیفہؒ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا تھا اور وہ ان کی علمی ژرف بینی ونکتہ رسی سے بے حد متاثر تھے، اس لئے بیشتر امور میں ان ہی کے مسلک کی اتباع کرتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔(۶) ایک بار کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ خود کو امام ابوحنیفہ کے غلاموں میں شمار کرنا پسند کریں گے؟ برجستہ فرمایا:

ماجلس الناس الیٰ احد انفع من مجالسة ابی حنیفة (۷)

''امام ابوحنیفہؒ کی صحبت سے زیادہ نفع بخش کسی اور کی مجلس نہیں۔''

عہدۂ قضا:۔ فقہ وافتاء میں غیر معمولی مہارت کے باعث کوفہ کے عہدۂ قضاء پر بھی ایک طویل

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۷ وخلاصہ تذہیب صفحہ ۳۱۴۔ (۳) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۰۳ واخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۷۵۔ (۴) معجم البلدان ۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔ (۶) معجم الادباء جلد ۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۷) اخبار القضاۃ ج

عرصہ تک مامور رہے۔ ان کے جد امجد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کامل دس سال تک کوفہ کے قاضی اور افسر خزانہ رہ چکے تھے۔ جب قاضی شریک نخعی کی معزولی کے بعد یہ آبائی وراثت قاضی قاسم کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو انہوں نے اس فرض کو ایسی شان وشکوہ اور احتیاط و انصاف کے ساتھ انجام دیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی یاد تازہ ہوگئی۔

خلیفہ منصور کے زمانہ میں اس عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور پھر ہارون الرشید کے عہد تک برابر اس پر مامور رہے۔

ایثار وتبرع:۔ استغناء اور بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ اپنے طویل زمانہ قضا میں کبھی مشاہرہ اور اجرت لینا پسند نہ فرمایا اور تاحیات تبرعاً یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

ولی قضاء الکوفة ولم یرتزق علیه شیئاً حتی مات(۱)

''وہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور زندگی بھر اس کا مشاہرہ نہیں لیا۔''

جب ان کی خدمت میں تنخواہیں پیش کی جاتی تو اس کو فوراً مستحقین میں تقسیم کردیتے اور اس میں سے ایک حبہ بھی اپنے استعمال میں نہ لاتے۔ حضرت یزید بن یحییٰؒ کہتے ہیں:

کان القاسم یقسم ارزاقه اذا جاء ته ولا یستحل ان یاخذ رزقاً (۲)

''امام قاسم کے پاس جب تنخواہ آتی تو اس کو تقسیم کردیتے تھے اور کوئی مشاہرہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔''

حالتِ مرض میں فرض کی ادائیگی:۔ اس تبرع و بے نیازی کے باوجود منصبِ قضاء کی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سرمو کوتاہی نہ کرتے۔ یہاں تک کہ شدید علالت ونقاہت کی حالت میں بھی مجلس عدالت منعقد کرتے اور پوری حاضر دماغی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کرتے۔ ابن کناسہؒ بیان کرتے ہیں کہ قاسمؒ سخت بیماری کے عالم میں بھی عدالت میں بیٹھے تھے۔ (۳)

عالی ظرفی:۔ فطری شرافت، نرم خوئی اور بلند ظرفی ان کی شخصیت کے خاص جوہر تھے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ذیل کا واقعہ کافی ہے۔

ایک شخص نے اپنے مکان کا چھجہ اتنا نیچا لگوا رکھا تھا کہ اس سے راہ گیروں کو دقت پیش آتی تھی۔ لوگوں نے اس معاملہ کو قاضی قاسمؒ کی بارگاہِ عدل وانصاف میں پیش کیا۔ قاضی موصوف نے اس کے انہدام کا فیصلہ صادر کیا، اس پر مالک مکان نے بغیر کسی رو رعایت کے قاضی سے کہا کہ

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۷۷ (۳) ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۷۹

پھر آپ نے کیوں اپنے مکان میں سر راہ روزن کھلوا رکھے ہیں؟ فرمایا: اس سے کسی راہ گیر کو زحمت نہیں ہوتی اور نہ سواریوں کی آمدورفت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد فوراً اپنے بعض خدام کو حکم دیا کہ وہ جا کر پہلے ان کے مکان کا روزن بند کر دیں اور پھر بعد میں اس شخص کے چھجے کو منہدم کریں تا کہ پھر آئندہ کوئی شخص اس معاملہ میں انہیں شرمندہ نہ کر سکے۔(۱)

خلیفہ کے نزدیک قدر و منزلت:۔ ان کے علم و فضل اور ایثار و قربانی سے خلیفہ ہارون الرشید بے حد متاثر تھا۔ بعض مفسد قاضی قاسم کے خلاف برابر ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے اور خلیفہ کو ان کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن وہ کسی کی بات پر کان نہ دھرتا۔

ایک بار ہارون الرشید حیرہ گیا اور چالیس دن تک وہاں مقیم رہا۔ لیکن قاضی قاسم بن معنؒ اس سے ملنے نہ آئے۔ اس پر وزیر فضل نے خلیفہ سے کہا کہ "حضور آپ چالیس دن سے یہاں آئے ہوئے ہیں، اس عرصہ میں تمام شرفاء اور قضاۃ آپ کے دربار میں حاضر ہوئے، مگر آپ نے خیال نہ فرمایا کہ قاسم بن معن ابھی تک نہیں آئے۔" یہ سن کر خلیفہ نے نہایت ترش لب و لہجہ میں جواب دیا:

ماعرفني اي شيئي ماذا تريد؟ تريد ان اعزله لا والله لااعزله(۲)

"مجھے معلوم نہیں تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تمہارے خیال میں قاسم کو معزول کر دوں۔ نہیں بخدا میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

کسائی کا اعتراف:۔ فقہ و حدیث کے ساتھ نحو میں بھی غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ کسائی جو علم نحو کی مہارت میں آفاقی شہرت کا حامل ہے، قاضی قاسم کی فضل و تقدم کا معترف ہے اور بایں ہمہ فنی مہارت و تبحر علم کے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کو مایہ صد افتخار تصور کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے اس سے پوچھا کہ "تم علم، نسب اور فضل میں ان سے مقدم ہو، پھر تم ان سے نحو کیوں حاصل کرتے ہو؟"

اس نے برجستہ کہا "قاسم بن معن میں تین خوبیاں ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

الحفظ لما يسمع العلم بما يعي والصدق فيما يؤدى (۳)

"جو کچھ سنتے ہیں اس کو یاد رکھنے کی حیرت انگیز قوت، علم اور صدق۔"

(۱) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۸۲۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۸۰۔ (۳) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۸۱

وفات:۔ ۱۷۵ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ مقام رقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ درمیان میں مقام راس عین پہنچ کر پیغام اجل آ گیا اور محبوب حقیقی سے جا ملے۔ احمد بن کاملؒ نے ان کا سنہ وفات ۱۸۸ھ بتلایا ہے۔ لیکن بقول مرزبانی اول الذکر ہی اصح ہے۔(۱)

تصنیفات:۔ قاضی قاسمؒ نے کئی کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ لغت میں ''کتاب النوادر''، حدیث میں ''غریب المصنف'' اور اس کے علاوہ فن نحو میں بھی کچھ کتابیں ہیں۔(۲) لیکن ان کے کسی نسخہ کے وجود کا علم نہیں ہے۔

(۱) معجم البلدان ج۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) الاعلام جلد ۲ صفحہ ۷۸۶ و فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۱۳

حضرت قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: قبیصہ نام اور ابو عامر کنیت تھی۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے:

قبیصہ بن عقبہ بن محمد بن سفیان بن عقبہ بن ربیعہ بن جنید بن رئاب بن حبیب بن سواءۃ بن عامر بن صعصعہ۔ (۲) جیسا کہ اس شجرۂ نسب سے ظاہر ہے، ان کا نسبی تعلق بنو سواءۃ سے تھا، اسی باعث سوائی کہلاتے ہیں۔ (۳)

ولادت اور وطن: ان کے سنہ ولادت کے بارے میں کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی۔ لیکن بعض قرائن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ۱۳۸ ہجری یا ۱۴۰ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے یحییٰ بن یعمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام قبیصہؒ یحییٰ بن آدم سے دو ماہ بڑے تھے۔ (۴) اور قاضی یحییٰ بن آدم کے سال ولادت کے بارے میں علماء کا قوی قرینہ مذکورہ بالا سنین ہیں۔ بہرحال اتنا تو شک سے بالا ہے کہ قبیصہ کو امام ابن آدم کی معاصرت حاصل تھی، وہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔

علم وفضل: علمی کمالات کے اعتبار سے ممتاز اتباع تابعین کی جماعت میں داخل تھے۔ انہوں نے تابعین عظام سے شرف لقاء کے حصول کے ساتھ ان سے استفاضہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی اور اکابر علماء کے فیض تربیت نے انہیں بلند علمی منصب عطا کردیا تھا۔ زہد وورع، حفظ و ذہانت، عبادت وریاضت اور اس کے ساتھ ثقاہت وعدالت، تمام اوصاف سے متصف تھے۔ یوں تو حدیث ان کا اصل تمغۂ امتیاز تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی دوسرے علوم میں دسترس ومہارت رکھتے تھے۔ امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ کونسا علم ہے جو قبیصہؒ کے پاس نہیں۔ (۵)

اسحاق بن یسار بیان کرتے ہیں:

مارایت شیخا احفظ منه (۶)

میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

ابن عماد حنبلی "العابد الثقة احد الحفاظ" اور حافظ ذہبی "الحافظ الثقه

---

(۱) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۲۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۷۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۷۴۔ (۴) تہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۸۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۶۸

المکثر" لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہیں۔(۱)

حدیث:۔ اوپر مذکور ہوا کہ امام قبیصہؒ کے فکر ونظر کی اصل جولانگاہ حدیث نبوی ﷺ تھی۔ اس کی تحصیل انہوں نے نہ صرف عالی مرتبہ تبع تابعین سے کی تھی، بلکہ متعدد تابعین کے دامن فیض سے وابستہ رہ کر اس فن کے نکات واسرار میں مہارت پیدا کی تھی۔ اس کا اندازہ ان کے شیوخ حدیث کی درج ذیل فہرست سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

حضرت مسعر بن کدام، عیسیٰ بن طہمان (تابعین) امام شعبہ، جراح بن ملیح (امام وکیعؒ کے والد) سفیان ثوری، اسرائیل بن یونس، حماد بن سلمہ، یونس بن اسحاق، عبدالعزیز ابن الماجشون، یحییٰ بن سلمہ، حمزہ بن حبیب الزیات اور وہب بن اسماعیل (رحمہم اللہ تعالیٰ)(۲)

تلامذہ:۔ خود امام قبیصہؒ سے مستفیض ہونے اور سماع حدیث کرنے والے تشنگان علم کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کے آفتاب علوم کی کرنوں سے امام بخاریؒ اور ابوزرعہ جیسے اعیان حفاظ حدیث کے قلوب بھی منور ہوئے۔ کچھ نامور علماء کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ، حارث بن اسامہ، یحییٰ بن بشر البلخی، ھناد بن السری، محمود بن غیلان، عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن خلف، محمد بن یونس النسائی، بکر بن خلف، ابوعبید القاسم بن سلام، احمد بن حنبل، عباس الدوری، جعفر بن محمد الصائغ، اسحاق بن یسار (رحمہم اللہ تعالیٰ)(۳)

مرویات کا پایہ:۔ ماہرین جرح وتعدیل نے ان کی ثقاہت اور تثبت واتقان کو کثرت رائے سے تسلیم کیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

کان قبیصۃ ثقۃ صالحاً لابأس بہ (۴)

"قبیصہ ثقہ صالح تھے، ان کی روایات قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

ابن خراشؒ کا قول ہے "صدوق صالح" امام نسائی "لیس بہ باس" کہتے ہیں۔

جو بعض علماء ان کی مرویات کے قابل حجت ہونے پر کلام کرتے ہیں، وہ بھی علی الاطلاق انہیں ناقابل استناد نہیں قرار دیتے، بلکہ صرف مرویات سفیان ثوری کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ قبیصہؒ نے امام ثوریؒ سے نہایت صغرسنی میں حدیث کا سماع کیا تھا، اس لئے خاص امام سفیانؒ سے ان کی روایات کا پایہ ثقاہت اتنا بلند نہیں جتنا دوسرے شیوخ سے ان کی مرویات کا

---

(۱) شذرات الذہب ج۲ صفحہ ۲۵ وتذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج۸ صفحہ ۳۴۷ وتذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۳۴۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج۷ صفحہ ۳۴۸۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۳۴۲

ہے، چنانچہ ابن معین کا بہت صریح بیان ہے کہ:

قبیصه ثقة فی کل شیئی الا فی حدیث سفیان فانه سمیع منه وهو صغیر (۱)

قبیصہ امام ثوری کی حدیث کے علاوہ ہر باب میں ثقہ ہیں۔ اہل سفیان سے انہوں نے صغرسنی میں سماعت کی تھی۔ (اس لئے وہ معتبر نہیں)۔

لیکن خود امام قبیصہؒ کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے امام سفیان ثوریؒ سے جس وقت شرف صحبت حاصل کیا ان کی عمر سولہ سال تین ماہ تھی۔ (۲) اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کی امام سفیان ثوریؒ سے روایت کردہ حدیثوں کے قابل حجت نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے، کیونکہ اس عہد میں سولہ سال کی عمر میں طالبان علم نہ صرف مسند نشین درس و افتاء ہو جاتے تھے، بلکہ ان کے فضل و کمال کا شہرہ چاردانگ عالم میں پھیل جاتا تھا۔ مثال کے لئے امام شافعیؒ کا نام کافی ہے۔

علامہ ابن سعد قبیصہ کی ثقاہت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

کان ثقة صدوقاً کثیر الحدیث عن سفیان الثوری (۳)

''وہ ثقہ صدوق اور امام ثوری سے بکثرت روایت کرنے والے تھے۔''

حافظ ابن اثیر الجزریؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الروایت تھے۔ (۴)

مناقب وفضائل:۔ وہ علم وفضل میں بلند پایہ ہونے کے ساتھ گوناگوں اخلاقی اور عملی محامد کا مجموعہ بھی تھے۔ عبادت و صالحیت، زہد وتقویٰ اور تواضع و انکسار ان کے خاص جوہر تھے، اسی باعث زاہد اور راہب کوفہ کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے۔ (۵) ان کے تلمیذ رشید ہناد السری جب بھی اپنے شیخ کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتیں اور فرماتے کہ وہ نہایت صالح انسان تھے۔ (۶)

حق گوئی اور بے باکی میں بھی اپنی مثال خود تھے۔ ارباب سطوت وشوکت کے سامنے حق بات کہنے سے باز نہ رہتے تھے۔ جعفر بن حمدویہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار امیر ابودلف کا لڑکا دلف خدم وحشم کے ساتھ امام قبیصہؒ سے ملاقات کرنے ان کے گھر گیا، لیکن امام صاحبؒ باہر نہیں نکلے، کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا ''حضرت! جبل کا شہزادہ باہر کھڑا ہے اور آپ گھر سے نہیں نکلے۔''

(۱) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۸۔ (۲) ایضاً صفحہ ۳۴۶۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۱۔ (۴) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۷۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۵۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۶۸

راوی کا بیان ہے کہ شیخ اس عالم میں باہر تشریف لائے کہ ان کی لنگی سے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا لٹک رہا تھا اور فرمایا:

من رضی بھذا مایصنع بابن ملک الجبل و اللہ لا احدثہ(۱)

''جو اس (روٹی کے ٹکڑے) پر راضی اور خوش ہے اسے شہزادہ جبل سے کیا غرض۔ بخدا میں اس سے ہرگز روایت بیان نہ کروں گا۔''

وفات:۔ بروایت صحیح صفر ۲۱۵ھ ہجری میں بمقام کوفہ وفات پائی۔ اس وقت مامون رشید اورنگ خلافت پر دادِ حکمرانی دے رہا تھا۔(۲) ابن اثیرؒ نے صفر کی بجائے محرم کا ذکر کیا ہے۔(۳)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۸۱۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۷۵

حضرت قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ بعض کے نزدیک ان کا نام یحییٰ اور بعض کے نزدیک علی تھا اور قتیبہ لقب، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ نام قتیبہ تھا اور ابو رجاء کنیت تھی۔ نسب نامہ اس طرح ہے۔

قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبداللہ۔ (۱)

ان کے دادا جمیل بن طریف عراق کے مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف الثقفی کے غلام تھے۔ حجاج انتہائی ظالم وجابر اور تند مزاج ہونے کے باوجود جمیل کی بڑی تکریم کرتا تھا، انتہاء یہ ہے کہ جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا تو قتیبہ کے دادا کو اپنے دائیں جانب ایک علیحدہ کرسی پر بٹھایا کرتا تھا۔ (۲)

بنوثقیف کے ساتھ تعلق غلامی کی وجہ سے ثقفی کہے جاتے ہیں۔

ولادت:۔ شیخ قتیبہؒ کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں ان کے وطن بغلان میں ہوئی (جو بلخ کا ایک گاؤں ہے) ایک روایت میں ان کا سنہ ولادت ۱۴۸ ہجری بتایا گیا ہے، لیکن خود شیخ قتیبہؒ کے بیان سے اول الذکر ہی تائید ہوتی ہے، اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ (۳)

ان کا اصل وطن تو بغلان تھا، لیکن عراق آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں آباد ہو گئے تھے، کبھی اپنے وطن جاتے تو ایک دو دن رہ کر چلے آتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

ما کان مثلی فی بغلان مسکنۃ

ولا یمر بھا الا علی سفر (۴)

ترجمہ:۔ ''میری طرح بغلان میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کا وطن ہو تو بغلان مگر وہ وہاں آئے مسافر کی طرح۔''

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو!

کہ اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

تعلیم وتربیت:۔ شیخ قتیبہؒ کے والد سعید بن جمیل نہایت نیک اطوار اور خوش خو تھے، ایک بار انہوں نے عالم خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۴۔ (۲) ایضاً صفحہ ۴۶۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۶۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۷۔

رجسٹر (صحیفہ) تھا۔ سعیدؒ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا؟ "اس میں علماء کے نام درج ہیں۔" انہوں نے عرض کیا ذرا یہ مجھے مرحمت فرمادیں کہ میں دیکھوں، اس میں میرے لڑکے کا نام ہے یا نہیں؟ دیکھا تو اس میں ان کے فرزند قتیبہؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ (۱) ایسے نیک بخت اور حوصلہ مند باپ کے فرزند ہونے کی بناء پر قتیبہؒ کو اسلامی علوم وفنون کے ساتھ قلبی لگاؤ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس ذوق وشوق میں وطن سے نکل کر عراق، مدینہ، مکہ، شام اور مصر تک کا سفر کیا اور وہاں کے کبار ائمہ سے سماع کا شرف حاصل کیا۔

شیوخ:۔ شیخ قتیبہؒ کو مختلف امصار و بلاد کے جن ائمہ سے کسب فیض کا موقع بہم پہنچا، ان میں درج ذیل نام ملتے ہیں۔

حضرت امام مالک بن انس، لیث بن سعد، ابن لہیعہ، شریک (۲)، بکر بن مضر، مفضل بن فضالہ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن زید، عبدالعزیز بن ابی حازم، حفص بن غیاث، حمید بن عبدالرحمن الرواسی، عبدالوہاب الثقفی، فضیل بن عیاض، جعفر بن سلیمان الضبعی، ہشیم ابوعوانہ، یزید بن زریع، اسماعیل بن علیہ، ابن عیینہ، امام وکیع (۳)، ابن الجراحؒ وغیرہم۔

انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز صغر سنی ہی میں کر دیا تھا۔ چنانچہ جب وہ عراق آئے تو ان کی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ:

انحدرت الی العراق اول خروجی سنة ۱۷۲ و کنت یومئذ ابن ۲۳ سنة (۴)

میں جب سب سے پہلی مرتبہ ۱۷۲ ہجری میں عراق آیا تھا تو اس وقت میری عمر صرف ۲۳ سال کی تھی۔

علم وفضل:۔ تحصیل علم میں ان کی غایت درجہ محنت اور اکابر امت سے استفادہ نے انہیں علم کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔ حافظ ذہبی انہیں "الشیخ الحافظ محدث خراسان" لکھتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ عالم، صاحب حدیث اور کثرت سے سفر کرنے والے تھے۔ (۵) (یعنی تحصیل علم کے لئے) ابن عماد حنبلیؒ رقمطراز ہیں کہ:

الیه المنتهی فی الثقة (۶)

ثقاہت میں ان کا آخری درجہ تھا۔

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۵۹۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۶۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۰۔ (۶) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۹۵

درسِ حدیث:۔ امام قتیبہؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے، علم و فضل کا دفتر کھل جاتا، چنانچہ بغداد میں تشریف فرما ہوئے تو امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ جیسے ائمہ روزگار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر حدیث کا درس لیا، اور جو لوگ ان سے استفادہ کے موقع کو ضائع کر دیتے تھے، وہ اس پر کف افسوس ملتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہؒ کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ عباس العنبری ان کے پاس بیٹھے حدیث لکھ رہے تھے، میں اس وقت گذر گیا اور ان سے سماع نہیں کیا، لیکن بعد میں مجھ کو اپنے تساہل پر بڑی ندامت ہوئی۔(۱)

تلامذہ:۔ ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے حلقہ تلامذہ میں اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث داخل ہیں۔ کچھ ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام احمد بن حنبل، ابوخثیمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوداؤد السجستانی، ابوحاتم الرازی، ان کے علاوہ امام بخاری نے ان کی روایت کی ہوئی تین سو آٹھ اور امام مسلم نے چھ سو اڑسٹھ احادیث صحیحین میں درج کی ہیں۔(۲)

شیخ قتیبہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ کی روایتوں کے لئے اپنے صحیفہ میں الگ الگ علامتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ احمد بن محمد بن زکریا الکرمینی سے فرمایا کہ تم کو میری جن روایتوں پر سرخ نشان ملے سمجھنا کہ میں نے وہ روایتیں امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے روایت کی ہیں اور جن روایتوں پر سبز نشان ملے وہ یحییٰ بن معینؒ کی روایت کی ہوئی ہے۔(۳)

لیکن ابوالعباس السراج کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں دو قسم کی نہیں بلکہ سات قسم کی تھیں۔ ان سات میں سے دو تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے لئے ہی مخصوص تھی، باقی پانچ نشانیاں ابوخثیمہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ الحمانی، ابوزرعہ، عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی اور ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے لئے مخصوص تھیں۔(۴)

حضرت عبیداللہ بن سیار بیان کرتے ہیں کہ عراق میں کوئی بڑا امام ایسا نہیں ہے جس نے قتیبہ بن سعیدؒ سے روایت نہ کی ہو اور وہ بڑے سچے تھے۔(۵)

کثرتِ حدیث:۔ جیسا کہ مذکور ہوا شیخ قتیبہؒ نے حدیث کی جستجو میں ان تمام ملکوں کا سفر کیا

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۶۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۶۔
(۴) ایضاً۔(۵) ایضاً

تھا، جہاں ان کو حدیثوں کے ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ ان سفروں میں انہوں نے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا "اگر تم اس موسم سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا۔" شاگرد نے عرض کیا کہ "غالباً ان میں ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہوں گے۔" فرمایا "نہیں، صرف عمر بن ہارون سے تو میں نے الگ سے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ ایک لاکھ حدیثیں تو وکیع بن الجراح، عبدالوہاب الثقفی، جریر الرازی، محمد بن بکر البرسانی سے منقول ہیں۔" راوی کا بیان ہے کہ قتیبہ ابن سعیدؒ نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا، لیکن میں اس کو بھول گیا۔ (۱)

ایک عجیب واقعہ:۔ امام قتیبہؒ کی علمی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں قیاسی مسائل کی جستجو میں زیادہ رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک توشہ دان لٹک رہا ہے، لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ پھر میں (قتیبہ نے) اس کو لینا چاہا تو میں اپنی سعی میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی کل کائنات نظر آ گئی، صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو خواب کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے، میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا "بیٹے اب تو روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ، کیونکہ صرف روایات و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہنچ سکتی ہیں، قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت کہاں؟"

تمول:۔ عام اہل علم کے برخلاف شیخ قتیبہؒ بڑے مالدار تھے، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: "وکان غنیا متمولا" (۲) ان کے پاس اونٹ، بکریاں، گائیں اور گھوڑے وغیرہ بڑی کثرت سے تھے۔ (۳)

حلیہ:۔ ان کا حلیہ یہ تھا، میانہ قد و قامت، سر کے بال آگے سے غائب، پر رونق چہرہ، خوش وضع ڈاڑھی، اخلاق و عادات کے لحاظ سے بڑے مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔ (۴)

وفات:۔ ۲ شعبان ۲۴۰ ہجری میں اپنے وطن بغلان میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۹۱ سال تھی۔ (۵)

---

(۱) تاریخ بغدادی ج ۱۲ صفحہ ۴۶۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۰۔ (۳) تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۴) ایضاً۔
(۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۶۰ و تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۱

حضرت مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ مبارک نام اور ابو فضالہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے۔ مبارک بن فضالہ ابن ابی امیہ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے دادا ابو امیہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے غلام تھے اور مکاتبت پر رہائی حاصل کی تھی۔(۱) چونکہ حضرت عمرؓ قریش کے مشہور قبیلہ بنو عدی سے نسبی تعلق رکھتے تھے، اس لئے مبارک بھی ولاءً قرشی اور عدی مشہور ہوئے۔

وطن:۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔

فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے وہ ممتاز اور بلند پایہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ کے دیدار سے اپنی نگاہ شوق کو منور کیا تھا، لیکن ان سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت حسن بصریؒ کے دامن علم میں کامل ۱۴ سال گذارے اور لعل گرانمایہ بن کر نمودار ہوئے۔ علامہ ذہبیؒ انہیں "الامام الکبیر" اور "من کبار علماء البصرۃ" لکھتے ہیں۔(۲) یحییٰ بن سعید القطان برابر ان کی توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔(۳)

شیوخ:۔ جن اساتذہ حدیث سے انہوں نے علم کی تحصیل کی ان میں ممتاز نام یہ ہیں:

حضرت حسن بصری، بکر بن عبداللہ المزنی محمد بن المنکدر، ثابت البنانی، ہشام بن عروہ، حمید الطویل، عبید اللہ بن ابی بکر (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

تلامذہ:۔ ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں امام وکیع، مسلم بن ابراہیم، سلیمان ابن حرب، سعدویہ، شیبان بن فروخ، عفان بن مسلم، حبان بن ہلال، مصعب بن المقدام، ابوداؤد الطیالسی، عثمان بن الہیثم، عمرو بن منصور القیسی، موسیٰ بن اسماعیل، کامل بن طلحہ، علی بن الجعد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام لائق ذکر ہیں۔(۴)

جرح وتعدیل:۔ حضرت مبارک بن فضالہؒ کی ثقاہت وعدالت کے متعلق ائمہ فن کی رائیں مختلف ہیں۔ عام طور پر ان پر تدلیس کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوزرعہ، ابن ناصر الدین اور بعض دوسرے علماء کثیر التدلیس لکھتے ہیں، لیکن بعض شرطوں کے ساتھ ان کی

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۸، ۲۹

روایات کو قبول کر لینا درست ہے۔ امام ابوداؤدؒ کا بیان ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثبت

جب وہ روایت کرتے وقت حدثنا کہیں تو وہ قابل اعتماد ہیں۔

ابوزرعہؒ کا قول ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثقة مقبول

''جب وہ حدثنا کے لفظ سے روایت کریں، وہ ثقہ اور قابل قبول ہیں۔''

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حسن بصریؒ سے جو روایتیں کی ہیں وہ لائق حجت ہیں۔ ابوحاتمؒ انہیں عدالت کے اعتبار سے ربیع بن صبیحؒ پر فوقیت دیتے ہیں۔

ان کے تلمیذ رشید عفان بن مسلمؒ ان کی توثیق اور ان سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

علاوہ ازیں امام ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور عقیلیؒ نے بھی ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔(۲)

عبادت:۔ علم و فضل کے ساتھ ان کے عمل کی دنیا آباد تھی۔ چنانچہ علماء کا بیان ہے کہ وہ بہت عبادت گذار اور دنیا کی آزمائشوں سے کنارہ کش تھے۔(۳)

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۴ ہجری یا ۱۶۵ ہجری میں بایام خلافتِ مہدی انتقال فرمایا۔(۴)

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۳۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۶۰۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۲۴۳۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۸۰ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۵۔

حضرت محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام محمد اور والد کا اسم گرامی ابراہیم تھا، پورا نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن ابی شیبہ، ابراہیم بن عثمان بن خواستی۔(۱)

ولادت، خاندان اور وطن:۔ ۱۰۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصلاً واسطی تھے۔ لیکن بعد میں ان کا خاندان کوفہ میں آباد ہوگیا۔ قبیلہ بنو عبس کے غلام تھے۔ اسی وجہ سے کوفی اور عبسی مشہور ہوئے۔(۲) علمی حیثیت سے یہ خاندان:

''ایں خانہ ہمہ آفتاب است''

کا مصداق تھا۔ چنانچہ ان کے پدر بزرگوار ابی شیبہ ابراہیم علم وفضل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ابوجعفر منصور کے عہد حکومت میں کامل تیس سال تک واسط کے منصب قضا کی زینت بنے رہے۔ ان کے صاحبزادگان عبداللہ، عثمان اور قاسم کا شمار منتخب روزگار علماء میں ہوتا ہے۔ ان میں عبداللہ وہی ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں، جن کی مرتب کی ہوئی ''تصنف'' کو دنیائے علم میں لازوال شہرت نصیب ہوئی۔

شیوخ:۔ انہوں نے تحصیل علم کے لئے اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان بن مہران الاعمش، محمد بن عمرو بن علقمہ، عبدالحمید بن جعفر، ابی خلدہ خالد بن دینار، مسلمہ بن سعید اور امام شعبہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

تلامذہ:۔ ان کے صاحبزادگان ابوبکر عبداللہ، عثمان اور قاسم کے علاوہ یزید بن ہارون، عثمان بن محمد اور سعید بن سلیمان الواسطی کے نام ان سے مستفیض ہونے والوں میں ملتے ہیں۔(۳)

ثقاہت:۔ ان کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بغداد میں شرف نیاز حاصل کیا تھا۔ نہایت ثقہ بزرگ تھے، لیکن افسوس ہے کہ اس لقا کے باوجود میں ان سے کسی روایت کی کتابت نہ کر سکا۔(۴)

حضرت ابن معین ؒ ہی کا دوسرا بیان ہے کہ:

''کان ثقۃ ماموناً'' (۵)

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۴۳۔ (۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۳۸۳۔ (۴) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۲۵۔ (۵) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲

قضا:۔ اپنے تبحر علمی کی بناء پر ملک فارس کے بعض شہروں میں عدل و قضا کے منصب پر بھی مامور ہوئے، یہاں تک کہ وطن سے دور فارس میں ہی تاحیات مقیم رہے اور اسی خاک کا پیوند بنے۔

حلیہ:۔ نہایت حسین دخوبرو تھے۔ حضرت ابن معینؒ بیان کرتے ہیں کہ جب میں ان سے بغداد میں ملا تو اس وقت جوان رعنا تھے۔(۱)

وفات:۔ ان کے لڑکے قاسمؒ کے بیان کے مطابق ۱۸۲ ہجری میں بعمر ۷۷ سال انتقال ہوا۔(۲)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۳۸۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۱۲

امام محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعیؒ)

صحابہ کرام وتابعین عظامؒ کے خیر القرون کے بعد دین متین کی جس قدر خدمات ائمہ اربعہؒ نے انجام دیں وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کے اوراق میں انمٹ نقوش بن کر مرتسم ہیں۔ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے تو اپنے فضل وعلم، زہد وتقویٰ، تبحر وجامعیت اور باریک بینی ونکتہ آفرینی سے پورہ دنیا کو گرویدہ اور شیدا بنالیا تھا، وہ جہاں کہیں بھی جاتے پورا خطہ ارض بقعہ نور بن جاتا اور لاکھوں وارفتگان علم اس شمع فروزاں کے گرد منڈلانے لگتے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس کے مقلدین ربع مسکون کے گوشہ گوشہ میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں، وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ عراق، خراسان، شام، انڈونیشیا، حضر موت اور ملایا وغیرہ میں مذہب شافعی کی غیر معمولی نشر واشاعت ہوئی اور ان میں سے بعض ملک تو سو فیصدی شافعی ہیں۔ خصوصاً مصر میں شوافع دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ ہیں۔ سواحل ہند میں بھی یہی مذہب ہمیشہ غالب رہا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر دار المصنفین سے مستقل مبسوط کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح وکمالات تذکرۃ المحدثین (حصہ اول) میں بہت شرح وبسط کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، اس لئے ذیل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح اور خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نام ونسب:۔ محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور ناصر الحدیث لقب تھا۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں "سمیت ببغداد ناصر الحدیث" (۱) اپنے جد اعلیٰ شافع کی نسبت سے شافعی کہلائے جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ (۲) ان کے والد سائب غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، ان کی شکست کے بعد قید ہو کر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ (۳) پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن الشافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی (۴) اس نسب نامہ کی بناء پر آپ حضور اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی ہوتے ہیں۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۲، البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۳، العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۳ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۷۲۔ (۳) التاج المکلل صفحہ ۶۳۔ (۴) حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۱۔ (۵) تاریخ ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۲۶

جائے ولادت:۔ امام شافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولد کی تعیین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ آپ کا مولد مقام غزہ ہے، جو بیت المقدس سے بہت قریب واقع ہے۔(۱) مورخ ابن خلکان اور حافظ ابن عبد البرؒ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

دوسرے قول میں عسقلان کو امام شافعیؒ کی جائے پیدائش بتلایا گیا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ غزہ اور عسقلان دونوں فلسطین کے سرحدی علاقے ہیں اور پاس ہی پاس واقع ہیں۔ چنانچہ غزہ سے عسقلان کا فاصلہ صرف تین فرسخ ہے۔ عسقلان شہر ہے، اور غزہ اسی کا ایک نواحی قریہ ہے، اس لئے عسقلان کی طرف انتساب یا تو مجازاً ہے، یا ممکن ہے ولادت غزہ میں ہوئی ہو اور پھر ان کی والدہ نومولود کو لے کر عسقلان منتقل ہو گئی ہوں جہاں آپ نے نشو ونما پائی۔(۳)

علامہ ابن حجرؒ نے ان دونوں روایتوں میں جمع وتطبیق کی یہی صورت نکالی ہے جو بالکل قرین قیاس ہے، جو قریے شہر کے قریب ہوتے ہیں ان کے باشندے عام طور سے شہر کی جانب منسوب ہو جاتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے قول:

ولدت بغزه فحملتني امي الى عسقلان (۴)

''میں غزہ میں پیدا ہوا، پھر میری والدہ مجھے عسقلان لے گئیں۔''

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

امام صاحبؒ سے ایک اور روایت یہ بھی منقول ہے کہ:

ولدت باليمن فخافت امي على الضيعة فجهزتني الىٰ مكة وانا ابن عشر(۵)

''میری ولادت یمن میں ہوئی، پھر میری والدہ کو میرے شرف ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تو مجھے دس سال کی عمر میں مکہ لے آئیں۔''

حافظ ذہبیؒ نے اس قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے قبیلہ یمن مراد ہو سکتا ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اس کو احمد بن عبد الرحمٰن راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ دراصل روایت میں ''ولدت'' سے مراد ''نشأت'' ہے۔ یعنی میری نشو ونما یمن میں ہوئی۔(۶)

یاقوت حموی نے مذکورہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: اس کی تاویل محققین نے یہ

---

(۱) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵۔ (۲) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۱۳ والانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۲۷۔ (۳) معجم الادباء ج ۲ صفحہ ۲۶۸۔ (۴) توالی التاسیس لابن حجر صفحہ ۴۹۔ (۵) توالی التاسیس لابن حجر صفحہ ۴۹۔ (۶) ایضاً۔

کی ہے کہ یمن سے مراد وہ سرزمین ہے جہاں یمنی قبائل آباد ہو گئے ہوں اور غزہ عسقلان کی کل آبادی یمنی قبائل پر مشتمل تھی۔ اگر مذکورہ بالا روایت صحیح ہے تو اس کی یہی تاویل میرے نزدیک احسن ہے۔(۱)

ابتدائی حالات:۔ ان کے سنہ پیدائش کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔(۲) جس روز امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے رحلت فرمائی، اسی دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ نواب صدیق حسن خان رقمطراز ہیں:

درایں جامیان حنیفہ وشافعیہ مزاج است حنیفہ گویند امام شما مخفی بود تا آنکہ امام ما انتقال کرد، شافعیہ گویند چوں امام ما ظاہر شد امام شما بگریخت (۳)

''اس واقعہ نے احناف وشوافع کے درمیان ایک مذاق پیدا کر دیا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے امام کا انتقال نہ ہو گیا تمہارے امام چھپے رہے اور شوافع کہتے ہیں کہ جیسے ہی ہمارے امام ظاہر ہوئے تمہارے امام چلتے بنے۔''

علامہ یافعیؒ نے مرأۃ الجنان میں بھی اس مزاح کا ذکر کیا ہے۔(۴) لیکن علامہ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے سال ولادت اور امام ابوحنیفہؒ کا سال وفات ۱۵۰ ہجری تو ایک ضرور تھا، لیکن دن کی تعیین غلط ہے۔ کیونکہ محققین نہ تو امام شافعیؒ کے ماہ ولادت کی صحیح تعیین کر سکے اور نہ امام اعظمؒ کی ماہ وفات کی اور خود امام ابوحنیفہؒ کے سال وفات میں رواۃ کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۱۵۰ ہجری، ۱۵۱ ہجری اور ۱۵۳ ہجری تینوں منقول ہیں۔(۵)

علامہ بیہقی کا قول ہے کہ مجھے ایسی کوئی قوی روایت نہ مل سکی جس سے معلوم ہو کہ امام اعظمؒ کی وفات اور امام شافعیؒ کی ولادت کا ایک ہی دن تھا۔ ہاں محققین اس پر متفق ہیں کہ سال ایک ہی تھا۔(۶)

جب امام شافعیؒ دو سال کے ہو گئے تو آپ کی والدہ جو صحیح قول کے مطابق قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کو لے کر حجاز مقدس منتقل ہو گئیں اور وہاں سے اپنے آبائی وطن یمن چلی گئیں۔ جہاں امام صاحبؒ نے اپنی عمر عزیز کے دس سال گزارے اور جب آپ کی والدہ کو نسبی شرافت کے ضائع ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا تو پھر مکہ معظمہ واپس آ گئیں۔(۷)

---

(۱) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۶۸۔ (۲) معجم المصنفین ج ۴ صفحہ ۲۴۲۔ (۳) مرأۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۲۵ توالی التاسیس صفحہ ۵۰
(۴) توالی التاسیس صفحہ ۵۰۔ (۵) طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۔ (۶) ایضاً۔ (۷) توالی التاسیس صفحہ ۴۹۔

امام شافعیؒ کو خداوند قدوس نے غیر معمولی ذکاوت وفطانت سے نوازا تھا۔ صغر سنی سے ہی آپ کی صلاحیتیں منظر عام پر آنے لگی تھیں، تیراندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ خود امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں تیراندازی بہت زیادہ کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ طبیب نے کہہ دیا تھا کہ دھوپ میں زیادہ رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کہیں تم کو مرض سل نہ لاحق ہو جائے۔(۱) لیکن اسی ریاضت ومشقت کی وجہ سے ان کی صحت قابل رشک تھی۔

ذوق شعر وسخن:۔ ابتداء میں امام صاحبؒ کو شعر وسخن سے بھی کافی شغف تھا۔ چنانچہ قبیلہ ہذیل میں جو عرب کا سب سے فصیح البیان قبیلہ تھا، رہ کر ان کی زبان وکلام میں ملکہ پیدا کیا، ہذلیین کے اشعار ودواوین ایسے ازبر تھے کہ اصمعی جیسے مستند ادیب ولغوی کا بیان ہے کہ ''میں نے محمد بن ادریس نامی ایک قریشی نوجوان سے ہذلیین کا دیوان پڑھا۔'' (۲)

علامہ سبکیؒ نے امام شافعیؒ کی شاعری پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے حکیمانہ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ (۳) علامہ ابن حجرؒ نے بھی ان کے اشعار کے متعدد نمونے دیئے ہیں۔ (۴) جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری دیگر شعراء سے یکسر مختلف اور صحیح معنی میں ''ان من الشعر لحکمة'' کا مصداق تھی۔ اس میں صرف شعر وادب کی چاشنی کی حلاوت ہی نہیں بلکہ وہ عقل وحکمت اور بصیرت وموعظت کا سبق بھرا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان بھی مع شرح ۶۶ ہجری میں مصر کی المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ سے شائع ہو چکا ہے، جس کے جامع اور شارح الاستاذ عبدالعزیز سید الاہل ہیں اور فی الواقع فاضل موصوف نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس دیوان میں قوافی کی ترتیب سے ۸۰ صفحات میں مختلف مآخذوں سے امام شافعیؒ کے اشعار کو یکجا کیا گیا ہے۔

تحصیل وتکمیل علوم:۔ امام صاحبؒ کو علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، آپ کا ابتدائی زمانہ نہایت مفلسی اور تنگدستی کی حالت میں گزرا، باپ کے سایہ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو چکے تھے، غربت وافلاس کا یہ حال تھا کہ بقول امام رازیؒ جب وہ مکتب میں گئے تو معلم نے بے مائیگی کی بناء پر پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ (۵) خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

كنت فقيراً بحيث ما كنت املك ماشترى به القراطيس فكنت اخذ

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۷۰۔ (۲) مناقب الامام الشافعی صفحہ ۵۳ اور ابن خلقان ج ۲ صفحہ ۲۱۴ و تاریخ ابوالفداء ج ۲ صفحہ ۲۶۔ (۳) طبقات الشافعیہ ج اصفحہ ۱۵۵ ومابعد۔ (۴) توالی التاسیس صفحہ ۷۳۔ (۵) مناقب الامام الشافعی ۱۶

العظم و اکتب فیھا (۱)

''میں اتنا غریب تھا کہ کاغذ تک خریدنے کی مقدرت نہ تھی، اس لئے ہڈی لے کر اس پر لکھا کرتا تھا۔''

لیکن یہ تمام مشکلات وموانع ان کی راہ ترقی میں مانع نہ ہو سکے۔ وہ معلم کی بے اعتنائی کے باوجود مکتب میں بیٹھے رہے اور استاد بچوں کو جو اسباق پڑھاتا، اسے زبانی یاد کر لیتے اور پھر ہڈیوں پر لکھ لیتے۔ (۲) یہاں تک کہ اس نے جو کچھ بھی طلبہ کو پڑھایا، امام صاحب نے سب یاد کر لیا اور اپنی ذہانت سے صرف سات سال کی عمر میں پورا کلام پاک حفظ کر لیا۔ (۳)

ابن فرحونؒ نے لکھا ہے:

کان الشافعی حافظاً حفظ المؤطا فی تسع لیالٍ و قیل فی ثلاث لیالٍ (۴)

''امام شافعیؒ حافظ تھے۔ انہوں نے مؤطا کو ۹ شب میں حفظ کر لیا تھا، ایک قول تین شب کا بھی ہے۔''

لیکن خود امام شافعیؒ کا قول ۹ ہی رات کا ہے۔ (۵)

پھر فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فقیہ مکہ مسلم بن خالد زنجی (۶) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی اور فقہ میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے شیخ نے پندرہ ہی سال کی عمر میں یہ کہہ کر فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی کہ ''افتِ یا ابا عبداللہ فقد آن لک ان تفتی'' (۷) مکہ میں آپ نے مسلم بن خالد کے علاوہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ سے بھی استفادہ کیا تھا کہ وہ امام شافعیؒ کے علم وفضل کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے ''ھذا افضل من فتیان اھل زمانہ'' اور جب کوئی تفسیری مسئلہ یا فتویٰ آجاتا تو امام شافعیؒ کی طرف رخ فرماتے کہ ان سے دریافت کرو۔

مکہ میں تین سال تک تحصیل علم میں مشغول رہنے کے بعد مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ جہاں امام

---

(۱) مفتاح السعادہ ج ۲ صفحہ ۸۹۔ (۲) لوامع الانوار ج ۱ صفحہ ۳۲۔ (۳) حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۲ صفحہ ۱۲۱ و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۳۔ (۴) الدیباج المذہب صفحہ ۲۲۸۔ (۵) مسلم بن خالد زنجی مکہ معظمہ کے مفتی تھے۔ ان کے بارے میں ناقدین فن اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ ثقہ تھے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''لیس بشی'' امام بخاریؒ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث تھے۔ (۶) طبقات الفقہاء للشیرازی صفحہ ۴۹ والدیباج المذہب صفحہ ۲۲۸۔ (۷) طبقات الشافعیہ صفحہ ۲

مالک بن انسؒ کا دریائے فیض رواں تھا، جب امام شافعیؒ آستانہ مالکی پر حاضر ہوئے تو ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

امام مالکؒ سے مکالمت کی تفصیل خود ہی بیان فرمائی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

جب میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچا تو میں موطا حفظ کر چکا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے موطا پڑھنا چاہتا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اچھا کسی کو بلاؤ جو تمہارے لئے قرأت کرے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں، میں خود ہی پڑھوں گا۔ اور جب میں نے اس کی قرأت کی تو امام مالکؒ نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور قرأت کو بہت پسند فرمایا۔ (۱) اور جب میں اس خوف سے قرأت بند کرتا کہ مبادا آپ پر بار ہو تو فرماتے اے نوجوان! اور پڑھو، یہاں تک کہ میں نے بہت تھوڑی مدت میں موطا ختم کر لی۔ (۲) اسی بناء پر امام شافعیؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے وقت "اخبرنا مالک" کہتے ہیں۔ (۳) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قرأت کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ امام شافعیؒ بہت فصیح البیان تھے۔ (۴)

آپ کو امام مالکؒ کی خدمت میں صرف آٹھ ماہ رہنے کا موقع ملا۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی استاذ شاگرد کے درمیان بہت گہرے روابط قائم ہو گئے۔ امام مالکؒ ان کے فہم وذکاء کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے، جب امام شافعیؒ نے موطا کی زبانی قرأت کی تو امام مالکؒ نے برجستہ فرمایا:

ان یک احد یفلح فھذا الغلام

"یہ لڑکا یقیناً کامیاب ہوگا۔"

امام شافعیؒ بھی اپنے استاذ کا بے حد احترام کرتے تھے، فرماتے تھے:

مالک معلمی و استاذی ومنہ فعلمنا العلم وما احد امن علی من مالک وجعلت مالکاً حجۃ فیما بینی وبین اللہ (۵)

"مالک میرے معلم اور میرے استاذ ہیں۔ میں نے علم انہی سے سیکھا، ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔ میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے۔"

---

(۱) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۶۹۔ (۲) مفتاح السعادۃ ج ۲ صفحہ ۹۰۔ (۳) حدثنا اور اخبرنا میں فرق یہ ہے کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے تو روایت کرتے وقت حدثنا فلاں کہا جاتا ہے اور اس کے برعکس استاذ سماعت کرے اور شاگرد قرأت کرے تو اس وقت اخبرنا کے لفظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ (۴) توالی التاسیس صفحہ ۵۱۔ (۵) الدیباج المذہب صفحہ ۲۲۸

نیز جب امام مالک کا کوئی قول بیان کرتے تو کہتے **ھذا قول استاذنا مالک**۔(۱)

علمی اسفار: ۔۱۷۹ ہجری میں جب امام مالکؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے تو امام شافعیؒ پھر مکہ واپس آ گئے اور وہاں کے شیوخ و اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔اس کے بعد امام صاحبؒ کو فکر معاش دامنگیر ہوئی،حسنِ اتفاق سے والیٔ یمن مکہ آیا ہوا تھا۔بعض عمائد قریش نے اس سے سفارش کر کے امام شافعیؒ کو نجران کا حاکم مقرر کرا دیا۔لیکن یہ ملازمت آپ کے ذوق کے مطابق نہ تھی۔اس لئے علمی کاموں کی جانب سے آپ کو بے توجہی ہونے لگی۔

اسی اثناء میں والیٔ یمن نے آپ کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔جس سے قدرت کی جانب سے خود بخود ملازمت سے علیحدگی کی شکل پیدا ہو گئی امام شافعیؒ قیام یمن کے دوران ایک ابتلاو آزمائش میں مبتلا ہوئے۔جس سے امام محمدؒ کی سفارش پر خلاصی پائی۔ (۲) لیکن امام شافعیؒ کو اس سے دو بڑے فوائد بھی حاصل ہوئے۔

(۱) یمن میں قیام کے دوران وہاں کے فضلاء سے استفادہ کا موقع ملا،جن میں مطرف بن مازن صنعانی (المتوفی ۱۹۱ ہجری) اور عمرو بن ابی سلمہ (المتوفی ۲۱۴ ہجری) مشہور ہیں۔

(۲) یہ ابتلاء و آزمائش امام شافعیؒ کے عراق جانے کا سبب بنی اور ان کو امام محمدؒ سے جو فقہ عراق کے امام تھے،استفادہ کا موقع ملا۔عراق میں قیام آپ کی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

امام صاحبؒ کی بغداد میں یہ پہلی آمد تھی،جو ۱۸۴ ہجری میں ہوئی۔پہلی کی تصریح صرف ابن کثیرؒ نے کی ہے۔(۳) ورنہ بغدادی اور ابوالفداء نے اجمالاً "قدم الیٰ بغداد مرتین" (۴) لکھا ہے۔امام صاحبؒ کے بغداد پہنچنے سے دو سال قبل امام ابو یوسفؒ رحلت فرما چکے تھے اور بغداد کی مسندِ علم امام محمدؒ سے پر رونق تھی،جو فقہ عراق کے صدرِ اعظم ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمدؒ کی خدمت میں تین سال رہ کر فقہ عراق میں کمال پیدا کیا۔امام محمدؒ کے علاوہ عراق میں امام شافعیؒ نے جن شیوخ سے استفادہ کیا ہے ان کے نام یہ ہیں: وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۰ ہجری) حماد بن اسامہ ہاشمی (المتوفی ۲۱۱ ہجری) عبدالوہاب عبدالمجید المصری (المتوفی ۱۹۴ ہجری) امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے جو کسبِ فیض کیا تھا اس پر تاعمران کے ممنون کرم ہے۔اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسنؒ سے جو کچھ پڑھا،سنا اور نقل کیا

---

(۱) مفتاح السعادہ ج ۲ صفحہ ۹۰۔(۲) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۶۸۔البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔(۳) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔(۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶ و تاریخ ابوالفدا ج ۲ صفحہ ۲۶

وہ بارِ شتر کے برابر ہے۔(۱)

امام محمدؒ بھی امام شافعیؒ کی ذہانت وصلاحیت کے معترف تھے۔ (۲) زیادی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمدؒ کو جیسی تعظیم امام شافعیؒ کی کرتے دیکھا ویسی کسی اور کی کرتے نہیں دیکھا۔ (۳)

بغداد سے مکہ مکرمہ واپس گئے اور وہاں نو سال تک قیام کیا۔ اس طویل مدت میں وہ حرم شریف میں درس وتدریس کی بساط بچھائے رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ یہیں پر آپ سے ملے اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ یہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ جدید کی بناڈالی اور اجتہاد واستنباط کے اصول وضوابط مرتب کئے۔

۱۹۵ ہجری میں امام صاحبؒ دوسری مرتبہ وارد بغداد ہوئے، اس مرتبہ آپ کی آمد طالب علم کی حیثیت سے نہ تھی، بلکہ اس وقت آپ کا آفتاب شہرت بغداد کے آسمان پر ضوفگن ہو چکا تھا، اور آپ کے مخالف وموافق سب کی زبانیں آپ کے فضل وکمال کے ذکر سے تر تھیں، امام صاحبؒ اس مرتبہ بغداد میں دوسال رہے، اس عرصہ میں اکابر ائمہ اور جلیل القدر فقہاء ومحدثین سے لے کر عام طالبان علم تھے، سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ کے منبع علم سے سیراب ہوتے۔ اسی قیام کے دوران میں امام صاحبؒ نے قدیم اقوال پر مشتمل اپنی مشہور کتاب ''الحجۃ'' تصنیف کی، جس کے چاروں رواۃ یعنی احمد بن حنبل، ابن ثور، زعفرانی اور کرابیسی امام شافعیؒ کے جلیل المرتبت شاگرد ہیں۔(۴)

دوسال بغداد میں قیام کے بعد امام شافعیؒ پھر مکہ واپس آ گئے۔ جہاں ۱۹۸ ہجری میں تیسری بار پھر بغداد واپس آ گئے۔ لیکن اس بار چند ماہ سے زیادہ قیام نہیں کیا۔(۵) اور اسی سال موسیٰ کاظم کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے۔(۶)

یاقوت حمویؒ نے امام صاحبؒ کے مصر جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ والی مصر نے ان سے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی۔(۷) لیکن صرف یہی ایک سبب نہیں تھا بلکہ ان کو مصر جانے کا شوق اس سے پہلے سے تھا، جس سے ان کے اشعار بھرے ہوئے ہیں۔

---

(۱) الانتقاء صفحہ ۶۹۔ (۲) بعض محققین نے لکھا ہے کہ امام محمد وامام ابویوسف رحمہا اللہ نے خلیفہ ہارون سے امام شافعیؒ کی شکایت کی تھی کہ وہ خلیفہ کی خلافت کے اہل نہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ ایک عظیم بہتان ہے۔(البدایہ ج ا صفحہ ۲۵۰) (۳) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۲۱۵۔ (۴) طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۔ (۵) ابوبکر مصنف نے دو ماہ کی تعیین کی ہے۔ (طبقات للمصنف صفحہ ۳)۔(۶) ایضاً۔(۷) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۹۳

درحقیقت سفرِ مصر کا اصلی مقصد اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت تھا۔ حجاز و عراق میں ان کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اب انہوں نے ایک نئے میدان کی تلاش میں مصر کا رخ کیا تھا۔ چنانچہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے اہل مصر کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ وہاں دو مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مالکی اور حنفی اور یہ دونوں اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کی پیرو و متبع ہیں۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا:

ارجوان اقدم مصر انشاء الله فاتیهم بشی یشغلهم عن القولین جمیعاً

''میں انشاء اللہ مصر جاؤں گا اور ان کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا کہ وہ دونوں مذاہب کو چھوڑ دیں گے۔''

حضرت ربیعؒ کا کہنا ہے کہ واللہ جب امام شافعیؒ مصر آئے تو انہوں نے اپنی یہ بات سچ کر دکھائی۔(۱) اور بقول شعرانیؒ بہت سے علماء نے اپنے قدیم مذہب سے رجوع کر کے مذہب شافعی قبول کر لیا۔(۲)

قولِ قدیم اور قولِ جدید: ۔ قولِ قدیم سے مراد امام صاحبؒ کے وہ اقوال ہیں جو انہوں نے قیام مصر سے پیشتر مکہ، مدینہ، یمن اور بغداد میں قائم کئے تھے۔ بغداد میں انہوں نے ''کتاب الحجہ'' تصنیف کی تھی، جو قدیم اقوال پر مشتمل ہے اور امام صاحبؒ کے مذہبِ قدیم سے مراد یہی کتاب ہوتی ہے۔(۳)

جب امام صاحبؒ مصر آ گئے تو انہوں نے اپنے سابقہ خیالات و نظریات پر از سرِ نو غور و تفحص کیا اور بہت سے قدیم اقوال سے رجوع کر کے نئے نئے آراء قائم کئے۔ ان نئے خیالات کو جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہیں امام صاحبؒ نے اپنی جدید کتابیں الامام، امالی الکبیر، املاء الصغیر البویطی، مختصر المزنی، مختصر الربیع، الرسالہ السنن تصنیف کیں۔(۴) اور درحقیقت مذہب جدید ہی امام شافعیؒ کی دائمی شہرت کا باعث ہوا۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنی بغدادی تصانیف سے جو قدیم اقوال پر مشتمل ہیں، روایت کی اجازت نہیں دی، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اپنے قولِ قدیم سے رجوع کر لیا تھا اور جب کوئی مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کر لے تو پھر وہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔(۵)

(۱) توالی التاسیس صفحہ ۷۷۔ (۲) لواقح الانوار ج ۱ صفحہ ۴۳۔ (۳) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۰۔ (۴) حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۲۱ او شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۰۔ (۵) شرح مسلم للنووی ج ۲ صفحہ ۱۸۷

وفات: امام شافعیؒ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہیں رجب کی آخری تاریخ ۲۰۴ ہجری کو علم و معرفت کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔ (۱)

اس وقت ۵۴ سال کی عمر تھی۔ ابوعثان محمدؒ کا قول "مات الی وھو ابن ثمان وخمسین سنة" محل نظر ہے۔ (۲) کیونکہ آپ کے سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سنہ وفات ۲۰۴ ہجری پر محققین کا اتفاق ہے۔ اس کی رو سے عمر ۵۴ ہی سال قرار پاتی ہے۔ مزار پاک آج بھی مرجع خلائق ہے۔

موت کا حقیقی سبب: امام شافعیؒ کی موت کا سب عام طور پر یہ مشہور ہے کہ: فتیان ابی السمع مالکی اور امام شافعی کے درمیان مناظرہ ہوا۔ جس میں فتیان نے کوئی نازیبا حرکت کی اور معاملہ والی مصر کے پاس پیش ہوا۔ اس نے فتیان کو بلا کر سخت تنبیہ اور توبیخ کی۔ اس سے فتیان کے دل میں عناد پیدا ہو گیا اور ایک شب اس نے امام صاحبؒ کو لوہے کی زنجیر سے مارا، اس کے صدمہ سے امام صاحبؒ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سبب کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ "لم أر ذالک من وجه یعتمد" (۳) یعنی بالکل ناقابل اعتبار ہے۔

ان کی موت کا اصلی سبب درحقیقت ان کی جانکاہ محنت تھی۔ مصر کے چہار سالہ قیام کے دوران میں تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، مناظرہ اور اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی محنت کی تھی، ان کے شاگرد ربیعؒ کا بیان ہے کہ امام صاحبؒ نے مصر کے دوران قیام میں ایک ہزار پانچ سو صفحات املا کرائے، دو ہزار صفحے کی کتاب "الام" تصنیف کی۔ اس کے علاوہ کتاب السنن وغیرہ لکھیں اور یہ سارا کام صرف ۴ سال میں اور بیماری کی حالت میں کیا۔ (۴)

ازواج و اولاد: امام شافعیؒ نے حمیدہ بنت نافع بن عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے نکاح کیا تھا، پسماندگان میں ایک صاحبزادے ابوعثمان محمد اور دو صاحبزادیاں فاطمہ و زینب یادگار چھوڑیں۔

ابوعثمان محمد سب سے بڑے تھے، اپنے والد کی وفات کے وقت مکہ میں رہتے تھے۔ خطیب نے انہیں شہر بغداد کا قاضی بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے، درحقیقت وہ جزیرہ میں قاضی تھے، پھر کچھ

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) طبقات الفقہاء للشیرازی ج، صفحہ ۴۸۔ (۳) توالی التاسیس صفحہ ۱۸۶۔ (۴) توالی التاسیس صفحہ ۸۴۔

عرصہ تک شہر حلب کے منصب قضا پر فائز رہے۔(۱) اپنے والد ہی کی طرح علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔(۲)

شیوخ وتلامذہ:۔ امام شافعیؒ نے علم وفن کے تمام سرچشموں سے سیرابی حاصل کی تھی۔اس لئے ان کے شیوخ کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے،علامہ ابن حجرؒ نے ان کی تعداد ۸۰ بتلائی ہے۔(۳) جن سے امام صاحبؒ نے،مکہ،مدینہ،یمن،عراق اور مصر میں کسب فیض کیا تھا۔حافظ ابن کثیرؒ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ **سمع الحدیث الکثیر علی جماعة من المشائخ والائمة۔**(۴)

خطیب نے ان کے ۲۶ مشہور اساتذہ کے نام شمار کرائے ہیں۔(۵)

کچھ ممتاز اور لائق ذکر شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام مالکؒ،امام محمدؒ،سفیان بن عیینہ،مسلم بن خالد،ابراہیم بن سعید،فضیل بن عیاض،محمد بن شافع،داؤد بن عبدالرحمٰن،عبدالعزیز بن محمد الدراوردی،ابراہیم بن ابی یحییٰ،عبدالرحمٰن بن ابی بکر،عبداللہ بن المؤمل،ابراہیم بن عبدالعزیز،عبداللہ بن عثمان الجمحی،عبدالعزیز الماجشون،ہشام بن یوسف،اسماعیل بن علیہ،مطرف بن مازن صنعانی،عمر بن ابی سلمہ،وکیع بن الجراح،حماد بن اسامہ،عبدالوہاب بن عبدالمجید المصریؒ۔(۶)

اسی طرح امام صاحبؒ کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔دارقطنی نے ان کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے۔(۷) اور حافظ ابن حجرؒ نے ۱۶۳ کے نام شمار کرائی ہیں۔(۸) اس تعداد کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ تمام تلامذہ امام شافعیؒ کی صرف ۵۴ سالہ عمر کی پیداوار ہیں،جس کی نظیر دیگر ائمہ میں شاذ ہے۔

ان تلامذہ میں ایک جماعت تو وہ ہے جو امام صاحبؒ کے قول قدیم (بغدادی مذہب) کی راوی ہے۔جیسے امام احمد زعفرانی،کرابیسی،اسحاق بن راہویہ اور موسیٰ بن جارود وغیرہ۔

---

(۱) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔(۲) امام شافعیؒ کے ایک دوسرے لڑکے محمد نامی اور بھی تھے (الوافی بالوفیات صفحہ ۱۱۴) جن کی کنیت ابوالحسن تھی۔وہ دنانیز نامی ایک لونڈی کے بطن سے تھے،اپنے والد کے ہمراہ بچپن ہی میں مصر آئے اور وہیں ۲۲۱ ہجری میں فوت ہو گئے۔طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔(۳) توالی التاسیس صفحہ ۵۳۔(۴) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔(۵) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶۔(۶) مفتاح السعادۃ ج ۲ صفحہ ۹۴۔الدیباج المذہب صفحہ ۲۲۷ و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶۔(۷) معجم الادباء ج ۲ صفحہ ۳۹۱۔(۸) توالی التاسیس صفحہ ۷۹ تا صفحہ ۸۲ معجم المصنفین ج ۲ صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۱

دوسری جماعت وہ ہے جس نے جدید مذہب کی روایت کی، جیسے امام مزنی، ربیع ابن سلیمان مرادی، بویطی، یونس بن عبدالاعلیٰ، حرملہ، ابن عبدالحکیم، حیری وغیرہ۔ (۱) ان سب نے امام صاحبؒ کے علوم کو مرتب و مدون کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے توالی التاسیس میں امام صاحبؒ کے دس مشہور تلامذہ کا اجمالی تعارف کرایا ہے، جن کے نام یہ ہیں۔ حمیدی، سلیمان بن داؤد، احمد بن حنبلؒ، ابوثور، حرملہ مصری، زعفرانی، مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن الحکم، ربیع بن سلیمان المرادیؒ، ان میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل کا ماہ تابندہ تھا۔

تبحر علمی:۔ امام شافعیؒ کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنی عنان توجہ جس طرف بھی پھیری، اس میں کمال حاصل کر کے چھوڑا۔ چنانچہ ابتدائے عمر میں جب وہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوئے تو افصح عرب قبیلہ ہذیل میں سالہا سال قیام کر کے شعر و ادب کے رموز سیکھے اور اس میں اتنی مہارت پیدا کی کہ اصمعی جیسا جلیل المرتب ادیب ولغوی ان سے ہذلیین کا دیوان پڑھنے کا ذکر نہایت فخر و ابتہاج کے ساتھ کرتا ہے۔ (۲)

امام صاحبؒ علم وفن کے ہر شعبہ سے بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے انہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، کلام صحابہ، آثار سلف اور اختلاف اقاویل علماء پھر معرفت کلام عرب، لغت، عربیت اور شعر وغیرہ میں علم عمیق ارزانی فرمایا تھا۔ (۳)

مذکورہ بالا علوم وفنون میں کمال کے باوجود ان کے اصلی علوم حدیث وفقہ تھے۔ وہ حافظ حدیث تھے، امام مالکؒ سے مؤطا کی قرأت کی تھی اور اپنی اخاذ طبیعت کی بناء پر عام روش سے ہٹ کر اس میں نئی نئی راہیں پیدا کیں، ان کے مذہب کی بنیاد صحیح حدیث پر قائم ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" (۴)

امام احمد بن حنبلؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حدیث و رجال کا علم مجھ سے زیادہ رکھتے ہو، پس جب کوئی حدیث صحیح تمہاری نظر سے گزرے تو مجھے بتاؤ، خواہ وہ کوفی ہو یا بصری یا شامی، اگر وہ صحیح ہوگی تو میں اسے اختیار کرلوں گا۔ (۵) امام صاحبؒ کا یہ اعلان عام تھا کہ اگر میرا کوئی قول سنت رسول ﷺ کے خلاف ہو تو اس کو ترک کردو۔ نیز امام احمدؒ فرماتے ہیں جب کوئی حدیث امام

(۱) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۳۹۱۔ (۲) مناقب الامام الشافعی، صفحہ ۱۵۳۔ (۳) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۱۴۔ (۴) مختصر صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی صفحہ ۲۱۴۔ (۵) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۷۵

شافعیؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوجاتی تو وہ اس کے قائل ہو جاتے تھے۔(۱)

امام صاحبؒ نے اپنے وقت کے محدثین کی غفلت کو رفع کر کے ان میں نئی روح پھونکی، زعفرانی بیان کرتے ہیں کہ:

کان اصحاب الحدیث رقوداً حتّٰی جاء الشافعی فایقظهم فیتقظوا(۲)

''تمام محدثین خواب غفلت میں مبتلا تھے، امام شافعیؒ نے آکر ان میں بیداری پیدا کی۔''

حدیث سے استدلال میں امام شافعیؒ کے مسلک میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے۔ اسی بناء پر بعض مسائل میں عام ائمہ و مجتہدین کے مسلمہ اصول وضوابط سے الگ ان کی منفرد رائے ہوتی ہے۔ مثلاً مراسیل صحابہ سے استدلال تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے اور تابعین سے لے کر دوسری صدی تک کے مجتہدین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، لیکن امام شافعیؒ مرسل حدیث سے استدلال کو جائز قرار نہیں دیتے اور یہ اختلاف صرف احتیاط پر مبنی ہے۔

حدیث:۔ علم حدیث اور ان کے متعلقات میں امام صاحبؒ کے تبحر کا اعتراف خود ان کے اساتذہ کو بھی تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی کتابوں کی سماعت کے لئے ان کے پاس بیک وقت سات سات سو تشنگان علم کا ہجوم رہتا تھا۔(۳) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ناسخ و منسوخ حدیث کا پتہ اسی وقت چلا جب میں امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم حاصل کی۔ (۴) ابو حاتم رازیؒ کا قول ہے:

لو لا الشافعی لکان اصحاب الحدیث فی عمی (۵)

''اگر امام شافعی نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی میں رہتے۔''

ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ:

ما اعلم للشافعی حدیثا خطاء (۶)

''مجھے امام شافعی کی کسی غلط حدیث کا علم نہیں۔''

صاحب روضات نے لکھا ہے کہ:

ان الشافعی اول من تکلم فی مختلف الحدیث و صنف فیه(۷)

---

(۱) معجم المصنفین ج ۲ صفحہ ۲۷۔ (۲) تاریخ ابو الفداء ج ۲ صفحہ ۲۶ والدیباج المذہب صفحہ ۲۲۸ والتاج المکلل صفحہ ۶۰۔ (۳) الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ صفحہ ۴۳۔ (۴) ابو الفداء ج ۲ صفحہ ۲۶ والدیباج المذہب صفحہ ۲۲۸ والتاج المکلل صفحہ ۶۰۔ (۵) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۱۹۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۴ صفحہ ۳۴۴۔ (۷) روضات الجنات ج ۴ صفحہ ۱۵۴

''بلاشبہ امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مختلف الحدیث کے بارے میں کلام کیا اور اس فن میں کتاب تصنیف کی۔''

امام محمد بن حسنؒ کا ارشاد ہے:

ان تکلم اصحاب الحدیث یوماً فبلسان الشافعی (۱)

اصحاب حدیث ہمیشہ امام شافعیؒ ہی کی زبان میں کلام کریں گے۔

فقہ:۔ اسی طرح امام صاحبؒ فقہ میں بھی مجتہدانہ مقام رکھتے تھے۔ ان کی کتابیں الرسالۃ اور کتاب الام ان کی شاہد عدل ہیں۔ وہ فقہ کے تمام مراکز سے مستفید ہوئے تھے۔ مثلاً: مکہ کے رئیس الفقہ ابن جریج کی کتابوں کو ان کے شاگردوں مسلم بن خالد اور سعید بن سالم سے پڑھا۔ مدینہ کے رئیس الفقہ امام مالک کی فقہ کے علوم کو ان کے تلمیذ رشید امام محمد سے حاصل کیا۔ اسی طرح امام شافعیؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ علوم اہل الرائے اور اہل الحدیث کے جامع ہیں۔ (۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ:

کان الفقہ قفلا علی اھلہ حتی فتحہ اللہ بالشافعی (۳)

''فقہ فقیہوں کے لئے ایک قفل تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعیؒ کے ذریعہ کھولا۔''

جامعیت:۔ غرض امام صاحبؒ کے حدیث وفقہ اور دیگر علوم میں تبحر کا یہ عالم تھا کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ وہ کس فن میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ جب امام شافعیؒ عربیت کے متعلق گفتگو فرماتے تو میں کہتا آپ اسی میں ماہر ہیں۔ جب شعر و ادب میں گہر افشانی کرتے تو میں ان کو اسی میں سب سے بڑا عالم سمجھتا اور جب فقہی مباحث کو بیان کرتے تو اسی میں سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھتا۔

ہارون بن سعیدؒ کا قول ہے کہ اگر امام شافعیؒ پتھر کے ستون کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو بخدا انہیں اس بات پر قدرت حاصل ہے۔ (۴)

فصاحت:۔ امام صاحبؒ کو ہذلیین کے دس ہزار اشعار زبانی یاد تھے۔ قبیلہ ہذیل میں مدت دراز تک رہنے کی وجہ سے امام صاحبؒ بھی نہایت فصیح اللسان ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن احمدؒ کا قول ہے کہ ''**کان الشافعی من افصح الناس**''(۵) یونس کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے الفاظ

(۱) توالی التاسیس صفحہ ۵۴۔ (۲) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۹۔ (۳) ایضاً ج ۳ صفحہ ۳۸۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۷۔
(۵) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۹۳

میں نشہ کی سی مستی ہوتی تھی۔ جب ہم ان کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو سنتے تو معلوم ہوتا جیسے وہ سحر کرر ہے ہوں۔(۱) بشر المریسی کا بیان ہے کہ:

کان لسانه ینظم الدرر (۲)

ان کی زبان موتی پروتی تھی۔

ابن ہشام نحوی فرماتے ہیں کہ:

طالت مجالستنا للشافعي فما سمعت منه لحنه قط ولا كلمة غيرها احسن منها (۳)

میں بہت دنوں تک امام شافعیؒ کی صحبت میں رہا، میں نے ان سے کبھی زبان کی غلطی نہیں سنی اور نہ کوئی ایسا کلمہ سنا جس سے بہتر دوسرا کلمہ کہا جا سکتا ہو۔

زعفرانی کا قول ہے کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ فصیح البیان کسی کو نہیں دیکھا۔(۴)

فصاحت و بلاغت کے ساتھ امام صاحب لسانیت اور لغت میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے، اس میں ان کے کلام کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ابن ہشام صاحب المغازی جیسی شخصیت نے ''کان الشافعي حجة في اللغة''(۵) کے الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے ''الشافعي كلامه لغة يحتج بها'' (۶)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علم اصول فقہ:۔ امام شافعیؒ کا سب سے عظیم کارنامہ اصول فقہ کی ایجاد ہے۔ فن کی شکل میں سب سے پہلے انہی نے اس کی بنیاد رکھی، اسنوی کا قول ہے کہ:

ان الشافعي هو اول من صنف في اصول الفقه باجماع (۷)

امام شافعیؒ نے بالاتفاق اصول فقہ میں سب سے پہلے تصنیف کی۔

علامہ فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ باتفاقِ امت امام صاحب اصول فقہ کے بانی ہیں اور انہی نے اس علم کے ابواب مرتب کئے اور قوت وضعف کے مراتب کی تشریح کی۔(۸) علماء کا بیان ہے کہ اصول فقہ کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف بالکل اسی طرح ہے جیسے منطق کی ارسطاطالیس کی طرف۔(۹)

---

(۱) معجم المصنفین ج ۲ صفحہ ۲۶۹۔ (۲) مرأۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۱۹۔ (۳) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۸۔ (۴) الانتقاء صفحہ ۹۲۔ (۵) الانتقاء صفحہ ۹۲۔ (۶) معجم الادباء ج ۱ صفحہ ۹،۳۔ (۷) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۔ ۲ ابجد العلوم صفحہ ۳۲۶ و کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۳۳۶۔ (۸) مناقب الامام الشافعی صفحہ ۹۸۔ (۹) مرأۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۱۸

علامہ بدرالدین زرکشیؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیف کی، اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالہ، کتاب احکام القرآن، اختلاف الحدیث ابطال الاحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس لکھ کر علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔(۱)

علامہ ابن خلدونؒ رقمطراز ہیں: ''امام شافعیؒ کو اصول و فقہ کے مدون کرنے میں اولیت حاصل ہے۔ اس فن میں انہوں نے اپنا مشہور رسالہ ''الرسالہ'' تصنیف کیا، جس میں انہوں نے اوامر و نواہی کا بیان اور خبر و نسخ اور قیاس سے علت منصوبہ کے حکم کے بارے میں کلام کیا ہے، پھر اس کے بعد حنفی فقہاء نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔(۲)

ان بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام شافعیؒ ہی کو اصول فقہ کے بانی اور واضع ہونے کا شرف حاصل ہے، بعض علماء کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے امام محمدؒ نے کتاب لکھی۔

مستشرقین یورپ نے بھی امام صاحبؒ کو اس فن کا پہلا مصنف قرار دیا ہے۔

گولڈ زیہر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لفظ ''فقہ'' کے تحت لکھتا ہے:

''محمد بن ادریس الشافعی کی خصوصیت میں سے ہے کہ انہوں نے مسائل شرعیہ کو مستنبط کرنے کے ضوابط وضع کئے اور تمام اصولوں کی حد بندی کی۔ اپنے رسالہ میں قیاس عقلی کے ایسی اصول ایجاد کئے جن کی طرف قانون سازی کے وقت رجوع کرنا نہایت ضروری ہے۔''

ان گوناگوں خصوصیات کی بناء پر امام احمدؒ نے بجا فرمایا تھا:

الشافعی للعلم کالشمس للدنیا و کالعافیة للبدن هل لهذین من خلف او عنهما عوض (۳)

''امام شافعیؒ کی حیثیت علم کے لئے ایسی ہی تھی جیسے دنیا کے لئے سورج کی اور جسم کے لئے صحت کی، کیا ان دونوں کا کوئی بدل ہوسکتا ہے۔''

تصانیف: ۔ امام صاحبؒ نے مختلف علوم و فنون میں بکثرت کتابیں لکھیں، جن کی تعداد کے متعلق متضاد بیانات ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ڈیڑھ سو کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں۔(۴) ابن ندیم نے ایک سو پانچ اور ابن زولاق نے دو سو تک کتابوں کی تعداد بتائی ہے۔(۵) ایسے کثیر

(۱) البحر المحیط بحوالہ امام شافعیؒ صفحہ ۱۶۱۔ (۲) مقدمہ ابن خلدون ج ۱ صفحہ ۴۹۸۔ (۳) الدیباج المذہب صفحہ ۲۲۹ و مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۱۷۔ (۴) توالی التاسیس صفحہ ۱۱۹۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۰

تصانیف مصنف کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ ان تمام تصانیف میں سے اکثر تو ''کتاب الام'' مطبوعہ مصر میں یکجا شائع ہو چکی ہیں۔ (۱) اور بعض مخطوطہ شکل میں مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

امام صاحبؒ کے قول قدیم کی کتابوں میں ''کتاب الحجۃ'' مشہور ہے جو انہوں نے بغداد کے آخری قیام کے زمانہ میں تصنیف کی تھی، اس کے سبب تالیف کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے پاس محدثین کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں امام ابو حنیفہؒ کی کتاب کا رد لکھوں، میں نے ان سے کہا کہ جب تک میری نظر سے امام اعظمؒ کے مذہب سے متعلق تمام کتابیں نہ گزر جائیں۔ میں ان کے اقوال سے پوری طرف واقف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میرے پاس امام محمد بن حسن شیبانیؒ (صاحب ابی حنیفہؒ) کی کتابیں لائی گئیں، جن کا میں نے ایک سال تک بغور مطالعہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے زبانی یاد ہو گئیں، ان کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی بغدادی کتاب ''الحجۃ'' تصنیف کی۔ (۲)

حاجی خلیفہ نے ''کتاب الحجۃ'' کے متعلق لکھا ہے کہ:

هو مجلد ضخم الفه بالعراق اذا اطلق القديم من مذهبه يراد به هذا التصنيف (۳)

''یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو عراق میں لکھی گئی، جب مطلق مذہب قدیم بولا جائے تو اس سے یہی کتاب مراد لی جاتی ہے۔''

اس کے علاوہ امام شافعیؒ کی تین کتابیں جو مذہب جدید سے متعلق ہیں بہت مشہور اور امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔

۱۔ کتاب الام: ۔ یہ کتاب امام شافعیؒ کے مذہب جدید کی اہم تصنیف ہے۔ امام الحرمین وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ امام صاحبؒ کی قدیم کتابوں میں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی روایت ربیع بن سلیمان المرادی نے کی ہے، جو مصری (۴) ہیں۔ یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہے، جس کی کتب (ابواب واجزاء) کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو پچاس (۵) ہے۔ کتاب الطہارۃ سے آغاز ہوا ہے۔

---

(۱) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۹۸۔ (۲) توالی التاسیس صفحہ ۷۶۔ (۳) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۴۲۲۔ (۴) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ (۵) کشف ج ۲ صفحہ ۲۵۲

کتاب الام کو امام شافعیؒ کے شاگرد رشید ربیع بن سلیمان مرادیؒ نے روایت کیا ہے۔(۱)
لیکن خلیفہ چلپی نے اس کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ درحقیقت اس کے راوی بویطی ہیں، مگر انہوں نے اپنا نام ذکر نہیں کیا، حضرت ربیع بن سلیمانؒ نے صرف اس کی تبویب کی ہے، اسی بناء پر نفس کتاب کو بھی ان ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔(۲)

صاحب کشف الظنون کی یہ تحقیق سوء تفاہم پر مبنی ہے۔ اصل میں پوری کتاب تو حضرت ربیع بن سلیمانؒ ہی نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے، لیکن ابتداء کی چند روایات بواسطہ بویطی منقول ہیں۔ شاید اسی اشتباہ کی بناء پر حاجی خلیفہ نے پوری روایت کو بویطی کی روایت قرار دے دیا۔ علامہ ابن ندیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ رواہ عن الشافعي الربيع بن سليمان۔(۳)

کتاب الام کے حاشیہ پر مزنی (المتوفی ۲۶۴ ہجری) کی مختصر کبیر بھی مندرج ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر سے ۱۳۲۱ ہجری میں شائع ہوئی۔(۴)

۲۔ الرسالۃ: یہ کتاب اصول فقہ میں ہے، امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن مہدی نے امام شافعیؒ سے درخواست کی تھی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجئے، جس میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے استدلال کے شرائط، ناسخ ومنسوخ اور عموم وخصوص کے مراتب کا بیان ہو، اس فرمائش پر امام شافعیؒ نے ''الرسالۃ'' تصنیف فرمائی۔(۵) اور اسے عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے پڑھ کر بے ساختہ فرمایا۔ "ماظننت ان الله خلق مثل هذا الرجل" (۶) نیز وہ کہا کرتے تھے کہ میں ہر نماز کے بعد امام شافعیؒ کے لئے دعا کرتا ہوں۔(۷)

صاحب المعجم کتاب الرسالۃ کے متعلق لکھتے ہیں: "هو اول كتاب الف في هذا العلم"۔ اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے ۱۳۱۰ ہجری میں شائع ہوا۔ امام صاحب کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے اس کی کتابت کی ہے۔ اس کے شارحین میں ابوبکر محمد بن عبداللہ الشیبانی (المتوفی ۳۸۸ ہجری) امام شافعیؒ (المتوفی ۳۳۰ ہجری) کے نام مشہور وممتاز ہیں۔

۳۔ مسند شافعی: یہ کتاب احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے جن کو خود امام شافعیؒ اپنے تلامذہ کے روبرو سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے۔ یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں ہے، بلکہ کتاب

(۱) معجم المطبوعات ج ا صفحہ ۱۰۶۹۔ (۲) کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۶۶۔ (۳) الفہرست لابن ندیم صفحہ ۲۹۵۔ (۴) معجم المطبوعات ج ا صفحہ ۱۰۶۹۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶ وشذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۱ ومعجم الادباء ج ۶ صفحہ ۸۸ وحسن المحاضرۃ ج ا صفحہ ۱۲۲۔ (۶) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۱۸۔ (۷) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵

الام اور مبسوط میں جو احادیث ربیع بن سلیمانؒ اور مزنی سے مروی ہیں۔ ابو جعفر محمد بن مطر نے ان کا انتخاب مسند امام شافعیؒ کے نام سے کر دیا ہے،(۱) چونکہ کتاب الام کی احادیث ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن سلیمانؒ (جو امام شافعیؒ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں) سے سن کر جمع کی تھی، اسی لئے مسند کے جامع کی حیثیت سے بھی وہی مشہور ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ خود ابوالعباسؒ نے ان حدیثوں کا انتخاب کیا تھا اور محمد بن مطرفؒ صرف اس کے کاتب تھے، یہ مسند نہ تو مسانید ہی کی ترتیب پر ہے نہ ابواب کی، بلکہ کیف ماتفق (۲) انتخاب کر کے حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اس لئے اس میں تکرار بہت زیادہ ہے۔ (۳)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ ''ابن عبداللہ علم الدین جلویؒ نے اس کو مرتب کیا ہے اور ایک بڑی جماعت نے اس کی شروح لکھی ہے، جن میں ابن اثیر الجزریؒ (المتوفی ۶۰۶ ہجری) کی شرح ''کتاب شافی العنی فی شرح مسند الشافعیؒ'' پانچ جلدوں میں علامہ رافعی قزوینیؒ (المتوفی ۶۲۳ ہجری) کی الشرح الکبیر دو جلدوں میں اور حافظ سیوطیؒ کی "شرح الشافی العینی علی مسند الشافعی" مشہور ہیں۔ شیخ زین الدین حلبیؒ نے ''المنتخب المرضی من مسند الشافعیؒ'' کے نام سے اس کا انتخاب بھی کیا ہے۔ (۴)

دو حدیثیں اور امام شافعیؒ:۔ دوسرے مذاہب پر شافعی مذہب کی برتری پر ائمہ شوافع دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، جس سے اس کی فوقیت ثابت ہوتی ہو یا نہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ امام شافعیؒ کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اهد قريشا العالم منهم فان علم العالم منهم يسع طباق الارض اللهم اذقت اولها نكالا فاذق آخرها نوالاً (۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدایا! قریش کو ہدایت عطا فرما، اس خاندان کا عالم روئے زمین کو مالا مال کر دے، خدایا پہلے تو نے ان پر عذاب نازل کیا، اب ان پر انعام کی بخشش فرما۔

اس حدیث کی سند کے متعلق علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے قول ''**فان علم العالم منهم يسع طباق الارض**'' سے مراد ملت کا ایسا قریشی عالم ہے، جس کا علم پوری دنیا

(۱) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵۔ (۲) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۵۵۶۔ (۳) بستان المحدثین صفحہ ۳۰۔
(۴) کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۳۳۲ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۷۔ (۵) توالی التاسیس صفحہ ۴۷۔

میں پھیل جائے اور اس کی تالیف مصاحف کی طرح لکھی جائیں؛ اس کے اقوال زبان زد خلائق ہوں، ہم کو امام شافعیؒ کے علاوہ کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں چلتا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو۔(۱)

حضرت ابونعیم جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ ''قریشی صحابہ اور تابعین میں سے ہر اہل علم کا علم اگر چہ بہت پھیلا، لیکن اس کی کثرت، شہرت اور اشاعت پورے ربع مسکون میں اتنی نہ ہوسکی، جتنی امام شافعیؒ کے علوم کی۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام صاحبؒ ہی ہیں۔(۲)

اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعیؒ کے علوم اور مذہب کو جو فروغ حاصل ہوا، اس کی مثال حنفی مذہب کے سوا نہیں مل سکتی۔ عالم اسلام کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے، جہاں اس مذہب کا کوئی مدرس، مفتی یا مصنف موجود نہ ہو، امام احمدؒ فرماتے ہیں:

اذا سالت عن مسالة لاعرف فيها خبراً قلت فيها بقول الشافعي لانه امام عالم من قريش (۳)

جب بھی مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں مجھے کوئی حدیث نہ ملی تو میں نے امام شافعیؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دے دیا کیونکہ وہ امام عالم قریش ہیں۔

دوسری حدیث تجدید دین سے متعلق ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجددلها دينها.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔''

اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ شیخ علی متقی نے بھی بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے۔(۴)

ملا علی قاریؒ نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے کل رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔(۵)

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد ہیں، اسی طرح باتفاق محققین دوسری صدی کے مجدد امام شافعیؒ ہیں۔ انہوں نے بدعات کا قلع قمع

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۱۔ (۲) توالی التاسیس صفحہ ۴۷۔ (۳) توالی التاسیس صفحہ ۴۸۔ (۴) کنز العمال ج ۶ صفحہ ۲۳۸۔ (۵) مرقات المفاتیح ج ۱ صفحہ ۲۴۸

کر کے سنت کا بول بالا کیا اور تمام روئے زمین کو قال اللہ وقال الرسول کے ترانوں سے معمور کر دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ہم نے غور کیا تو یہ دیکھا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں اور دوسری صدی کے امام شافعیؒ اور دونوں خاندان رسول ﷺ (یعنی قریش) بھی ہیں۔ (۱)

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساتویں صدی تک کے تمام مجددین شافعی المذہب تھے۔ (۲)

تشیع کا الزام:۔ امام شافعیؒ پر تشیع کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ (۳) اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ آپ آل رسول ﷺ سے محبت رکھتے تھے۔

ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ آپ میں تشیع کا رجحان پایا جاتا ہے؟

فرمایا: وہ کیسے؟

کہا گیا کہ آپ آل رسول ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

آپ نے جواب دیا: لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور والدہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

نیز ارشاد گرامی ہے "**ان اولیائی من عترتی المتقون**" تو جب مجھ پر اپنے متقین اقرباء و اعزہ سے محبت کرنا لازم ہے تو کیا یہ بات دین میں سے نہیں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے متقی اقرباء سے محبت کروں، کیونکہ آپ ﷺ بھی ان سے محبت فرمایا کرتے تھے۔

ان کان رفضا حب ال محمد

فلیشهد الثقلان انی رافضی (۴)

---

(۱) مفتاح السعادۃ ج ۲ صفحہ ۹۵ و توالی التاسیس صفحہ ۴۸ و معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۹ و سیرت عمر بن عبدالعزیز جوزی، صفحہ ۶۰۔ (۲) مفتاح السعادۃ ج ۲ صفحہ ۹۰۔ (۳) الفہرست لابن ندیم صفحہ ۲۷۹ و روضات الجنات ج ۴ صفحہ ۱۵۵۔
(۴) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۹۱

''اگر آل بیت کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اے جن وانس تم گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔''

ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا: اے ابوعبداللہ، یحییٰ بن معین اور ابوعبیدہ امام شافعیؒ کی طرح تشیع کا انتساب کرتے ہیں۔

امام احمدؒ نے جواب دیا: وہ کیسی بات کرتے ہیں، بخدا مجھے امام شافعیؒ سے بھلائی ہی کی امید ہے۔

پھر ہم نشینوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''جب کسی اہل علم کو حق تعالیٰ بلند مرتبہ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے معاصرین و ہم عمر اس سے محروم رہتے ہیں تو وہ اس پر رشک و حسد کرتے ہیں اور بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں اہل علم میں یہ کتنی بری خصلت ہے۔''(۱)

خود امام شافعیؒ کی تردید اور امام احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تشیع کا الزام محض معاصرانہ رشک و حسد کا نتیجہ ہے۔

---

(۱) مناقب الامام الشافعی للرازی صفحہ ۳۷۔

حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور غندر لقب تھا۔(۱) بعض اہل تذکرہ نے ان کی کنیت ابوبکر بتائی ہے۔(۲) ہذیل بن مدرکہ سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث ہذلی اور وطن کی طرف منسوب ہوکر بصری کہلاتے ہیں، لیکن غندر کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے، یہ لقب ان کو ابن جریج نے عطا کیا تھا، کیونکہ ابن جعفر ان سے بہت شغف رکھتے تھے اور اہل حجاز ایسے اشخاص کو عام طور سے غندر کے نام سے پکارتے تھے، کتابوں میں اس لقب سے موسوم متعدد تذکرے ملتے ہیں۔جن میں محمد بن جعفرؒ اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔

علو مرتبت: ۔علم وفضل کے اعتبار سے شیخ غندر بلند مرتبہ اور جلیل القدر حفاظ حدیث میں تھے۔ امام شعبہ کے دامن فیض سے کامل بیس سال تک وابستہ رہے تھے۔اس طویل صحبت نے فضائل و کمالات میں اپنے استاد کا جانشین بنادیا اور اسی بناء پر مرویات شعبہ کے باب میں ان کا پایہ باتفاق علماء سب سے بلند ہے۔چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

احد ارباب المتقنین ولا سیما فی شعبة (۳)

وہ ارباب اتقان میں سے تھے۔بالخصوص امام شعبہ کے باب میں ان کا ثبت مسلم تھا۔

حدیث رسول ﷺ: ۔حدیث رسول ﷺ کی تحصیل انہوں نے امام شعبہ کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ، معمر بن راشد، ابن جریج، ہشام بن حسان، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ سے کی تھی۔خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، قتیبہ، عثمان بن شیبہ اور ابوبکر بن خلاف کے نام نمایاں ہیں۔(۴)

روایات کا پایہ: ۔تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ غندر کی مرویات حجت اور قابل قبول ہیں۔علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

کان ثقة جلیلا حافظاً متقناً (۵)

وہ ثقہ، جلیل المرتبت، حافظ اور صاحب اتقان تھے۔

اتقان، ثبت اور ثقاہت ان کے نمایاں جوہر تھے، ایسے مؤرخ حدیث کم ہی ہیں، جن کی

---

(۱) مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۴۴۳۔(۲) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۹۸۔(۳) میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ صفحہ ۳۶۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۹۷۔(۵) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴

مرویات پر کسی نے جرح کی جرأت نہ کی ہو، بلاشبہ ان ہی مستثنیات میں امام غندرؒ بھی ہیں، ابن معین کا بیان ہے کہ بعض معاصر علماء نے شیخ غندرؒ کی مرویات میں خامی نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہے، اور برملا اعتراف عجز کیا کہ : "ماوجود ناشیئاً" (۱) یعنی ہم کو کچھ نہیں ملا۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

غندر فی شعبة اثبت منی (۲)

غندر امام شعبہ کے باب میں مجھ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے۔

صحت کتاب:۔ امام غندرؒ ان علماء متقنین میں سے تھے، جن کی کتاب یعنی مجموعی روایات اپنی صحت وثقاہت کی وجہ سے سند کا مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ ابن معین فرماتے ہیں "کان من اصح الناس کتاباً" (۳) امام وکیع انہیں صحیح الکتاب کہا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا ارشاد ہے "ہم لوگ امام شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کے خزینہ روایات سے استفادہ کرنے لگے تھے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں:

اذا اختلف الناس فی حدیث شعبة فکتاب غندر حکم بینهما (۴)

جب لوگ امام شعبہ کی کسی روایت کے بارے میں مختلف الرائے ہوجاتے تو غندر کی کتاب کو حکم قرار دیا جاتا۔

عبادت:۔ دولت علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے۔ پچاس سال تک مسلسل صوم داؤدی پر عمل پیرا رہے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار سے رہتے۔

مکث غندر خمسین سنة یصوم یوماً ویفطر یوماً (۵)

غندر پچاس سال تک ایک دن روزہ رکھتے رہے اور ایک دن بے روزہ رہتے۔

وفات:۔ سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے، لیکن صحیح ترین یہ ہے کہ ذیقعدہ ۱۹۳ ہجری میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا، اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔ (۶)

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۳۶۔ (۲) ایضاً۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) میزان ج ۳ صفحہ ۳۶۔
(۵) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۴۴۳۔ (۶) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴ وتہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۹۸ والعبر ج ۱ صفحہ ۲۱۱

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ۔محمد نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ یسار بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الجلاح بن الحریش بن جحجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری، اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر عام شہرت ابن ابی لیلیٰ کے نام سے پائی۔

نشوونما: ۔محمد بن عبدالرحمٰن کا خاندان، حسب ونسب اور شرف وکمال میں شروع ہی سے بلند رتبہ اور ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے جد امجد یسارؓ نے حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کی تھیں۔ جنگ احد وغیرہ متعدد غزوات میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے اور شرف جہاد حاصل کیا۔ آخر میں کوفہ آ کر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

اسی طرح ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بھی اپنے والد کے علاوہ کثیر التعداد صحابہ کرامؓ کی صحبت سے فیض اٹھایا اور پھر خود بھی بلند پایہ تابعین میں شمار کئے گئے۔ اس خاندانی نسبت وشرف سے محمد بن عبدالرحمٰن کو بہرۂ وافر نصیب ہوا، ان کے سن ولادت کا تو پتہ نہیں چلتا، لیکن اغلباً پہلی صدی ہجری کے ربع آخر میں کوفہ میں پیدا ہوئے، اس لئے کہ انہیں اپنے والد سے کسب فیض کا موقع نہ مل سکا تھا، جن کی وفات ۸۳ ہجری میں ہوئی۔(۱)

حدیث: ۔محمد بن عبدالرحمٰن کو حدیث میں کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا، بلکہ ان کے علم وفضل کی اصلی جولانگاہ فقہ تھی، ان کی محدثانہ حیثیت پر کافی کلام کیا گیا ہے۔ بہر حال جن ائمہ وعلمائے فن کے خرمن فیض سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں چند نمایاں نام یہ ہیں:

نافع مولیٰ ابن عمرؓ، عطاء بن ابی رباح، سلمہ بن کہیل، داؤد بن علی، اسماعیل بن امیہ اور شعبی وغیرہ۔(۲)

تلامذہ: ۔اور خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، زائدہؒ، سفیان بن عیینہؒ، وکیعؒ، ابونعیمؒ، ابن جریجؒ، محمد بن ربیعہؒ، عیسیٰ بن یونسؒ وغیرہ جیسی یگانہ زمانہ شخصیتیں شامل تھیں۔(۳)

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۹۔ (۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۸۲۔

فقہ:۔ فقہ میں مہارت ان کا اصلی طغرائے امتیاز تھی، اس فن میں انہیں امام شعبیؒ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ محمد بن عبدالرحمٰنؒ کی محدثانہ حیثیت پر نقد و جرح کے باوجود تمام ائمہ و محدثین نے ان کی فقیہانہ ژرف نگاہی کا بالاتفاق اعتراف کیا ہے۔ احمد بن یونس کا قول ہے:

کان ابن ابی لیلی افقہ اھل الدنیا (۱)

محمد بن ابی لیلیٰ تمام دنیا کے فقہاء میں سب سے زیادہ تفقہ رکھتے تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

کان فقہ ابن ابی لیلی احب الینا من حدیثہ (۲)

''محمد بن عبدالرحمٰن کی فقہ ہمارے نزدیک ان کی حدیث سے پسندیدہ تر ہے۔''

سفیان ثوری کا بیان ہے:

فقہاء نا ابن ابی لیلیٰ وا ابن شبرمۃ (۳)

ہمارے فقہاء تو صرف ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں۔

علم و فضل:۔ علمی اعتبار سے وہ بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ سوء حفظ کے باوصف حدیث و فقہ میں انہیں کلی دسترس حاصل تھی۔ ابوحفص الابار خود ان ہی کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ:

دخلت علی عطاء فجعل یسألنی و کان اصحابہ انکروا ذالک فقال وما تنکرون ھو اعلم منی (۴)

میں عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھ سے گفتگو کرنے لگے۔ ان کے تلامذہ کو ناگوار گذر رہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت عطاءؒ نے فرمایا، تم لوگ انہیں ناپسند کر رہے ہو، یہ مجھ سے بڑے عالم ہیں۔

منصبِ قضاء:۔ فقہ و فتاویٰ میں غیر معمولی مہارت اور کمال کی بناء پر وہ طویل ترین مدت تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ ان کے فیصلوں اور فتوؤں کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ساجی کا بیان ہے کہ کان یمدح فی قضاءہ

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) ایضاً صفحہ ۳۰۲۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔

• ماولی القضاء احد افقه فی دین الله ولا اقرء لکتاب الله ولا اقوال حقا بالله ولا اعف من الاموال من ابن ابی لیلیٰ (۱)

ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا، کتاب اللہ کو پڑھنے والا، حق گو اور مالی امور میں پاکدامن کوئی شخص مسند قضاء کی زینت نہیں بنا۔

سلیمان بن مسافر کہتے ہیں کہ میں نے منصور سے ایک بار پوچھا کہ کوفہ میں اس وقت سب سے بڑا فقیہ کون ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا "قاضی کوفہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ (۲)

اس منصب پر طویل عرصہ تک فائز رہنے کی بناء پر مفتی کوفہ اور قاضی کوفہ ان کے نام کے جزو ہی بن گئے تھے۔ سب سے پہلے یوسف بن عمر وثقفی نے انہیں قضاء کا منصب سپرد کیا تھا۔ پھر تقریباً ۳۳ سال تک وہ عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس، دونوں میں اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ (۳)

جرح وتعدیل:۔ اکثر علماء نے محمد بن عبدالرحمٰن کے حافظ اور روایت حدیث پر سخت نقد کیا ہے۔ چنانچہ امام شعبہ کہتے ہیں کہ مارأیت اسوأ من حفظه یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے "سیئی الحفظ جداً" دارقطنی لکھتے ہیں "ردی الحفظ کثیر الوهم" ابن حبان کا قول ہے:

کان فاحش الخطأ ردی الحفظ فکثرت المناکیر فی روایته (۴)

"وہ بہت فاحش غلطیاں کرتے تھے۔ حافظ خراب تھا۔ اس بناء پر ان کی روایات مناکیر بکثرت ہیں۔"

ساجی بیان کرتے ہیں:

کان یمدح فی قضاء ہ فاما فی الحدیث فلم یکن حجة (۵)

ان کے فیصلوں کو تو سراہا جاتا تھا، لیکن حدیث میں وہ حجت نہیں تھے۔

ان تمام تصریحات سے جہاں محمد بن عبدالرحمٰن کے سوء حافظہ کا ثبوت ملتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کذب کا الزام کسی نے عائد نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سوء حافظہ کی بناء پر روایت حدیث اور اسناد میں ان سے لغزشیں سرزد ہو جاتی تھیں، اس میں ان کے قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ ساجی کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ سیئی الحفظ لایعتمد الکذب۔ نیز

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۸۸۔ (۲) ایضاً۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۳

ابو حاتم نے تصریح کی ہے کہ قضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد وہ سوءِ حفظ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور روایت حدیث میں فاحش غلطیاں کرنے لگے مگر ان پر کذب کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔(۱)

اسی بناء پر بعض ائمہ ان کی روایات کو قبول کرتے اور انہیں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ عجلی کا قول ہے: کان فقیهاً صدوقاً صاحب سنة جائز الحدیث (۲)

علامہ ذہبی ان کی مرویات کو حسن کے درجہ میں تسلیم کرتے ہیں اور میزان الاعتدال میں ان کی متعدد روایات بھی نقل کی ہیں۔

حلیہ:۔ بہت خوبرو اور حسین وجمیل تھے۔(۳)

وفات:۔ رمضان المبارک ۱۴۸ ہجری میں علم کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔(۴) وفات کے وقت بھی قاضی کوفہ تھے۔(۵)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۲) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۴۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۵) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔

حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام مسلم، کنیت عبداللہ وابوخالد اور زنجی لقب تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے: مسلم بن خالد بن فروہ بن مسلم بن سعید بن جرجہ۔ قبیلہ مخزوم قریش کے ایک خاندان آل سفیان بن عبدالاسد سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی اور قرشی کہلاتے تھے۔(۱)

لقب کی وجہ تسمیہ:۔ زنجی کا لقب صغرسنی ہی میں پڑ گیا تھا اور پھر اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ نام کا جزو لاینفک بن گیا، اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف ومتضاد بیانات ملتے ہیں۔ دراصل عام طور پر سوڈان کی حبشی اقوام کو زنجی کہا جاتا ہے، اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ مسلم بن خالد بھی سیاہ فام تھے۔ جیسا کہ امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے سوید بن سعید سے ابن خالد کے زنجی کہلائے جانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ: ''ان کا رنگ سیاہ تھا۔''

لیکن ابن سعید اپنے اس قول میں متفرد ہیں، اکثر علماء کی تحقیق اس کے خلاف ہے۔ جس کے مطابق مسلم ابن خالد نہایت سرخ وسفید رنگ کے مالک تھے اور اس کی ضد میں ان کا لقب زنجی پڑ گیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رقمطراز ہیں "**لقب بالزنجی علی الضد لبیاضہ**"۔(۳)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے اس لقب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ مسلم بن خالد کو زنجیوں کی مانند کھجور بہت پسند تھی۔ ان کی باندی نے ایک دن ان سے کہا ''آپ کھجور کھانے میں بالکل زنجی ہیں۔'' بس اسی وقت سے یہ لقب پڑ گیا۔(۴)

ولادت اور وطن:۔ مسلم بن خالد ۱۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن شام تھا۔(۵) لیکن تاحیات مکہ مکرمہ ہی کی خاکِ پاک کو سرمۂ بصیرت بنائے رہے۔ یہاں تک کہ وطن اصلی کے بجائے مکی ہی کی نسبت شہرت حاصل ہوئی۔

فضل وکمال:۔ علم وفضل، زہد وعبادت اور ورع وتقویٰ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، گو حدیث میں انہیں کوئی لائق ذکر مقام حاصل نہ تھا، لیکن فقہ میں اپنے وقت کے امام اور مجتہد تسلیم کیے جاتے

---

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۲۹۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۹۔ (۵) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳

تھے۔ مکہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز تھی۔ ان کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے استاذ تھے۔ امام شافعیؒ نے ان ہی کے فیضان صحبت سے فقہ کی تحصیل کی تھی اور صرف پندرہ سال کی کم سنی میں ان سے افتاء کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ (۱)

علامہ ابن قتیبہؒ رقمطراز ہیں:

کان عابدا مجتھداً (۲)

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

تفقه و افتی و تصدر للعلم (۳)

شیوخ و تلامذہ:۔ ان کے حلقہ اساتذہ میں متعدد کبار تابعین کے نام شامل ہیں۔ جن میں سے کچھ لائق ذکر یہ ہیں۔ ہشام بن عروہ، ابن شہاب الزہری، محمد بن دینار، زید بن اسلم، عبداللہ بن عمرو، عتبہ بن مسلم، داؤد بن ابی ہند ابن جریج۔

اسی طرح خود ان کی بارگاہ علم و دانش میں زانوئے تلمذ تہ کرنے والے علماء میں عبداللہ بن وہب، امام شافعیؒ، عبدالملک بن ماشون، مروان بن محمد، ابراہیم بن شماس، احمیدی، ابونعیم، علی بن الجعد، ہشام بن عمار اور سوید بن سعید کے نام ممتاز ہیں۔ (۴)

جرح و تعدیل:۔ مذکور ہوا کہ مسلم بن خالد کے تبحر و کمال کی تمام تر جولانگاہ فقہ تھی۔ حدیث میں انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی۔ ابن معین اور بعض دوسرے علماء نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (۵) لیکن اکثر علمائے فن کے نزدیک ان کی عدالت وثبت مشتبہ ہے۔ امام ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف اور بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابو حاتم کا خیال ہے کہ وہ صرف کے امام تھے اور حدیث میں لائق حجت نہیں۔ (۶)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان کثیر الحدیث کثیر الغلط والخطاء فی حدیثه (۷)

وہ کثیر الحدیث ضرور تھے لیکن اسی کے ساتھ ان کی روایت غلط سلط بھی بہت ہوتی تھیں۔

ساجی آپ کے صدق کا اعتراف کرنے کے باوصف ''کثیر الغلط'' قرار دیتے ہیں۔ (۸)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۲) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۲۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۲۸۔ (۵) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳۔ (۶) خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۷۵۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۲۹

عبادت:۔ علم و فضل میں بلند مرتبہ ہونے کے ساتھ عبادت و ریاضت کا پیکر مجسم تھے۔ برابر روزہ رکھتے اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے۔ احمد الازرقی کا یہ بیان تمام ارباب تراجم نے نقل کیا ہے کان فقیھاً مفتیاً عابداً یصوم الدھر ۔(۱)(وہ فقیہ، مفتی، عبادت گزار تھے۔ ہمیشہ روزے رہتے تھے)۔

حلیہ:۔ ملاحت لئے ہوئے گورا رنگ تھا۔ چہرہ پر سرخی جھلکتی تھی، جس کی وجہ سے خوبروئی میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔(۲)

وفات:۔ ۱۸۰ ہجری میں بمقام مکہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رحلت فرمائی۔ ۸۰ سال کی عمر پائی۔(۳)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶ و شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۹۴۔ (۲) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳ و اللبانی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶ و شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۹۴

معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:۔ معاذ نام اور ابوالمثنیٰ کنیت تھی۔(۱) پورا نسب نامہ یہ ہے: معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان بن الحر بن مالک بن الخشخاش بن جناب بن حارث بن خلف بن الحارث بن مجفر بن کعب بن العنبر بن عمرو بن تمیم بن مر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن نصر،(۲) عنبری اور تمیمی خاندانی نسبتیں ہیں۔

وطن اور ولادت:۔ ابوالمثنیٰ ۱۱۹ ہجری کے اواخر میں متولد ہوئے۔ اس وقت بغداد کے تخت سلطنت پر خلیفہ ہشام بن عبدالملک دادِ حکمرانی دے رہا تھا۔(۳) یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ "ابوالمثنیٰ مجھ سے عمر میں دو ماہ بڑے تھے، کیونکہ وہ ابوالمثنیٰ ۱۱۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور میری ولادت ۱۲۰ ہجری کے آغاز میں ہوئی۔

فضل و کمال:۔ وسعت علم کے لحاظ سے وہ نہایت بلند مرتبت تھے، حدیث اور فقہ کے جامع اور دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے، اس فضل و کمال کی بنا، پر اکابر حفاظ حدیث اور مشاہیر تبع تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کمالات فنی کے ساتھ ذکاوت و فطانت، عقل و فرزانگی اور تواضع اور انکساران کے خاص اوصاف ہیں۔ علماء نے ان کی جلالت شان کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔

حافظ ذہبی کان احد الحفاظ اور الامام الحافظ العلامۃ لکھتے ہیں۔(۴)

حدیث:۔ حدیث میں انہیں خصوصی درک حاصل تھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ علم حدیث ابوالمثنیٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔(۵) یعنی وہ اس کی روایت و تدریس میں غایت درجہ دلچسپی اور شغف رکھتے تھے اور اس میں انہیں ایک خاص سرور و کیف حاصل ہوتا تھا۔ جن محدثین سے وہ مستفید ہوئے ان میں سلیمان التیمی، عبداللہ بن عون، سعید بن عروبہ، شعبہ بن الحجاج، سفیان الثوری، حمید الطویل، حاتم بن ابی صغیرہ، عاصم بن محمد، قرہ بن خالد، ورقاء بن عمرو وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔(۶)

تلامذہ:۔ ان کے معدن علم سے اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ

---

(۱) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۲ صفحہ ۱۲۷۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۷۔ (۴) العبر ج ۱ صفحہ ۳۰۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۴۔ (۶) تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۷ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۳۱۔

ابوالمثنیٰ نے بصرہ کے علاوہ بغداد اور دوسرے مقامات پر بھی اپنے فیض سے تشنگان علم کو شاد کام کیا تھا۔ ممتاز تلامذہ کی فہرست میں ان کے صاحبزادگان عبیداللہ اور مثنیٰ کے علاوہ چند نام یہ ہیں:

علی بن المدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، ابوبکر بن شیبہ، حکم بن موسیٰ، قتیبہ، بندار، محمد بن حاتم، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عثمان بن ابی شیبہ، ابراہیم بن محمد۔ (۱)

فقہ:۔ حدیث ہی کی طرح فقہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا، ابن حبان کا بیان ہے "کان فقیہا عالماً متقناً"۔ (۲)

تثبت واتقان:۔ روایت حدیث میں ان کے تثبت اور اتقان کا پایہ غایت درجہ بلند تھا، ناقدین فن نے اس خصوصیت میں ان کو عدیم النظیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان جیسے عبقری وقت نے برملا اعتراف کیا ہے کہ:

مابالبصرة ولا بالكوفة ولا بالحجاز اثبت من معاذ بن معاذ (۳)

بصرہ، کوفہ اور حجاز میں کہیں بھی معاذ بن معاذ سے زیادہ تثبت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

امام احمدؒ کا بیان ہے:

اليه المنتهىٰ فى التثبت بالبصرة (۴)

بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم تھا۔

ثقاہت:۔ اسی طرح نہایت ثقہ اور عدول تھے، جس کی سند یہ ہے کہ ان کی مرویات کو ائمہ صحاح اور علمائے امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ امام نسائیؒ کا قول ہے: "ثقة ثبت" ابن سعد رقمطراز ہیں: "کان ثقة"۔ (۵)

علاوہ ازیں ابوحاتم، امام بخاریؒ اور ابن حبان وغیرہ نے بھی بصراحت ان کی ثقاہت کی تصدیق کی ہے۔

قضاءت:۔ ابوالمثنیٰ اپنے کمال تفقہ کی بناء پر دوبار بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۱۷۲ ہجری میں اس منصب کو عزت بخشی۔ (۶)

لیکن صرف ایک ہی سال فرائض منصبی ادا کر پائے تھے کہ بعض لوگوں کی شکایت پر حاکم محمد بن سلیمان نے ان کو معزول کر کے محمد عبدالرحمٰن بن محمد المخزومی کو قاضی مقرر کر دیا۔ (۷) پھر

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۳۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۵۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۵) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۷۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۳۲۔ (۷) اخبار القضاۃ، ج ۲ صفحہ ۱۳۸

جب ۱۸۱ ہجری میں قاضی بصرہ عمر بن حبیب العدوی کی معزولی کے بعد دوسری مرتبہ اس عہدہ پر فائزہ ہوئے، اور ایک طویل عرصہ تک بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے، حتیٰ کہ وفات سے پانچ سال قبل رجب ۱۹۱ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے ان کے خلاف علماء اور عوام کی مسلسل شکایتوں سے مجبور ہو کر انہیں عہدہ سے برطرف کر دیا۔(۱)

معزولی کے اسباب:۔ قاضی معاذ کے خلاف ناراضگی اور شکایات کے متعدد اسباب تھے۔ انہوں نے اپنے عہد قضاء میں بہت جرأت، حق گوئی اور بیباکی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کئے۔ اس میں وہ عام وخاص کی کوئی تفریق روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اعیان دولت اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں کے بناء پر انہیں سخت ناپسند کرنے لگے تھے۔

علاوہ ازیں کبرسنی کی وجہ سے وہ گوناگوں جسمانی عوارض واعذار کا شکار ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں انہوں نے بصرہ کے چند علماء کو اپنا مقرب خاص بنالیا تھا۔ چنانچہ جب قاضی موصوف ایوان عدالت میں بیٹھتے تو یہ لوگ بھی وہاں موجود رہتے، اور بعض اوقات اپنی مرضی کے مطابق امورِ قضا طے کرا لیتے تھے۔ اس بدنما صورتحال سے ایک عام ناراضگی پھیلنے لگی، شعراء نے معاذ بن معاذ کی طویل ہجویں کہیں اور فقہاء وعلماء نے خلیفہ وقت سے مل کر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا، جب شکایتوں کی کثرت ہوگئی تو ہارون الرشید نے انہیں معزول کر دیا۔

کثرت دیانت:۔ دیانت وتقویٰ میں ان کے علومرتبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ عہدۂ قضا کے زمانہ میں ایک دن سخت بارش ہو رہی تھی، لیکن اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹے! اب میں ایوان عدالت میں جا رہا ہوں۔

لڑکے نے عرض کیا: ابا! آج تو اتنی بارش ہو رہی ہے۔ لوگ کہاں آئیں گے؟

کمال دیانت سے فرمایا: اس سے کیا ہوتا ہے۔ اجلاس کرنا تو ضروری ہے، ورنہ پھر ہمارے لئے کس طرح جائز ہوگا کہ ہم یومیہ اتنے درہم کا مشاہرہ لیتے رہیں۔ اور پھر اسی زوردار بارش میں جا کر ایوان عدالت میں بیٹھے۔(۲)

سادگی:۔ بایں ہمہ جلالت علم وفن اور عہدہ منصب۔ کے ان کی زندگی نہایت سادہ اور صولت و شوکت سے عاری تھی۔ جب انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو معتمر بن سلیمان ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت معنی خیز انداز میں کہا: ابوالمثنیٰ! اب تو آپ قاضی ہو گئے ہیں۔ قاضی معاذ فوراً

(۱) اخبار القضاۃ ج ۲ صفحہ ۱۵۴۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۲ صفحہ ۱۳۹

الفاظ کی تہہ کو پہنچ گئے اور بجائے کچھ جواب دینے کے ان کو اپنے مکان میں لے گئے۔ وہاں ابن سلیمان نے جوگردوپیش کا جائزہ لیا تو دھوپ میں بستر کی جگہ ایک چٹائی پڑی تھی۔ قاضی معاذ اپنے بالائی جسم پر کرتے وغیرہ کی بجائے ایک بہت پرانی روئیں دار چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر ابن سلیمان ضبط نہ کر سکے اور بادیدہ نم خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل پڑے۔(۱)

عقل و فرزانگی:۔فیض قدرت نے دیگر فضائل و مناقب کے ساتھ ان کو عقل و فہم سے بھی بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ امام احمد جنہیں ان سے تلمذ خاص حاصل تھا، بیان کرتے ہیں کہ میں نے معاذ بن معاذ سے زیادہ دانشمند کسی کو نہیں دیکھا۔ **مارأیت اعقل منہ**۔(۲)

عقائد میں تشدد:۔ان کے عقائد تمام مبتدعانہ خیالات کی آمیزش سے پاک وصاف تھے۔ خلق قرآن کا فتنہ گوان کی وفات کے بعد بہت گرم ہوا، لیکن متکلمین کے اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں ان کا مسلک بہت دوٹوک تھا کہ قرآن خدا کا کلام اور غیر مخلوق ہے، اور اس بارے میں وہ اتنے زیادہ متشدد تھے کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے چنانچہ خود ان کا قول ہے کہ:

من کان القرآن مخلوق فھو واللہ زندیق (۳)

جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو وہ بخدا زندیق ہے۔

وفات:۔خلیفہ امین کے عہد حکومت میں ۲۹ ربیع الآخر ۱۹۶ ہجری کو بمقام بصرہ علم و عمل کا یہ روشن چراغ گل ہوگیا۔(۴) نماز جنازہ بصرہ کے امام محمد بن عباد المہلبی نے پڑھائی۔ وفات کے وقت ۷۷ سال کی عمر تھی۔(۵)

---

(۱) اخبار القضاۃ صفحہ ۱۲۹۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۵ و المعارف صفحہ ۲۲۳۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۸۔

حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب :۔ معافی نام اور ابو مسعود کنیت تھی۔نسب نامہ یہ ہے: معافی بن عمران ابن محمد عمران بن نفیل بن جابر بن وہب بن عبید اللہ بن لبید بن جبلہ بن غنم بن دوس بن محاسن بن سلمہ بن فہم۔(۱) حافظ ابن حجر نے اس سے کچھ مختلف سلسلہ نسب کا ذکر کیا ہے، جو اس طرح ہے۔معافی بن عمران بن نفیل بن جابر بن جبلہ بن عبید بن لبید بن محاسن بن سلمہ بن مالک بن فہم۔(۲) ازدی، فہمی، نفیلی اور موصلی ان کی خاندانی اور وطنی نسبتیں ہیں۔

ولادت اور وطن :۔ عراق کے مشہور مردم خیز شہر موصل کے رہنے والے تھے۔سنہ ولادت کی تصریح نہیں ملتی۔لیکن علماء نے ان کا سال وفات ۱۸۵ ہجری اور عمر ۶۰ سال ذکر کی ہے۔جس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت :۔ انہیں کم عمری ہی سے طلب علم کا بے پناہ شوق تھا۔چنانچہ بکثرت مقامی علماء سے اکتساب فیض کے بعد بھی ان کی تشنگی علم فرو نہ ہو سکی اور دوسرے ملکوں کا سفر کر کے وہاں کے ممتاز منبعہائے علم سے سیراب ہوئے۔اسی سلسلہ میں کوفہ پہنچے، جو حرمین کے بعد علوم دینیہ کا سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا تھا اور وہاں زمرۂ تبع وتابعین کے گل سر سبد حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک قیام کر کے فقہ، ادب اور حدیث میں مہارت پیدا کی۔اس طویل شرف صحبت نے ان کو حضرت امام ثوریؒ کے علوم کا گنجینہ بنا دیا تھا۔ابوزکریا الازدی اپنی تاریخ موصل میں لکھتے ہیں:

رحل فی طلب العلم الی الآفاق وجالس العلماء ولزم الثوری وتادب بادابه وتفقه به واکثر عنه (۳)

انہوں نے طلب علم کے سلسلہ میں دنیا کا سفر کیا۔علماء کی صحبت میں بیٹھے، علی الخصوص امام ثوریؒ سے فقہ وادب وغیرہ کی کافی تحصیل کی۔

شیوخ :۔ ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، کیونکہ انہوں نے عراق اور جزیرہ کے علاوہ دنیا کے تقریباً ہر ممتاز علمی مرکز سے اکتساب فیض کیا تھا۔خود اپنے بیان کے مطابق انہوں نے آٹھ سو شیوخ سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا۔ان میں لائق ذکر اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۹۔(۳) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۹

ہشام بن عروہ، ابن جریج، امام اوزاعی، سعید بن ابی عروبہ، سفیان ثوری، مالک بن مغول، حریز بن عثمان، سلیمان بن ہلال، ابراہیم بن طہمان، اسرائیل بن یونس، ثور بن یزید، جعفر بن برقان، حماد بن سلمہ، حنظلہ بن ابی سفیان، عبدالحمید بن جعفر، زکریا بن اسحاق، ہشام بن سعد۔

تلامذہ:۔ ان کے حلقہ تلامذہ میں بہت سے نامور علماء شامل ہیں۔ ان کے صاحبزادگان احمد و عبدالکبیر کے علاوہ چند ممتاز نام یہ ہیں:

بشر الحافی، اسحاق بن عبدالواحد قرشی، ابراہیم بن عبداللہ، محمد بن عبداللہ بن عمار، محمد بن جعفر الوکانی، حسن بن بشر البجلی، مسعود بن جویریہ، ہشام بن بہرام، محمد بن علی الموصلی، یحیٰ بن مخلد المقسمی، موسیٰ بن مروان الرقی۔(۱)

علم و فضل:۔ فضل و کمال کے اعتبار سے ان کا شمار علمائے اعلام میں ہوتا ہے۔ بالخصوص موصل اور جزیرہ میں علوم دینیہ کو انہی کی جدوجہد سے فروغ حاصل ہوا۔

چنانچہ بقول علامہ ابن سعد ابن موصل ان کو اپنے لئے مایہ صد افتخار و ناز تصور کرتے تھے۔(۲) سفیان ثوری ان کی جلالت شان کے اس حد تک معترف تھے کہ انہیں "یاقوتۃ العلماء" کا خطاب دے دیا تھا۔(۳) ابن عمار کا بیان ہے کہ:

لم أر احداً قط افضل منه (۴)

میں نے ان سے بڑا فاضل نہیں دیکھا۔

بشر بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ معافی علم و دانش اور نیکی و صالحیت کا پیکر مجسم تھے۔

كان المعافي محشواً بالعلم والفهم والخير (۵)

معافی میں علم و فہم اور صلاح و خیر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

حدیث:۔ حدیث میں انہیں خاص درک و کمال حاصل تھا۔ ائمہ جرح و تعدیل نے ان کی مرویات کو ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة فاضلا خيرا صاحب سنة (۶)

ثقہ، فاضل، صالح اور سنت کے متبع تھے۔

علاوہ ازیں ابن معین، ابو حاتم، ابن خراش اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔(۷)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۸۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۴۔ (۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۸۰۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۰۰۔ (۶) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۰

تقویٰ وصالحیت:۔ کمال علم کے ساتھ زہد وعبادت اور تقویٰ وصالحیت بھی ان کا طغرائے امتیاز تھی۔ ابوزکریا ازدی کا بیان ہے کہ:

كان زاهداً فاضلاً شريفاً كريماً عاقلاً

وہ متقی، فاضل، شریف ونیک اور اہل دانش تھے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ بڑے عابد وزاہد تھے۔ عبداللہ بن مبارکؒ جو عمر میں ان سے بہت بڑے تھے، فخر کے ساتھ ان سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "حدثني الرجل الصالح"(۱)

رضا برضائے الٰہی:۔ غم ومسرت ہر موقع پر خداوند قدوس کی مشیت پر راضی وشاکر رہتے تھے، خوارج نے ان کے دولڑکوں کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیا تھا، لیکن کبھی خدا کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔(۲)

سیر چشمی:۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرت علم کے ساتھ دنیاوی خوش حالی اور فارغ البالی سے بھی سرفراز کیا تھا۔ مال ودولت کے علاوہ بڑے صاحب جائیدا تھے، لیکن اس کے باوجود خود ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، جو کچھ غلہ ان کے پاس آتا تھا، اس میں بقدر کفاف رکھ کر باقی سب اپنے احباب میں جن کی تعداد ۳۴ تھی تقسیم کر دیتے تھے۔(۳) بشر بن الحارث کا بیان ہے کہ شیخ معافی کبھی تنہا کھانا تناول نہ فرماتے تھے، بلکہ اپنے ساتھ دسترخوان پر کچھ لوگوں کو ضرور شریک کرتے۔(۴)

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۸۵ ہجری یا ۱۸۶ ہجری میں رحلت فرمائی۔(۵) ابن عماد حنبلی نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے۔(۶) انتقال کے وقت ۶۰ سال کی عمر تھی۔

تصنیف:۔ ابوزکریا ازدی نے "تاریخ موصل" میں امام معافیؒ کو حدیث وغیرہ کی بکثرت کتابوں کا مصنف لکھا ہے۔(۷) لیکن کسی دوسرے مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوئی۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۶) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۸۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۲

حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نام معمر، کنیت ابوعروہ اور والد کا اسم گرامی راشد تھا۔ (۱) بصرہ کے ایک شخص عبدالسلام بن عبدالقدوس کے غلام تھے، جنہیں خود قبیلہ ازد کی حدان نامی ایک شاخ سے نسبت ولاء حاصل تھی۔ اسی بالواسطہ نسبت کی وجہ سے ابوعروہ ازدی اور حدانی مشہور ہوئے۔

بنو حدان بصرہ میں آکر جس مقام پر آباد ہوئے تھے، وہ بھی محلہ حدان کہا جانے لگا تھا۔ (۲)

وطن اور ولادت:۔ ۹۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، لیکن پھر حالات سے مجبور ہو کر یمن میں مستقل بود وباش اختیار کر لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ یمن کے اکابر شیوخ سے اکتساب فیض کرنے کے لئے وہاں گئے، پھر جب فارغ ہونے کے بعد وطن مالوف واپسی کا عزم کیا تو اہل صنعاء جو ان کے علم وفضل اور حسن اخلاق سے بے حد متاثر تھے، انہیں چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور ایک شخص نے انہیں مستقل طور پر یمن میں روکنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ان کا عقد وہیں کر دیا، چنانچہ پھر یمن ہی ان کا وطن ثانی ہو گیا۔ (۳)

طلب علم:۔ ابن راشد غلام ہونے کے باوجود تحصیل علم کی فطری استعداد اور بہت ذوق وشوق رکھتے تھے۔ بقول امام احمدؒ معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے اور اس کے جویاں رہتے تھے۔ (۴)

چنانچہ اسی لگن اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ یمن کا سفر کر کے اس کے مرکز علم سے مستفید ہونے والوں میں انہیں اولیت کا فخر حاصل ہے، یمن میں اس وقت مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوہریرہؓ کے آغوش تربیت کے پروردہ ہمام بن منبہؒ کا فیض جاری تھا۔ معمرؒ ان سے پوری طرح مستفید ہوئے۔ (۵) اس کے علاوہ بصرہ میں قتادہ اور رصافہ میں امام زہری کی خدمت میں حاضر ہو کر خصوصی تلمذ کا شرف حاصل کیا تھا۔

حضرت قتادہؓ سے سماع حدیث کے وقت معمر کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی۔ اس کم سنی میں انہوں نے شیخ مذکور سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ آخر عمر تک مستحضر رہا جیسا کہ خود ان ہی کا بیان ہے۔

سمعت من قتادة ولی اربع عشرة سنة فما سمعته اذكى كانه مكتوب فی

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۳۵۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ (۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۰۵۸۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴۔ (۵) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۲۱ ومرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۰۲

صدری (۱)

میں نے قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں سماع حاصل کیا تھا اور ان سے میں نے اس وقت جو کچھ سنا تھا وہ گویا میرے قلب پر نقش ہو گیا تھا۔

فضل وکمال:۔ طلب علم میں اس جانکاہ محنت ولگن کے نتیجہ میں وہ فضل وکمال کے آسمان پر خورشید وتاباں بن کر چمکے اور زبان خلق نے انہیں عالم الیمن کے لقب سے سرفراز کیا۔ ابن جریج جیسے منتخب روزگار امام بھی معمر کی توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے تلامذہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے:

علیکم بمعمر فانہ لم یبق فی زمانہ اعلم منہ (۲)

معمر کی فیض صحبت سے مستفید ہو، اس لئے کہ اپنے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا۔

امام احمدؒ کا بیان ہے کہ ہم جب بھی معمرؒ کا دوسرے اہل علم سے موزنہ کرتے تو ہمیشہ معمر کو فوقیت حاصل ہوتی۔ (۳) ابن عماد حنبلیؒ ان کو ''عالم الیمن ثقہ ورع'' اور حافظ ذہبیؒ ''احد اعلام الثقات الامام الحجہ'' لکھتے ہیں۔ (۴)

حدیث:۔ علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کو خاص ملکہ خاص تھا۔ ہزاروں حدیثیں ان کے خزانہ دماغ میں محفوظ تھیں۔ عبدالرزاق بن ہمام بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت مع معمر عشرۃ الاف حدیث (۵)

میں نے معمرؒ سے دس ہزار حدیثیں لکھیں ہیں۔

ان کے شیوخ حدیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں اکابر تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کی کافی تعداد شامل ہے۔ امام زہری، ہشام بن عروہ، قتادہ، عمرو بن دینار، یحییٰ بن کثیر، ہمام بن منبہ، ثابت البنانی، عاصم الاحول، ابو اسحاق السبیعی، ایوب السختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، سماک بن الفضل، اسماعیل بن علیہ، محمد بن المنکدر کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اور خود معمر کے فیضان صحبت سے شادکام ہونے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، غندر، عبدالرزاق بن ہمام، سفیان بن عیینہ، ہشام بن یوسف،

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۱۷۱ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۵۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۲۲۰۔ (۴) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۲۳۵ و میزان الاعتدال ج ۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۱۷۱

اسماعیل بن علیہ، یزید بن زریع، سعید بن ابی عروبہ، ابن جریج، امام شعبہ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، محمد بن ثور اور عبداللہ بن معاذ کے نام نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں معمر کے شیوخ میں سے یحییٰ بن کثیر ابو اسحاق سبیعی، ایوب سختیانی اور عمرو بن دینار نے بھی بایں ہمہ تبحر علم وفن ان سے روایت کی ہے، جو معمر کے علو مرتبت اور بلندی شان کی بین دلیل ہے۔ (۱)

ثقاہت:۔ اکثر علمائے جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، بالخصوص امام زہریؒ سے ان کی مرویات کا پایہ نہایت بلند ہے۔ ابن معینؒ کا بیان ہے کہ "معمر اثبت الناس فی الزھری" (۲) عجلی کا قول ہے:

بصری سکن الیمن ثقة رجل صالح (۳)

وہ بصرے کے رہنے والے تھے، یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ثقہ اور نیک انسان تھے۔

امام نسائیؒ کہتے ہیں "**ھو ثقة مامون**" (۴) علی بن مدینی اور ابو حاتم معمر کا شمار ان علمائے کبار میں کرتے تھے جن پر مشیخت اسناد ختم تھی۔ (۵)

مناقب وفضائل:۔ ان گوناگوں علمی کمالات کے علاوہ ابن راشد اور بھی بہت سی انسانی خوبیوں کے حامل تھے۔ نیک طینتی، تقویٰ، صالحیت اور بلند ظرفی ان کے خاص جوہر تھے۔ حافظ ذہبی اور علامہ یافعی خامہ ریز ہیں۔ "**کان معمر صالحاً خیراً**" (۶)

ابن سعد لکھتے ہیں:

کان معمر جلالہ قدر و نبل فی نفسه (۷)

اہل یمن ان ہی محاسن واوصاف حمیدہ کی بناء پر ان کے والہ وشیفتہ ہو گئے تھے۔ استغناء اور اخفائے عمل خیر کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حاکم یمن، معن بن زائدہ نے انہیں کچھ سونا ہدیۃً بھیجا، معمر نے اسے نہ صرف واپس کر دیا بلکہ اپنی شریکہ حیات کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ اگر تم نے کسی کو یہ بات بتائی تو میں سخت اقدام کروں گا۔ (۸)

وفات:۔ رمضان ۱۵۳ ہجری میں ان کا آفتاب حیات غروب ہو گیا۔ (۹) وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔ (۱۰)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۱ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۳) خلاصہ تذہیب وتہذیب الکمال صفحہ ۳۸۴۔ (۴) ایضاً۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴۔ (۶) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۲۱ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۷۔ (۸) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۹) العبر ج ۱ صفحہ ۲۲۰ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۱۰) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۵

حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ مکی نام اور ابوالسکن کنیت تھی۔ (۱) سلسلہ نسب یہ ہے، مکی ابراہیم بن بشیر بن فرقد۔ (۲) تمیم کے قبیلہ براجم کی سب سے مشہور شاخ بنوحنظلہ بن مالک سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔اس وجہ سے براجمی، تمیمی اور حنظلی تینوں نسبتوں سے شہرت پائی۔ (۳)

وطن اور پیدائش:۔ خراسان کا شہر بلخ اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ اس کی خاک سے لاتعداد ائمہ، علماء اور صلحاء پیدا ہوئے اور بزم علم وعمل کی رونق دوبالا کی۔ یہی مردم خیز سرزمین ۱۲۶ ہجری میں ابوالسکن کی ولادت سے مشرف ہوئی۔ (۴)

علم وفضل:۔ علمی اعتبار سے وہ اکابر اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے تھے۔انہیں سترہ منتخب روزگار تابعین کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس گرانبہا دولت سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان تابعین کے چمنستان علم کی عطر بیزی سے اپنے دل ودماغ کو معمور کیا۔علامہ ذہبی الحافظ الامام شیخ خراسان لکھتے ہیں۔ (۵)

حدیث:۔ ابوالسکن تحصیل علم کا فطری ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ صرف سترہ سال کی عمر ہی میں انہوں نے طلب حدیث کے لئے بادیہ پیمائی شروع کردی اور دور دراز ملکوں کا سفر کر کے تابعین کے منبع علم سے مستفیض ہوئے۔اس کے اساتذہ حدیث میں زید بن ابی عبید، جعفر الصادق، بہز بن حکیم، ابی حنیفہ، ہشام بن حسان ابن جریج، مالک بن انس، یعقوب بن عطاء، فطر بن خلیفہ، حنظلہ بن ابی سفیان، ہشام الدستوائی، جعد بن عبدالرحمن، عبداللہ بن سعید اور ایمن بن نابل کے نام قابل ذکر ہیں اور تلامذہ میں امام بخاریؒ، امام احمد، یحییٰ بن معین، یحییٰ الذہلی، عباس الدوری، محمد بن المثنیٰ، عبداللہ بن مخلد، محمد بن حاتم، ابراہیم بن یعقوب، محمد بن اسماعیل بن علیہ، یزید بن سنان، احمد بن نصر، محمد بن الحسن بن مکی، ابراہیم بن موسیٰ الرازی، حسن بن عرفہ، محمد بن وضاح، یعقوب بن سفیان، یعقوب بن شیبہ، محمد بن یونس اور معمر بن محمد جیسے یگانہ عصر ائمہ شامل ہیں۔ (۶)

ثقاہت:۔ ان کی ثقاہت وعدالت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی جامع

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۳۔ (۳) اللباب ج ۱ صفحہ ۱۰۸ وکتاب الانساب ورق ۱۷۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴۔

صحیح میں ان کے متعدد مرویات کی تخریج کی ہے۔(۱) اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں امام بخاریؒ کے کبار شیوخ میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں خلیلی انہیں ثقہ، متفق علیہ، دار قطنی ثقہ مامون، امام احمد، ابن معین عجلی اور ابو حاتم ثقہ صدوق کہتے ہیں۔(۲) علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: کان ثقة ..... و کان ثبتا فی الحدیث۔(۳)

عبادت و تدوین:۔ علم کے ساتھ عمل میں بھی انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ کثرت سے عبادت فرمایا کرتے تھے۔ عبدالصمد بن الفضل راوی ہیں کہ میں نے اکثر ابن ابراہیم کو یہ فرماتے سنا کہ:

حججت ستین حجة و جاورت عشرین سنة (۴)

میں نے ساٹھ حج کئے اور بیس سال تک (بیت اللہ) کے قریب رہا۔

عبداللہ بن مدرک کی روایت کے مطابق شیخ ابن ابراہیم نے بارہ سو دینار مکہ کے مکانوں کا کرایہ ادا کیا تھا۔(۵) ساٹھ مرتبہ زیارت حرمین کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس زمانہ میں سفر حج کی ان سہولتوں اور آسائشوں کا تصور بھی محال تھا، جو عہد حاضر میں پائی جاتی ہیں۔ اس وقت حج کا سفر اپنی صعوبتوں اور خطرات کی بناء پر سفر آخرت کے مترادف خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ تاریخ بغداد میں اس روایت کے ساتھ "قطعت البادیة" کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی میں نے بلخ سے مکہ تک بادیہ پیمائی کی۔

وفات:۔ ۱۵ شعبان ۲۱۵ ہجری کو بمقام بلخ رہ سپار عالم جاوداں ہوئے۔(۶) تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

---

(۱) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۱۰۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۵ و تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۵۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۔۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۴۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۱۷۔ (۶) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۷۹ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۹

حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ موسیٰ نام، ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب (۱) ہے۔ان کے والد امام صادقؒ اور جد امجد امام باقرؒ اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے۔ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (۲) ہاشمی، علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ ان کی دادی فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔اس طرح ننہالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔

ولادت:۔ ۱۲۸ ہجری میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔(۳)

فضل وکمال:۔ موسیٰ الکاظم اس خانوادہ علم کے گوہر شب چراغ تھے، جس کا ہر ہر فرد آسمان فضل وکمال کا بدر کامل اور مسند علم کا شیخ الکل تھا۔اس لئے امام کاظم کو دولت علم گویا وراثتاً نصیب ہوئی تھی۔اس کے علاوہ جود وکرم، عبادت وریاضت، تضرع وانکسار اور تقویٰ و پاکبازی کا پیکر مجسم تھے۔ابوحاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كان صالحاً عابداً جواداً حليماً كبير القدر (۴)

وہ صالح، عبادت گزار، حلیم الطبع، سخی اور جلیل المرتبت تھے۔

حدیث:۔ انہوں نے تبحر علمی اور جلالت فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغ دین میں صرف کی۔اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں "بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کی مصداق ہیں۔

حدیث میں انہوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبداللہ بن دینار اور عبدالملک بن قدامہ الجمحی سے استفادہ کیا تھا۔ممکن ہے ان کے حلقہ شیوخ میں کچھ اور ائمہ بھی شامل ہوں۔لیکن طبقات وتراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذہ حدیث کا ذکر ملتا ہے۔ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے۔چنانچہ

(۱) العبر فی خبر من غبر ج اصفحہ ۲۸۷۔(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۳۹۔(۳) شذرات الذہب ج اصفحہ ۳۰۴ ودول الاسلام ج ۳ صفحہ ۱۰۸۱۔(۴) تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۹۰

وہ لکھتے ہیں کہ:

اگر موسیٰ کاظم کا سنہ ولادت ۱۲۸ ہجری مستند اور صحیح ہے تو پھر عبداللہ بن دینار کی وفات ان سے پہلے ہی ۱۲۷ ہجری میں ہوگئی تھی۔(۱)

خود ان کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم، حسین، اسماعیل، علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید او رمحمد بن صدقة العنبری کے نام قابل ذکر ہیں۔(۲)

ثقاہت:۔ ان کی ثقاہت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب وشک سے بالاتر قرار دیا ہے۔ابوحاتم ثقہ، صدوق امام کہتے ہیں۔(۳)

عبادت:۔ عبادت وریاضت کا خاص اہتمام تھا، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حافظ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں ان کا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے۔علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

کان کثیر العبادة والمشاءة ۔حتیٰ کہ جب ہارون الرشید نے ان کو دیوار زنداں کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب وروز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آسکا۔ چنانچہ قید خانہ کی ایک عینی راویہ نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کئے ہیں۔

کان اذا صلی العتمة حمد الله ومجده ودعاه فلم یزل کذالک حتی یزول اللیل فاذا ازال اللیل قام یصلی حتی یصلی الصبح ثم یذکر قلیلا حتی تطلع الشمش ثم یقعد الیٰ ارتفاع الضحی، ثم یتهیا ویستاک ویاکل ثم یرقد الیٰ قبل زوال ثم یتوضأ ویصلی حتی یصلی العصر ثم یذکر فی القلة حتی یصلی المغرب ثم یصلی مابین المغرب والعتمة (۴)

وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر وفکر اور حمد وثناء میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ جب کافی رات گر جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے، پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے، پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے۔ پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے، پھر وضو کر کے نماز

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۴۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰۹۔
(۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۱

پڑھنا شروع کر دیتے اور عصر تک پڑھتے رہتے، پھر قبلہ رو ہو کر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر نماز مغرب پڑھنے کے بعد عشاء تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے۔

ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظم کثرت عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنی روح وجسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا بیان کی راویہ اخت سندی جو زندان میں امام صاحب کی خدمت میں مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے ہی بدنصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گذار بندے سے تعرض کرتے ہیں اور انہیں پریشان کرتے ہیں۔ (۱) حافظ ذہبی انہیں صالح، عابد، جواد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں۔ (۲)

سخاوت:۔ جود وسخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغۂ امتیاز تھا۔ امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

کان احد کبار العلماء الاجواد (۳)

وہ ان اکابر علماء میں سے تھے جو سخاوت کی صفت سے متصف تھے۔

امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

کان موسیٰ من اجود الحکماء (۴)

موسیٰ کاظم بہترین حکماء میں سے تھے۔

ان کی داد و دہش اور فیاضی و سیر چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور یافعی کی مرآۃ الجنان میں منقول ہیں۔ (۵)

قید و بند کی صعوبتیں:۔ تاریخ اسلام میں ایسے اہل دعوت وعزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے جنہوں نے حق وصداقت اور ایمان وایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شدائد وصعوبتوں کو بطیبِ خاطر انگیز کیا بلکہ کتنوں نے تو اس راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی، لیکن ان کے پائے ثبات واستقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہو سکا۔ امام موسیٰ کاظم بھی دو بار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۱۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۸۷۔ (۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۰۸۱۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰۹۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۲-۳۳ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۴

سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا، لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، جن کے چہرے سے سخت ناراضگی کے آثار عیاں تھے اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے:

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم

تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔

چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسیٰ کاظم کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اس کے اور اس کے لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے اور امام صاحب کو تین ہزار دینار دے کر بصد اعزاز واکرام مدینہ واپس بھیج دیا۔

پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام امام موسیٰ کاظمؒ کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں، اس سے اس کو بہت اندیشہ لاحق ہوا۔

چنانچہ رمضان ۱۷۹ ہجری میں جب خلیفہ مذکور عمرہ کی غرض سے حرمین گیا تو واپسی پر امام صاحبؒ کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا اور وہاں کے والی عیسیٰ بن جعفر کے پاس مقید کر دیا۔ وہ ایک سال تک وہاں رہے، اس کے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیے گئے اور تادم حیات وہیں رہے۔(۱)

قید بیجا سے رہائی کی دعا:۔ امام کاظمؒ کی بلندی شان کی ایک بین دلیل یہ ہے کہ بغداد کے زمانہ اسیری میں انہیں عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔(۲) آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے:

''اے موسیٰ! یقیناً تم مظلوم ہو، میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں، اگر تم ان کا ورد کرو تو آج ہی شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

یاسامع کل صوت یا سائق الفوت یا کاسی العظام لحماً ویامنشرھا بعد الموت اسئلک باسمائک الحسنی وباسمک الاعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیہ احد من المخلوقین یا حلیماً ذا اناء ۃ لایقوی علیٰ اناء تہ یاذا المعروف الذی لاینقطع ابداً ولا یحصی عدداً فرج عنی(۳)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۴۰۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۲ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۵۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۴

صاف گوئی:- قید خانہ ہی سے انہوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا جو ان کی صاف گوئی، جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے۔ اس خط میں تحریر تھا:

اما بعد یاامیر المؤمنین انه لم ینقص عنی یوم من البلاء الا انقضی عنک یوم من الرخاء حتی یفضی بنا ذالک الی یوم یخسر فیه المبطلون (۱)

اے امیر المومنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گذر رہے ہیں، ویسے ویسے تمہاری عیش وراحت کے دن بھی کم ہوتے جارہے ہیں، حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن ملیں گے جب برا عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے۔

وفات:- کامل ۷۳ سال دنیائے علم وعمل کو منور رکھنے کے بعد ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری کو شمع فروزاں گل ہوگئی۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی۔ بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مرجع انام ہے۔ (۲)

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۸۳۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۲ صفحہ ۱۰۵ ومیزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰۹

حضرت نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ اسم مبارک نافع اور عبدالرحمٰن یا ابورویم کنیت تھی۔ معلوم نسب نامہ یہ ہے: نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم، اپنے والد کے بجائے جدامجد کی طرف منسوب ہوکر مشہور ہیں۔ بنولیث کے غلام تھے۔

ولادت، خاندان اور وطن:۔ ۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصلاً اصفہان سے تعلق رکھتے تھے لیکن چونکہ تاعمر ان کا مسکن دارالہجرۃ مدینہ منورہ رہا، اس لئے مدنی کہلاتے ہیں۔

فضل وکمال:۔ نافع کا شمار ان جلیل القدر اتباع تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے چمنستان علم و فن کو فردوس نظیر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ کتاب اللہ کی جن قرأت سبعہ کے تواتر پر امت کا اتفاق واجماع ہے اس میں امام نافع کی قرأت بھی شامل ہے۔

اس کے صحیفہ کمال کا سب سے درخشاں باب تجوید وقرأت میں غیر معمولی مہارت ہی ہے۔ انہیں ستر تابعین سے قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے اجلہ روزگار صحابہ کرام کے نامور تلامذۂ قرأت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے وہ خود بھی اس فن کے امام ہو گئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ صغار صحابہ کے دیدار کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ لیکن ان سے اکتساب فیض نہ کر سکے۔

اصمعی کا بیان ہے:

کان من القراء الفقهاء العباد (۱)

وہ قراء فقہاء اور عبادت گزاروں میں تھے۔

شیوخ:۔ جیسا مذکور ہوا، انہوں نے ستر تابعین کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی تھی، جن میں ابوجعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، فاطمہ بنت علی بن ابی طالب، زید بن اسلم، ابوالزناد، عامر بن عبداللہ، زبیر بن محمد بن یحییٰ بن حبان، نافع مولی ابن عمرؓ، صفوان بن سلیم اور ربیعہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تلامذہ:۔ امام نافعؒ نے کم وبیش ستر سال تک درس وافادہ کی خدمات انجام دیں۔ اس طویل ترین

مدت میں ہزاروں تشنگان علم ان کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، جن میں امام مالک بن انس کے علاوہ اسماعیل بن جعفر، اصمعی، خالد بن مخلد، سعید بن ابی مریم، محمد بن مسلم المدنی، موسیٰ بن طارق، عیسیٰ بن مینا قالون تعینی اور عثمان بن سعید الورش کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۱)

قرآن:۔ کثیر التعداد اکابر شیوخ کے فیضان صحبت سے انہیں قرأت قرآن کا نکتہ شناس اور اس کے اسرار و رموز کا سب سے بڑا واقف کار بنا دیا تھا اور اسی مہارت فنی کے باعث اپنے شیخ ابوجعفر یزید بن تعقاع کے بعد مدینہ منورہ کے بالاتفاق ''الامام القراء'' تسلیم کئے گئے۔

لیث کہتے ہیں کہ ۱۱۳ ہجری میں جب میں زیارت حرمین کے سلسلہ میں مدینہ پہنچا تو وہاں قرأت کا امام نافع بن ابی نعیم کو پایا۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

نافع امام الناس فی القرأة (۲)

نافعؒ قرأت کے امام ہیں۔

لیث بن سعد ہی کا دوسرا بیان ہے کہ:

ادرکت اهل المدینة وهم یقولون قرأة نافع سنة (۳)

میں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے پایا کہ نافع کی قرأت سنت ہے۔

امام مالکؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اہل مدینہ کی قرأت مختار اور پسند ہے۔ دریافت کیا گیا ''کیا نافع کی قرأت؟'' فرمایا ''ہاں نافع کی قرأت۔''

حدیث:۔ حدیث نبوی ﷺ میں انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی، اسی باعث صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے انہوں نے تحصیل قرأت کے علاوہ سو حدیثوں کا سماع بھی حاصل کیا تھا۔

نافع کے پایہ ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی رائیں بہت اچھی ہیں۔ چنانچہ ابن معین، ابوحاتم، نسائی، ابن حبان اور ابن سعد صراحت کے ساتھ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن حجر رقمطراز ہیں:

لم ارفی احادیثه شیئاً منکراً وارجو انه لاباس به (۴)

میں ان کی مرویات میں کوئی منکر بات نہیں دیکھتا اور میرا خیال ہے ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۰۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۰۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۰۸۔
(۴) ایضاً صفحہ ۴۰۷

شمائل:۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت ہمیشہ ان کے منہ سے مشک وعنبر کی بو نکلا کرتی تھی، ایک بار کسی نے دریافت کیا، آپ از قسم عطر کونسی خوشبو استعمال کرتے ہیں؟ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ میں نے ایک شب عالم رؤیا میں حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے میرے منہ سے منہ ملا کر قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔ اسی وقت سے یہ خوشبو آنے لگی ہے۔ (۱)

حلیہ:۔ نہایت سیاہ فام، لیکن ساتھ ہی نہایت خوش نقش تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن اسحاق مسیبی نے عرض کیا کہ آپ کے اعضاء کی ساخت اور نقشہ کس قدر حسین وجمیل ہے۔ فرمایا آخر کیوں نہ ہو کہ نبی ﷺ نے خواب میں مجھے مصافحہ کا شرف بخشا ہے۔

رواۃ قرأت:۔ نافع کی قرأت متواتر کے بہت سے رواۃ ہوئے، لیکن شہرت عالم کا تمغہ صرف دو کو حاصل ہو سکا۔

۱۔ عیسیٰ بن مینا قانون، جو ۱۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور امام نافع سے بے شمار بار قرآن مجید پڑھا، قوت سامعہ سے محروم تھے، لیکن معجز نما بات یہ ہے کہ قرآن پاک سننے میں ذرا بھی وقت اور رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان کی قرأت کی عمدگی کی وجہ سے امام نافع نے انہیں ''قالون'' کا لقب دیا تھا۔ جس کے معنی رومی لغت میں عمدہ چیز کے ہیں۔ ۲۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ ہی میں وفات پائی۔

۲۔ عثمان بن سعید ورش ۱۱۰ ہجری میں بمقام مصر متولد ہوئے۔ گورا رنگ ہونے کی وجہ سے استاذ نے ورش کا لقب دیا تھا۔ قرآن پڑھنے کے لئے مصر سے شدرحال کر کے مدینہ طیبہ امام مالکؒ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر تحصیل فن کے بعد مصر واپس جا کر قرأت کے متفقہ امام تسلیم کئے گئے۔ نہایت خوش الحان تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ ورش کی قرأت نہایت عمدہ تھی اور وہ بہت خوش آواز تھے۔ ۱۹۷ ہجری میں بعمر ۸۷ سال مصر ہی میں رحلت فرمائی۔

وفات:۔ امام نافع باختلاف روایت ۱۶۷ ہجری یا ۱۶۹ ہجری میں مدینہ منورہ میں رہ سپاہ عالم جاودانی ہوئی۔ انتقال کے وقت ۹۷ یا ۹۸ سال کی عمر تھی۔ (۲)

وصیت:۔ جب ان کے وفات کا وقت قریب آیا تو صاحبزادگان نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا:

اتقوا الله واصلحوا ذات بینکم واطیعوا الله ورسوله ان کنتم مؤمنین. (۳)

---

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۰ ومراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۵۹۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۰۸

حضرت نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ نضر نام اور ابوالحسن کنیت تھی۔ پورا شجرۂ نسب یہ ہے: نضر بن شمیل بن خرشہ بن یزید بن کلثوم بن عنترہ بن زہیر بن جلہمہ بن حجر بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم۔(۱)
یہ شجرہ صرف ابن ندیم نے ذکر کیا ہے، ورنہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے مختلف طور پر درمیان سے متعدد ناموں کو حذف کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اکثر اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔ اغلباً اختصار کے لئے ایسا کیا گیا ہے، وطناً بصری اور مروزی کہلاتے ہیں۔ بنو مازن سے خاندانی تعلق کی بناء پر مازنی کی نسبت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

مولد ومنشاء:۔ ۱۲۲ ہجری مطابق ۷۴۰ء میں وہ خراسان کے شہر مروالروز میں پیدا ہوئے۔(۲) جو اپنی مردم خیزی میں عالمی شہرت کا حامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام میں علم ودانش کے دور ہائے آبدار جن زمینوں سے برآمد ہوئے ان میں مرو کا خطہ نہایت نمایاں ہے۔ بہرحال جب امام نضر صرف ۵،۶ سال کے تھے، ان کے والد انہیں اپنے ہمراہ لے کر بصرہ چلے آئے، خود بیان کرتے ہیں:

خرج بی ابی من مرو الروذ الی البصرۃ ۱۲۸ ھ وانا ابن خمس او ست سنین (۳)

۱۲۸ ہجری میں مجھے میرے والد مرو سے بصرہ لے کر آئے، اس وقت میری عمر پانچ چھ سال کی تھی۔

پھر وہیں کے ہو رہے، بصرہ بھی اس عہد میں ممتاز علمی مرکز شمار ہوتا تھا، اس لئے ابن شمیل تمام تر علمی ماحول میں پروان چڑھے اور عمر کا بیشتر زمانہ درس وافادہ اور تالیف وتصنیف میں وہیں گزارا۔ لیکن پھر بعض اقتصادی مشکلات سے تنگ آ کر بصرہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مرو آ کر بقیہ عمر وہیں بسر کی۔ یہاں تک کہ اسی کی خاک کا پیوند بنے۔

بصرہ چھوڑنے کا سبب:۔ یوں تو تمام ہی ارباب طبقات نے اس سبب کی نشاندہی کی ہے جس کی بناء پر امام نضر سرزمین بصرہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، جو گویا ان کے وطن ثانی کی حیثیت

(۱) الفہرست لابن ندیم صفحہ ۷۷ (۲) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۰۴۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۳۷۔

اختیار کر چکی تھی اور جس کے در و دیوار سے انہیں والہانہ الفت پیدا ہو گئی تھی، لیکن علامہ یاقوت رومی اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

بصرہ میں امام نضر کی معاشی واقتصادی حالت نہایت دگرگوں ہو گئی، یہاں تک کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے تھے۔ وہاں ان کے علم وفضل کا اعتراف کرنے، اس سے مستفید ہونے اور ان کی دقیقہ سنجیوں پر واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ تو نہایت وسیع تھا، لیکن بقدر کفاف بھی ان کے رزق کی فراہمی کا خیال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بالآخر جب حالات فروں تر ہو گئے تو شیخ نے وہاں سے اپنے مولد منتقل ہونے کا ارادہ کیا، کہا جاتا ہے کہ جس وقت وہ بصرہ سے روانہ ہوئے، وہاں کے تین ہزار محدثین، فقہاء، نحویین اور ائمہ لغت ان کو الوداع کہنے ہمراہ چلے اور مقام مربد پہنچ کر ان کو رخصت کیا۔(۱)

حافظ سیوطیؒ نے مزید لکھا ہے کہ اس جم غفیر میں اس کے سات ہزار تلامذہ بھی شامل تھے، جو اپنے شیخ کی جدائی کے غم میں زار وقطار آنسو بہا رہے تھے۔ شیخ نضر نے چلتے چلتے چند الوداعی کلمات ارشاد فرمائے، جس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

لو وجدت عندکم کل یوم ربع من الباقلا لما ظعنت عنکم (۲)

اگر مجھے تمہارے پاس ہر روز تھوڑا سا باقلا بھی مل جاتا تو میں جدا نہ ہوتا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب ابن شمیل نے مذکورہ بالا الفاظ کہے تو میں یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گیا کہ غم واندوہ کا اظہار کرنے والے اس مجمع کثیر میں سے ایک نفر بھی اتنی معمولی سی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہو سکا۔ (۳)

بہر حال وہ خراسان پہنچے تو ان کا نصیبہ جاگ گیا۔ وہاں خلیفہ ہارون نے ان کی از حد تعظیم و توقیر کی اور فکر معاش کی طرف سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ:

اقام بمرو فاثری وافاد بھا مالاً عظیما (۴)

انہوں نے مرو میں قیام کیا اور بکثرت مال حاصل کر کے صاحب ثروت ہو گئے۔

فضل وکمال:۔ علم وفضل کے اعتبار سے ابن شمیل بہت جلیل القدر اور عالی مرتبہ تھے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ:

---

(۱) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۲۱۹۔ (۲) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۰۴۔ (۳) ایضاً۔ (۴) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ

"و کان اماماً حافظاً" (۱)

مختلف علوم وفنون کی جامعیت اور تثبت واتقان میں ان کی مثال کم ہی مل سکے گی۔

صغار تابعین کی صحبت سے شرف اندوز اوران کے کیسۂ علم سے بقدر ظرف مستفید ہوئے تھے۔ خراسان اور بالخصوص مرو میں حدیث کا چرچا عام کرنے میں انہیں اولیت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ عباس بن مصعب بیان کرتے ہیں:

کان اماماً فی العربیة والحدیث بمرو وجمیع خراسان (۲)

وہ مرو اور پورے خراسان میں حدیث وعربیت کے امام تھے۔

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ امام شعبہ سے ان کی روایات بیان کرنے والا امام ابن شمیل سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ (۳)

ایک بار خلیفہ مامون نے ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی:

اذا تزوج المرأة لدینها وجمالها کان فیه سداد من عوز

اس میں خلیفہ نے لفظ سداد کو سین کے زبر کے ساتھ پڑھا۔ امام نضرؒ نے فوراً ہی اس حدیث کو دہرایا اور اس میں سداد کو بکسوالسین پڑھا اور پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر پھڑک اٹھا اور اس نے شعرائے عرب کے منتخب ترین اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ نضر بن شمیلؒ نے عرجی، حمزہ بن بیض، ابوعروہ المدنی اور ابن عبدل الاسدی کے بہت سے شعر سنائے۔ مامون نے ان کی اس غیر معمولی قوت حافظہ اور ژرف بینی سے متاثر ہوکر اپنے وزیر فضل بن سہل کو، شیخ کو تیس ہزار درہم انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔ (۴)

ابن منجویہ کا بیان ہے کہ:

کان من فصحاء الناس وعلمائهم بالادب وایام الناس (۵)

وہ فصیح البیان لوگوں میں تھے۔ نیز ایام عرب اور ادب کے رموز واسرار کے بڑے نکتہ دان تھے۔

جامعیت: ۔ تنوع وتفنن فی العلوم ان کے صحیفہ کمال کا ایک تابندہ ورق ہے۔ انہیں حدیث، فقہ، لغت، نحو، ادب، تاریخ اور انساب پر یکساں عبور تھا۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کے فکر ونظر کا

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۰۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۸۷۔ (۳) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۰۵۔ (۴) معجم الادباء ج ا صفحہ ۲۲۰۔
(۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۸

خصوصی جولانگاہ کونسا فن تھا؟ علماء نے متفقہ طور پر لکھا ہے:

کان راساً فی الحدیث وراساً فی الفقہ واللغۃ وروایۃ الشعر ومعرفۃ بالنحو وبایام الناس (۱)

وہ حدیث، فقہ، لغت، روایت، شعر، معرفت نحو اور ایام عرب سب علوم وفنون میں عالی رتبہ تھے۔

مذکورہ بالا تمام فنون میں انہوں نے کتابیں تالیف کیں۔ حافظ ابن کثیرؒ انہیں ائمہ لغت میں شمار کرتے تھے۔

شیوخ: ۔ انہوں نے عرب کے مشاہیر اہل زبان اور کبار محدثین سے اکتساب فیض کیا تھا، نحو، ادب اور ماہرین لغت میں وہ سب سے پہلے خلیل بن احمد ابی خیرۃ الاعرابی اور ابو احمد قیس سے مستفید ہوئے، اس کے بعد علوم نقلیہ میں صغار تابعین اور ان کے بعد کے طبقہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اس سلسلہ میں لائق ذکر ائمہ وشیوخ یہ ہیں:

ہشام بن عروہ، حمید الطویل، شعبہ، ابن جریج، سعید بن ابی عروبہ، ابن عون، اسرائیل بن یونس، حماد بن سلمہ، سلیمان بن المغیرہ، ہشام بن حسان، یونس بن ابی اسحاق، عمرو بن ابی زائدہ۔

تلامذہ: ۔ اسی طرح خود ان سے فیضیاب ہونے والوں میں بھی وہ علماء حدیث شامل ہیں جو اپنے شیخ کی زندگی ہی میں مسند علم کی زینت بنے، چند نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں:

علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، حمید بن زنجویہ، یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری، محمود بن غیلان، احمد بن سعید الدارمی، محمد بن مقاتل، معاذ بن اسد، حسین بن حریث، عبدالرحمٰن بن بشر، محمد بن قدامہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی۔ (۲)

ثقاہت: ۔ علمائے فن متفقہ طور پر ان کی روایات کی حجیت اور ثقاہت تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوحاتم کا بیان ہے:

"کان ثقۃ صاحب سنۃ" (۳)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقۃ صاحب حدیث (۴)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵ والاعلام ج ۲ صفحہ ۲۰۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۲۷۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۷۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

حجة يحتج به في الصحاح (۱)

وہ حجت ہیں صحاح میں ان کی روایات قابل قبول نہیں۔

قضاء:۔ جب وہ معاشی تنگی سے عاجز آ کر بصرہ سے مرو منتقل ہوئے تو خلیفہ ہارون نے ان کے ساتھ بہت اعزاز واکرم کا معاملہ کیا اور انہیں اس شہر کے منصب قضاء پر فائز کر کے ان کو مال وزر سے نہال کر دیا۔(۲)

علامہ یاقوت نے بروایت نقل کیا ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں امام ابن شمیل نے عدل و انصاف کے ایسے مظاہر پیش کئے کہ ہر شخص ان کی توصیف میں رطب اللسان ہو گیا۔(۳)

سادگی و بے نفسی:۔ وہ تقشف کی حد تک سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے۔ زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار شیخ نضر خلیفہ مامون کے پاس اس حال میں گئے کہ نہایت موٹے اور خراب کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ خلیفہ نے دیکھتے ہی کہا کہ آپ امیر المومنین کے پاس اس قسم کے کپڑوں میں آتے ہیں۔ شیخ نے ٹالنے کی خاطر فرمایا:

بات دراصل یہ ہے کہ مرو میں گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ لہذا اس کی حرارت سے ایسے ہی کپڑوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔(۴)

حافظ ذہبیؒ نے داؤد بن مخراق کی روایت سے شیخ ابن شمیل کا یہ...... زرین نقل کیا ہے:

لايجد الرجل لذة العلم حتى يجوع وينسى جوعه(۵)

تصانیف:۔ امام نضر کے تبحر علمی اور جامعیت کے جلوے صرف درس وافادہ کی مجلسوں ہی میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ صفحۂ قرطاس پر بھی اس کی تجلیاں نمودار ہوتی تھیں۔ عباس بن صعبؒ کا بیان ہے کہ شیخ نضر نے اس قدر کثرت سے کتابیں تصنیف کیں، جس کی نظیر اس عہد میں نہیں ملتی۔

عام طور پر ان کی درج ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں "کتاب الصفات"...... "کتاب الصلاح"...... "غریب الحدیث"...... "کتاب النوادر"...... "کتاب المعانی"...... "کتاب المصادر"...... "المدخل الی کتاب العین"...... "کتاب الجیم"...... "کتاب الشمس والقمر"۔

کتاب الصفات:۔ پانچ جلدوں پر مشتمل فن لغت کی تصنیف ہے۔ پہلی جلد میں انسان کی

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۴۴۔ (۲) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۰۴۔ (۳) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۱۲۹۔ (۴) ایضاً۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۷

پیدائش، اس کی عادات و اطوار اور عورتوں کی صفات، دوسری جلد میں مکانات، پہاڑ وغیرہ۔ تیسری میں اونٹ، چوتھی میں گھوڑا، چڑیا چاند، سورج اور شراب وغیرہ، پانچویں جلد میں انگور کی زراعت، درخت، ہوا، بارش اور بادل وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے، علامہ ابن ندیم کا خیال ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی مشہور و اہم کتاب غریب المصنف کو اسی سے اخذ کیا ہے اور اسی نہج پر مرتب کیا ہے، دونوں کتابوں کے مندرجات سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

غریب الحدیث:۔ غریب احادیث کی تشریح وتوضیح کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں ابوعبیدہ، قطرب، ابوعدنان نحوی، اخفش، نضر بن شمیل اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام کی غریب الحدیث کا ذکر ملتا ہے، ان پر مؤخر الذکر ہی کی کتاب کو شہرت و مقبولیت کا تمغہ نصیب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوعبید نے نہ صرف متقدمین کی تصنیفات کا عطر اپنی کتاب میں کشید کرلیا ہے بلکہ نہایت ژرف بینی کے ساتھ ان تمام خامیوں اور نقائص کو بھی اس میں دور کردیا ہے، جو پہلے کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، تاہم قدامت کے اعتبار سے نضر بن شمیل کی غریب الحدیث کا پایہ کچھ کم نہیں۔

امام نضرؒ کی مذکورہ بالا تصنیفات اب معدوم ہیں، یا ممکن ہے کہیں ان کے مخطوطات موجود ہوں، راقم الحروف کو اس کی تحقیق نہ ہوسکی۔

وفات:۔ ذی الحجہ ۲۰۳ ہجری کی آخری تاریخ کو مرو ہی میں راہی ملک عدم ہوئے۔(۱) یکم محرم ۲۰۴ ہجری کو تدفین عمل میں آئی۔ اسی وجہ سے بعض تذکروں میں ان کا ذکر ۲۰۳ ہجری کی وفیات میں ملتا ہے اور بعض میں ۲۰۴ ہجری کے تراجم میں، اس وقت اورنگزیب خلافت پر مامون الرشید دادِ حکمرانی دے رہا تھا۔(۲)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸ و اللباب ج ۳ صفحہ ۸۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۷۔

حضرت وضاح بن عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ وضاح نام، ابوعوانہ کنیت تھی۔ والد کا نام عبداللہ تھا۔(۱)

وطن اور پیدائش:۔ ان کا اصل وطن واسط تھا۔ پھر قبۃ الاسلام بصرہ منتقل ہو گئے تھے، جس کی خاک سے صلحاء اور اخیار امت کی پوری ایک نسل آسمان شہرت پر نیر تاباں بن کر ضوفشاں ہوئی۔ ابوعوانہ واسط کے مردم خیز خطہ میں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے،(۲) ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابوعوانہ کا سنہ ولادت ۱۲۲ ہجری قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابوعوانہ نے بالاتفاق ابن سیرین کے دیدار کا شرف حاصل کیا تھا، جن کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ علامہ ابن کثیر کے بیان کی روشنی میں ابوعوانہ کم وبیش ۹۵ ہجری میں عالم وجود میں آئے۔ چنانچہ ۱۷۶ ہجری کے واقعات میں رقمطراز ہیں:

الوضاح بن عبداللہ توفی فی ھذہ السنۃ وقد جاوز الثمانین (۳)

وضاح بن عبداللہ کا اسی سال انتقال ہوا، ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہو چکی تھی۔

غلامی:۔ ابوعوانہ کو جرجان کی کسی جنگ میں گرفتار ہو کر قید غلامی کی زندگی بھی گذارنی پڑی۔ عطاء بن یزید نے ان کو اپنے بیٹے یزید کے ساتھ رکھنے کے لئے خرید لیا تھا۔ عطاء کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یزید بن عطاء الیشکری الواسطی کے غلام رہے۔(۴) اسی نسبت ولاء پر ابوعوانہ بھی یشکری اور واسطی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔

آزادی کا دلچسپ واقعہ:۔ قید غلامی میں ان کی رہائی کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ جس کے سرسری مطالعہ ہی سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں دفعتاً جو کچھ پیش آیا، یہ سب منجانب اللہ تھا۔

ابن عائشہ کا بیان ہے کہ ابوعوانہ واسطہ کے یزید بن عطاء نامی ایک شخص کے غلام تھے۔ ان کے مالک نے پارچہ فروشی کا کام ان کے سپرد کیا تھا، ایک دن ان کے پاس ایک سائل آیا اور دست سوال دراز کیا، ابوعوانہ نے اس کو دو تین درہم مرحمت فرمائے۔ سائل نے اظہار تشکر کے بعد کہا ''اے ابوعوانہ! بخدا میں تمہیں ضرور کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد عرفہ کے

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۸۔ (۳) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۷۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۱

دن وہی سائل مجمع عام میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اے لوگو! یزید بن عطاء کے لئے دعائے خیر کرو، کیونکہ اس نے آج ابوعوانہ کو آزاد کر کے تقرب الٰہی حاصل کرلیا ہے۔

جب لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آئے اور یزید بن عطاء کی فرودگاہ کے پاس سے گزرنے لگے تو جوق در جوق آکر انہیں ابوعوانہ کی آزادی پر ہدیہ تشکر و تبریک پیش کرنے لگے۔ ابن عطاء حیران کہ یہ کیا قصہ ہے؟ پھر جب مبارکباد کا یہ سلسلہ بہت بڑھا تو یزید بن عطاء نے کہا:

من يقدر على ردّ هؤلاء وهو حر لوجه الله (۱)

اتنے لوگوں کی بات رد کرنے کی کس میں مجال ہے وہ (ابوعوانہ) خدا کے لئے آزاد ہے۔

اس واقعہ کے آغاز میں محققین کا بہت معمولی سا اختلاف ہے۔ یعنی بعض نے یوم عرفہ کو مزدلفہ میں ابوعوانہ کی آزادی کا ڈرامائی اعلان کرنے والا ایک سائل کو بتایا ہے اور بعض نے ابوعوانہ کے ایک مخلص دوست کو جس نے مکانات حسن سلوک کے طور پر اپنے محسن کی آزادی کے لئے یہ کارگر اور مؤثر تدبیر اختیار کی، لیکن اس کے علاوہ پورے واقعہ اور اس کے نتیجہ پر سب کا اتفاق ہے۔ سائل والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

امیت:۔ ابوعوانہ لکھنے پڑھنے سے قطعی ناواقف تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ لکھنے پڑھنے میں ایک شخص سے مدد حاصل کرتے تھے:

كان ابو عوانة اميًا يستعين بانسان يكتب له و كان يقرأ الحديث (۲)

ابوعوانہ امی تھے۔ وہ ایک شخص سے مدد لیتے تھے، جو ان کے لئے لکھتا تھا اور وہ (ابوعوانہ) حدیث پڑھتے تھے۔

لیکن ان کے شاگرد رشید عفان بن مسلم کا بیان ہے کہ ابوعوانہ پڑھنا جانتے تھے، مگر لکھنے سے ناواقف تھے۔ اس لئے ہمیں حدیثیں املا کرایا کرتے تھے۔ (۳)

فضل و کمال:۔ اپنی امیت کے باوجود ابوعوانہ کا شمار وقت کے ممتاز حفاظِ حدیث اور ائمہ اعلام میں کیا جاتا ہے۔ وہ علمی اعتبار سے زمرۂ اتباع تابعین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ علامہ یافعی "احد الحفاظ الاعلام" خیر الدین زرکلی "من حفاظ الحديث الثقات" اور حافظ ذہبی "الحافظ احد الثقات" کے الفاظ سے ان کے علم و فضل کو سراہتے ہیں۔ (۴) ابوحاتم کا بیان

(۱) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۲۰۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۱، الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۵۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۴۳۔ (۴) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۶۹ والاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳

ہے کہ ابوعوانہ حماد بن سلمہ سے بھی بڑے حافظ حدیث تھے۔ (۱) یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ اہل بصرہ میں زائدہ کا ہم پایہ کون تھا؟ فرمایا ابوعوانہ! (۲)

حدیث:۔ حدیث میں انہوں نے بکثرت ائمہ وشیوخ سے کمال حاصل کیا۔ جن میں معاویہ بن قرۃ، اشعث بن ابی الشعثاء، زیادہ بن علاقہ، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر، منصور بن زازان، یعلی بن عطاء، ابی اسحاق الشیبانی، عبدالعزیز بن صہیب، طارق بن عبدالرحمن، زید بن جبیر، سعید بن مسروق، سماک بن حرب، سہیل بن ابی صالح، عمرو بن دینار، فراس بن یحییٰ ابن المنکدر، قتادہ، بیان بن بشر اور اسماعیل السدی کے نام لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے حلقہ درس سے جو کاملین فن فارغ ہوکر نکلے ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ جن میں نمایاں نام یہ ملتے ہیں۔ شعبہ، اسماعیل بن علیہ، فضل بن مساور، عبدالرحمن بن مہدی، ابوہشام المخزومی، یحییٰ بن حماد، سعید بن منصور، مسدد، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، محمد بن محبوب، ہیثم بن سہل التستری، ابوداؤد، وکیع، ابونعیم، ابوالولید خالد بن خداش وغیرہم۔ (۳)

جرح وتعدیل:۔ امی ہونے کی بناء پر ابوعوانہ علمائے جرح وتعدیل کا خصوصی نشانہ بنی، ان کی ثقاہت وعدالت کے بارے میں بڑی متضاد رائیں ملتی ہیں۔ لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ جو احادیث انہوں نے املا کرا کے بین الدفتین محفوظ کرادی ہیں ان میں ابوعوانہ کا پایہ ثقاہت و عدالت نہایت بلند ہے۔ لیکن چونکہ ان کے حافظہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کتاب کے علاوہ جو روایتیں وہ بیان کریں وہ غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔

ابوزرعہ کہتے ہیں:

ثقه اذا احدث من کتابه

جب وہ کتاب سے روایت کریں تو ثقہ ہیں۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

کتبه صحیحة واذا حدث من حفظه غلط کثیراً وهو صدوق ثقة (۴)

ان کی کتابیں صحیح ہیں اور جب وہ حافظہ سے روایت کریں تو بہت غلط ہوتا ہے اور وہ صدوق وثقہ تھے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ الذہبی ج ۱ صفحہ ۲۱۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۰ و تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۷۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۰ و تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۸

امام احمدؒ کا قول ہے:

اذا حدث ابو عوانة من كتابه فهو اثبت و اذا حدث من غير كتابه ربما وهم

جب ابوعوانہ اپنی کتاب سے روایت کریں تو وہ ثقہ ترین ہیں اور جب کتاب کے علاوہ روایت کریں تو اکثر وہم ہو جاتا ہے۔

عفان، جنہیں ابوعوانہ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا، کہتے ہیں کہ ابوعوانہ حدیث کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک وہ ہشام بن عروہ کی احادیث سے زیادہ صحیح ہوتی تھیں، کیونکہ وہ احادیث کو بہت مختصر کر دیتے تھے۔ (۱) ابن عبدالبر کا یہ بیان ابوعوانہ کی ثقاہت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح ہے کہ:

اجمعوا علىٰ انه ثقة ثبت فيما حدث من كتابه و اذا حدث من حفظه ربما غلط (۲)

جب ابوعوانہ کتاب سے روایت کریں تو بالاتفاق وہ ثقہ ترین ہیں اور جب حافظہ سے روایت بیان کریں تو اکثر غلط ہوتا ہے۔

وفات:۔ ماہ ربیع الاول ۱۷۶ ہجری میں بمقام بصرہ ابوعوانہ کا انتقال ہوا۔ (۳) ابن قتیبہ نے سن وفات ۱۷۰ ہجری بیان کی ہے۔ (۴) وفات کے وقت ۸۰ سال سے زائد عمر ہو چکی تھی۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۳۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۶۹ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۴۔ (۴) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۲۰۔ (۵) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۰ صفحہ ۱۱۷

حضرت وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز اتباع تابعین نے علم وعمل کے چراغ روشن کیے۔ان میں امام وکیع بن الجراح کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔اگر چہ ان کی تصانیف کی عدم شہرت اور نایابی کی بناء پر ان کی شخصیت اہل قلم کی توجہات کا مرکز نہ بن سکی، لیکن علم وفضل، زہد وورع، ذہانت اور فطانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔امام وکیع کے علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابن مبارک، ابن معین اور ابن مدینی اور امام شافعیؒ جیسے فضلاء روزگار ان ہی کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔

نام ونسب:۔ وکیع نام اور ابوعبدالرحمٰن الرواسی کنیت تھی۔(۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی بن الفرس بن سفیان بن الحارث بن عمر بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ،(۲) قبیلہ قیس عیلان کی ایک شاخ رواس کی نسبت سے رواسی کہلاتے ہیں۔(۳)

نشو ونما:۔ امام وکیع ۱۲۹ ہجری میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔(۴) مگر بغدادی نے بسند امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی تو فرمایا:

ولدت سنة ثمان وعشرين ومائة (۵)

میری ولادت ۱۲۸ ہجری میں ہوئی۔

اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلاً کوفی تھے۔مگر بعض کا خیال ہے کہ آپ کے مولد ہونے کا شرف نیشاپور کے استواء نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے۔

بیشتر شواہد اور دلائل اول الذکر ہی کو مرجح قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کوفہ میں ولادت کے بعد استواء منتقل ہوگئے ہوں۔

امام وکیعؒ نے کوفہ ہی میں نشو ونما پائی۔وہاں ان کے والد بیت المال کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔(۶) خود فرماتے ہیں:

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۶ والفہرست لابن ندیم صفحہ ۳۱۷۔(۲) الطبقات الکبیر لابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۵۔(۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۶۱ والمستطرفہ صفحہ ۳۵ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۰۔(۴) صفوۃ الصفوہ ج ۳ صفحہ ۴ والانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۲ (جدید ایڈیشن حیدر آباد)(۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۲۔(۶) کتاب الجمع بین الرجال الصحیحین ج ۲ صفحہ ۵۴۶

کان ابی علی بیت المال. (۱)

میرے والد بیت المال کے نگران تھے۔

تحصیل علم:۔ امام وکیعؒ نے اپنے وقت کے تقریباً سبھی علمی سرچشموں سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ ان کے زمانہ تک علم سینہ بسینہ رائج تھا، اسی بناء پر تحصیل علم میں جو مشقت اور تکلیفیں علمائے سلف نے اٹھائیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں جب ہم امام وکیعؒ کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی تحصیل کے لئے کتنی مشقت جھیلی ہوگی، مگر اسی سچی لگن اور جذبہ صادق نے انہیں علوئے مرتبت کے اس مقام پر فائز کیا کہ زبان خلق نے ان امام المسلمین احدائمة الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے نوازا۔

امام وکیعؒ کے فطری جوہر طالب علمی ہی کے زمانہ میں نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، چنانچہ جب وہ امام اعمشؒ کے پاس کسب فیض کے لئے گئے تو انہوں نے نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

مااحسب الا سیکون لک نبا (۲)

میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا۔

یحییٰ بن یمان امام وکیع کے عہد طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

نظر سفیان الی عینی وکیع فقال ترون هذا الرواسی لایموت حتی یکون له نبأ (۳)

سفیان نے امام وکیع کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا، تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو، موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔

اپنے شاگرد کے بارے میں استاذ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

شیوخ:۔ امام وکیع نے مختلف ملکوں کے نامور فضلاء سے فیض حاصل کیا، ان میں سے نمایاں اساتذہ کے نام یہ ہیں:

اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروہ، سلیمان الاعمش، عبداللہ بن عون، ابن جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ثوبہ بن ابی صدقہ، جریر بن حازم، خالد بن دینار، سلمہ

(۱) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۲۳۶۔ (۲) الانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۱ (طبع جدید) کتاب الانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۲ (طبع جدید) (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۶۹۔

بن خبیط، عیسیٰ بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، اسامہ بن زید، اللیثی، مسطر، حنظلہ بن ابی سفیان، علی بن صالح بن حی، زکریا بن اسحاق، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن عبید، طلحہ بن یحییٰ، عبدالحمید بن جعفر، عذرہ بن ثابت، علی بن المبارک، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، ابن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس الاسدی، الوراق، ہشام الدستوائی، ہشام بن سعد، حماد بن سلمہ، سعید بن عبدالعزیز التنوخی، سلیمان بن المغیرہ، صالح بن ابی خضر، عبداللہ بن عمر العمری، عبدالعزیز بن ابی رواد، فضیل بن مرزوق، قرۃ بن خالد، مبارک بن فضالہ، موسیٰ بن عبیدہ الربذی، ہمام بن یحییٰ، یونس بن ابی اسحاق، ابی ہلال الراسبی، یزید بن زیاد۔(۱)

ایک روایت کے مطابق امام وکیعؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام ابوزفرؒ سے بھی سماعت حدیث کی تھی۔(۲) بغدادی نے بھی لکھا ہے کہ وکیع نے امام ابوحنیفہؒ سے سماع کیا تھا۔ و کان قد سمع منه شیئاً کثیراً ۔(۳)

ضمیری نے بھی ان کا شمار امام اعظمؒ کے تلامذہ کے ساتھ کیا ہے۔(۴)

درس حدیث:۔ ان جلیل القدر اساتذہ کے فیض نے ان کو آسمان علم کا تیر تاباں بنا دیا اور ان کے فضل و کمال کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مختلف ملکوں کے طلبہ اس منبع علم سے فیض یاب ہونے کے لئے امڈ پڑے۔ امام وکیعؒ کے حلقہ درس سے جو فضلاء نکلے ان میں یحییٰ بن بن آدم، ابن معین اور ابن مدینی جیسی یگانہ وقت ہستیاں شامل ہیں اور عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر بزرگ، جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور حمید الطویل جیسے ائمہ سے فیض حاصل کیا تھا، وہ بھی وکیع سے فخریہ روایت کرتے ہیں۔

امام وکیع نے اپنے شیخ سفیان ثوریؒ کی رحلت کے بعد مسند درس کو زینت دی۔(۵) مشہور امام جرح و تعدیل عبدالرحمن بن مہدیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۵ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا، لیکن ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ:

حدث وکیع وھو ابن ثلاث و ثلاثین سنة

یعنی وکیع نے ۳۳ سال کی عمر میں درس کا آغاز کیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا اور دوسرے تمام حلقہ ہائے درس

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۴،۱۲۳۔ (۲) الفوائد البہیہ صفحہ ۱۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۴) الجواہر المضیئہ ج ۲ صفحہ ۲۰۹۔ (۵) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۴ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۸۔

ویران نظر آنے لگے۔ابوہشام رفائیؒ کہتے ہیں:

دخلت المسجد الحرام فاذا عبیداللہ بن موسیٰ یحدث والناس حولہ کثیر فطفت اسبوعاً ثم جئت فاذا عبیداللہ قاعد وحدہٗ فقلت ماھذا فقال قدم التنین فاخذھم یعنی وکیعاً (۱)

ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا تو عبیداللہ بن موسیٰ کو حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا۔ ان کے اردگرد طلبہ کا ہجوم تھا۔ پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو آکر دیکھا تو عبیداللہ تن تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔میں نے پوچھا یہ کیا ہو؟ انہوں نے کہا ایک اژدہا آگیا ہے جو پورے حلقہ کو نگل گیا۔ ان کی مراد امام وکیعؒ سے تھی۔

خطیب نے بھی اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔(۲)

اس کے علاوہ بھی مسجد حرام کے کئی حلقائے درس امام وکیعؒ کے مکہ آجانے کے بعد ویران ہوگئے، جن کی تفصیل خطیب نے بیان کی ہے۔

تلامذہ:۔ امام وکیعؒ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن حنبلؒ، ابن المدینی، یحییٰ بن آدم، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، احمد بن جعفر الوکیعی، عباس بن غالب الوراق، یعقوب الدورقی، (۳) عبیداللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبداللہ القصار، (۴) احمد بن منیع، حسن بن عروہ، (۵) اسحاق الحنظلی، محمد بن نمیر، عبداللہ الحمیدی، محمد بن سلام، یحییٰ بن جعفری، یحییٰ بن موسیٰ، محمد بن مقاتل، ابوسعید اشج، نصر بن علی، سعید بن ازہر، ابن ابی عمر، علی بن حشرم، (۶) یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، محمد بن صلاح الدولابی، ابراہیم بن سعد، الجوہری۔(۷)

علامہ ابن حجرؒ نے ابراہیم بن عبداللہ القصار کو امام وکیعؒ کا آخری شاگرد بتایا ہے۔مذکورہ بالا تلامذہ کے علاوہ امام وکیعؒ سے بعض ان مشاہیر ائمہ نے بھی روایت کی ہے جو وکیعؒ کے استاد ہیں یا شیوخ کی صف کے بزرگ ہیں۔جیسے امام سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی۔

فضل وکمال:۔ امام وکیعؒ کا فضل وکمال ان کے دور کے علماء میں مسلّم تھا اور وہ سب ان کے

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۹۔(۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۹۔(۳) الانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۱ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۷۔(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۰۔(۵) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۱ صفحہ ۴۱۵۔ (۶) کتاب الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ صفحہ ۵۴۶۔(۷) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۵

کمالات کے معترف تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ:

مارأيت رجلا قط مثل وكيع في العلم والحفظ والاسناد والابواب مع خشوع وورع (۱)

میں نے علم، حفظ، اسناد اور ساتھ ہی ساتھ ورع وتقویٰ میں امام وکیع بن جراح کا مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

انہی کا دوسرا قول ہے:

مارأيت عيني مثله قط يحفظ الحديث جيداً ويذاكر بالفقه فيحسن مع ورع واجتهاد (۲)

میری آنکھوں نے امام وکیع کا مثل نہیں دیکھا، وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے، فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے۔ تقویٰ اور اجتہاد میں مختار تھے۔

ابن عمار کہتے ہیں:

ماكان بالكوفة في زمان وكيع، فقه ولا اعلم بالحديث. كان وكيع جهبذا(۳)

وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ امام وکیع عبقری وقت تھے۔

یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں:

كان وكيع في زمانه كالاوزاعي في زمانه(۴)

امام وکیع کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھے جو امام اوزاعی کی ان کے وقت میں تھی۔

ابن ناصر الدین کا قول ہے:

ابوسفيان (وكيع) محدث العراق ثقة متفق ورع

امام ابوسفیان وکیع محدث عراق ثقہ اور متقی تھے۔

ابن سعد نے انہیں ثقہ، بلند مرتبہ عالم، مامون، کثیر الحدیث اور حجۃ لکھا ہے۔ (۵) ان کمالات کی بناء پر وہ امام کوفہ اور محدث عراق کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۲۔ (۲) شذرات الذہب ج ا صفحہ ۳۵۰ وکتاب الانساب للسمعانی صفحہ ۲۶۱۔ (۳) ایضاً۔

(۴) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۴۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۵۔

ذہانت اور قوت حافظہ:۔ مبداء فیاض نے امام صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ ان کی ذکاوت و فطانت کے جوہر صغر سنی ہی میں کھلنے لگے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے جو حدیث کسی شیخ سے سنی، وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی۔ ان کی اس خصوصیت پر ائمہ وقت رشک کرتے تھے۔ قاسم حربی بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ امام وکیعؒ کو بلا کر پوچھتے کہ رواسی تم نے کونسی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کردیتے کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ سفیان ثوری اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے اور تعجب و حیرت کا اظہار کرتے۔(۱)

اپنی قوتِ حافظہ کے بارے میں خود وکیع کا بیان ہے:

مانظرت فی کتاب منذ خمس عشرة سنة إلا فی صحیفة یوماً فنظرت فی طرف منه ثم اعدته علیٰ مکانه (۲)

میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور پر دیکھا اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دی۔

اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے اور طلبہ اس کو اثنائے درس میں یا اس کے بعد قلمبند کرتے تھے۔ طالب علمی کی زمانہ میں بھی انہوں نے کبھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا بلکہ درس کے بعد آخر لکھتے تھے۔

ما کتبت عن سفیان الثوری حدیثاً قط کنت احفظه فاذا رجعت الی المنزل کتبه(۳)

میں نے سفیان ثوری کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کرلیتا، پھر گھر واپس آکر لکھتا تھا۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو بتکلف ہے اور امام وکیعؒ فطری حافظ تھے۔(۴) امام وکیعؒ کے لڑکے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب اور کاغذ کا ٹکڑا نہیں دیکھا۔(۵)

امام موصوف کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ معاصی سے اجتناب ہے۔ اللہ

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۸۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۵۔
(۴) کتاب الانساب للسمعانی صفحہ ۲۶۱۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۹

تعالیٰ ہر انسان کو حفظ وفہم کی دولت سے نوازتا ہے۔ مگر خبائث اور معاصی کی کثرت اس کو کند کر دیتی ہے۔ حضرت علی بن خشرمؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیتے تھے۔ ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ دیکھ کر میں نے ان سے کوئی ایسی دوا پوچھی جس سے حافظہ اچھا ہو جائے۔ امام صاحب نے فرمایا:

ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ (۱)

معاصی سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لئے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔

ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حافظہ کی شکایت کی۔ امام وکیعؒ نے اس کو معاصی سے اجتناب کا مشورہ دیا اور فرمایا:

علم خداوند قدوس کا نور ہے، اور کسی گناہگار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا۔ درج ذیل اشعار میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصافی الی ترک المعاصی
وعلله بان العلم فضل
وفضل الله لایؤتی لعاصی (۲)

اخلاقی فضائل: علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ دنیا و دولت اور وجاہت کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی اور ہمیشہ اس سے دامن بچاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کے سامنے منصب قضاء کی پیشکش کی، آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۳)

ایک مرتبہ محمد بن عامر مصیصی نے امام احمدؒ سے دریافت کیا کہ آپ وکیع سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یا یحییٰ بن سعید سے؟ امام احمدؒ نے جواب دیا میں وکیع کو یحییٰ سے افضل سمجھتا ہوں، کیونکہ انہوں نے حفص بن غیاث کی طرح عہدۂ قضاء کو قبول کرنے سے گریز کیا تھا اور یحییٰ نے معاذ بن جبل کی طرح اپنے آپ کو اس منصب کی آزمائشوں میں مبتلا کیا۔ (۴)

ان کی والدہ نے انتقال کے وقت ایک لاکھ نقد اور اتنی قیمت کی جائیداد وراثت میں چھوڑی

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۹۔ (۲) مرآۃ الجنان للیافعی ج ۱ صفحہ ۴۵۸۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۲ والاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۳۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۵

تھی۔ وکیع نے کبھی اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا، گھر میں جو کھانا اور کپڑا مل جاتا اسی پر قانع وشکر رہتے، نہ مزید کے لئے مطالبہ کرتے اور نہ اس بارے میں کوئی گفتگو ہی کرتے۔ (۱)

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ امام اعمش کے حلقہ درس میں آپ نے میری دوات سے روشنائی استعمال کی تھی، اس کی قیمت ادا کیجئے! راوی کا بیان ہے کہ امام موصوف نے بغیر کسی تحقیق اور بحث کے دینار کی ایک تھیلی لاکر اس شخص کو دے دی اور فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۲)

خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے وکیع کو اکثر یہ کہتے سنا:

"ای یوم لنا من الموت" ہماری موت کس دن ہوگی؟

داؤد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا "جو لوگ اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے اور بلاشبہ وکیع انہی میں سے ایک ہیں۔"

دولت مند ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے تھے، پھر بھی اس خوف سے لرزاں رہتے تھے کہ کہیں خداوند قدوس کے یہاں اس "تعیش" کی باز پرس نہ ہو، ان کی جسمانی تروتازگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ وہ عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب وہ مکہ گئے تو حضرت فضیل بن عیاضؒ نے جو مشہور زاہد ہیں، انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ تو عراق کے راہب ہیں۔ یہ موٹا کیسا؟ فرمایا: ھذا فرحی بالاسلام۔ یعنی یہ چیز درحقیقت نعمت اسلام سے بہرہ ور ہونے کی خوشی اور مسرت کا نتیجہ ہے۔ (۳)

عبادت:۔ ان کی عبادت کی کثرت، رقت قلب اور گریہ پر معاصر ائمہ واخیار بھی رشک اور اس کی تمنا کرتے تھے، ابراہیم بن شماسؒ کہتے ہیں کہ اگر میں کوئی آرزو کرتا۔ (۴)

قاضی یحییٰ بن اکثم اور امام وکیع کا سفر وحضر میں بار بار ساتھ رہا ہے، ان کا بیان ہے کہ وکیع ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے۔ (۵) ایک دوسرے معاصر یحییٰ بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ وہ رات میں ثلث قرآن پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے اور پھر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوجاتے تھے۔ (۶)

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۹۔ (۲) ایضاً۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۱ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۳۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۸ شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۵۰۔ (۵) ایضاً۔ (۶) سمعانی ج ۱ صفحہ ۲۶ وصفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۲

ان کی شب بیداری اور عبادت گذاری کا رنگ پورے گھر پر چڑھا ہوا تھا اور گھر کا ہر فرد، حتیٰ کہ ملازم تک تہجد کے پابند تھے، ابراہیم بن وکیعؒ فرماتے ہیں:

کان ابی یصلی اللیل فلا یبقی فی دارنا احد الا صلی حتی ان جاریۃ لنا سوداء لتصلی(۱)

میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تھے تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا نہیں باقی رہتا تھا جو نماز نہ پڑھتا ہو، حتیٰ کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی تھی۔

معمولات: ۔ سفیان بن وکیع اپنے والد کے شب و روز کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میرے والد صائم الدھر تھے، صبح سویرے بیدار ہو جاتے۔ فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہو جاتی، دن نکلنے تک اس میں مشغول رہتے۔ پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے، پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے اور پھر مسجد آ کر عصر کی نماز پڑھتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درس قرآن شروع ہو جاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے، پھر مکان تشریف لا کر افطار فرماتے۔ اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔(۲)

مسلک: ۔ امام وکیع اگرچہ منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے، لیکن فتویٰ مسلک حنفیہ کے مطابق دیتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی طرف مائل تھے۔ یحیٰ بن معین فرماتے ہیں:

کان وکیع یفتی بقول ابی حنیفۃ و کان قد سمع منہ شیئاً کثیراً (۳)

امام وکیع ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی۔

علالت اور وفات: ۔ ۱۹۶ ہجری کے اواخر میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہوگئی۔ اس لئے وطن کا قصد کیا۔ لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا اور کوفہ و مکہ کے درمیان مقام فید میں پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا اور علم و فضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ (۴) اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی۔

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۴) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۲۵

تصنیفات:۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع نے درس وتدریس کے ساتھ تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں:

علیکم بمصنفات وکیع (۱)

امام ابن جوزی کا بیان ہے:

صنف التصانیف الکثیرۃ (۲)

انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں۔

لیکن ان تصنیفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ:

لہ مصنف فی الفقہ والسنن (۳)

لیکن صراحت کی ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) مصنف ابی سفیان (۴) (وکیع بن الجراح) (۲) کتاب السنن (۵)

مگر آج ان کی کسی تصنیف کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ چلپی اور صاحب المعجم نے امام وکیع کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۲۱۸ وتہذیب التہذیب ج۱۱ صفحہ ۱۲۶ وتاریخ بغداد ج۱۳ صفحہ ۴۷۶۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج۲ صفحہ ۱۶۳۔ (۳) الاعلام ج۳ صفحہ ۱۱۳۶ (۴) المستطرف صفحہ ۳۵۔ (۵) الفہرست صفحہ ۳۱۷

حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ولید بن مسلم کا شمار ان اتباع تابعین میں ہوتا ہے جنھوں نے بکثرت تصانیف یادگار چھوڑیں، وہ امام اوزاعی کے ارشد تلامذہ میں تھے، مغازی ان کا خاص فن تھا۔ طویل احادیث اور آثار قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے خاص طور پر حافظ تھے۔

نام ونسب:۔ ولید نام، ابوالعباس کنیت تھی۔ والد کا نام مسلم تھا، اس سے آگے کے سلسلہ نسب کا پتہ نہیں چلتا۔ بنوامیہ کے غلام ہونے کی بناء پر اموی لکھے جاتے ہیں۔

وطن اور ولادت:۔ دمشق کے رہنے والے تھے، وہیں ۱۱۹ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔(۱)

تحصیل علم اور شیوخ:۔ شیخ ولید کو اپنے وقت کے جن ممتاز اہل علم وفضل سے اکتساب فیض کا موقع ملا، ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے نام شامل ہیں۔ چند نام یہ ہیں:

یحییٰ بن الحارث، ثور بن یزید محمد بن عجلان، ہشام بن حسان، ابن جریج، امام اوزاعی، یزید بن مریم، صفوان بن عمرو۔

وہ بعض اساتذہ کی خدمت میں مدت دراز تک رہے۔ چنانچہ ان کے کاتب حمام شیخ ولید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

جالست ابن جابر سبع عشر سنة

میں سترہ برس تک جابر کی صحبت میں رہا۔

فقیہ شام امام اوزاعی سے ولید بن مسلم کو خاص تلمذ کی سعادت حاصل تھی۔ مروان بن محمد کہا کرتے تھے کہ جب ولید کے واسطے سے امام اوزاعی کی روایت کسی کو مل جائے تو اسے پھر کسی اور راوی کے چھوٹنے کی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔(۲)

ان ائمہ وفضلاء کی صحبت اور فیض نے ان میں حدیث نبوی ﷺ کا خاص ذوق پیدا کر دیا تھا اور بعد میں وہ خود بھی اکابر محدثین میں شمار کیے جانے لگے۔

علم وفضل:۔ ولید بن مسلم کے علمی مرتبہ اور مہارت فنی کو تمام محققین نے سراہا ہے۔ امام نوریؒ کا

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۵۲

بیان ہے کہ ان کی علمی بلندی، جلالت شان اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔(۱) حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الحافظ لکھتے ہیں۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ ولید امام حافظ اور دمشقیوں کے عالم تھے۔(۲)

علاوہ ازیں صدقہ بن الفضل المروزی بیان کرتے ہیں کہ طویل حدیثوں اور تمام ابواب کو یاد رکھنے میں ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔(۳) ابراہیم بن المنذر کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے علی بن المدینی نے فرمائش کی کہ میں ان کو ولید بن مسلم کی بعض احادیث سناؤں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! آپ کے سماع کو میرے سماع سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ وہ بولے کہ ولید جب شام آئے تو ان کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور میں اس سب سے فیض یاب نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے ان کو کچھ حدیثیں سنائیں تو بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے واقعی ولید بالکل ٹھیک کہتے تھے۔

ابن مدینی ہی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے حدیث کا سماع حاصل کیا ہے۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو وہ بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے جس میں ان کا کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔(۴)

ائمہ حدیث کی رائے: ۔ تمام ائمہ حدیث نے ان کے علم وفضل اور روایت حدیث پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ابو حاتم سے محمد بن ابراہیم نے دریافت کیا کہ آپ ولید بن مسلمؒ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بولے "وہ صالح حدیث تھے۔" امام احمد بن حنبلؒ نے ابوزرعہ الدمشقی سے کہا: تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں۔ مروان بن محمد، ولید بن مسلم اور ابومسہر۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ لوگوں کا علم صرف دو شخصوں کے پاس ہے۔ اسماعیل بن عیاشؒ اور ولید بن مسلمؒ۔ لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طور پر آخیر وقت تک چلتے رہے۔ وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ قابل وثوق صحیح الحدیث اور صحیح العلم تھے۔(۵)

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ:

واجمعوا علیٰ جلالته وارتفاع محله وتوثیقه (۶)

---

(۱) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۴۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۴۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۴، وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۳۔ (۶) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۴۷

ہم لوگ برابر اس بات کو سنتے آئے ہیں کہ جس شخص نے ولید کی کتابیں لکھ لیں وہ عہدۂ قضا کے قابل ہو جائے گا۔

ان کے تلامذہ میں درج ذیل اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

احمد بن حنبل، ہشام بن عمار، ابوخیثمہ، کثیر بن عبید، محمود بن غیلان، موسیٰ بن عامر، (۱) حمیدی، صفوان بن صالح، عبداللہ بن وہب، محمد بن المبارک، عبدالرحمٰن بن ابراہیم، نعیم بن حماد، اسحاق بن اسرائیل۔ (۲)

جرح:۔ بعض ناقدین حدیث نے لکھا ہے کہ ولید بھی کبھی ضعیف راویوں سے احادیث روایت کرتے تھے اور کبھی وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔ یعنی جس شخص سے روایت کرتے تھے، اس کا معروف نام نہیں لیتے تھے۔ ہشیم بن خارجہ نے ان سے کہا کہ "آپ امام اوزاعی کی احادیث کو خراب کر ڈالتے ہیں، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟"

بولے "تم یہ بات کیسے کرتے ہو؟"

انہوں نے کہا۔ "آپ کبھی عن الاوزاعی عن ابن عمر کر کے روایت بیان کرتے ہیں اور کبھی عن الاوزاعی عن الزہری اور کبھی یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کے علاوہ لوگ تو امام اوزاعی اور نافع کے درمیان عبداللہ بن عامر کا ذکر کرتے ہیں۔ امام زہری اور اوزاعی کے درمیان ابراہیم بن مرہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟"

فرمایا کہ "میں امام اوزاعی کو ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔" پھر انہوں نے کچھ کہا۔ مگر شیخ ولید نے کوئی توجہ نہ دی۔ بہر حال اتنا مسلّم ہے کہ وہ کبھی کبھی تدلیس سے کام لیتے تھے، مگر اس سی ان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ ان پر لوگوں کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

لانزاع فی حفظه وعلمه وانما الرجل مدلس فلا یحتج به الا اذا صرح بالسماع (۳)

ولید کے حفظ اور ان کے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ وہ مدلس تھے۔ اس لئے جب تک سماع کی تصریح نہ کریں اسے حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

عقل و فرزانگی:۔ فہم و دانش کے اعتبار سے بھی وہ معاصرین ارباب کمال میں ممتاز تھے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۵۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۴۷

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے اہل شام میں ان سے زیادہ عقلمند نہیں دیکھا۔"
اخلاق و عادات:۔ کمال علم وفضل کے ساتھ ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت کریمانہ اور بزرگانہ تھے۔ ہشام بن عمار سے کسی نے ان کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ولید بہت بڑے عالم، صاحب زہد وورع اور متواضع الطبع تھے۔
وفات:۔ حج سے واپس آرہے تھے کہ دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ذی المروہ نامی ایک موضوع میں بیمار پڑ گئے۔ اپنے ایک دوست حرملہ بن عبدالعزیز کے مکان پر قیام کیا اور وہیں ان کی وفات ہوگئی۔ سنہ وفات میں محققین کا قدرے اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۹۵ ہجری اور کسی نے ۱۹۹ ہجری لکھا ہے۔ مگر صحیح ۱۹۴ ہجری ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے اسی کو مرجح قرار دیا ہے۔
تصنیفات:۔ شیخ ولید کا شماران محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ستر کتابیں تصنیف کی ہیں:

ومصنفات الولید سبعون کتاباً

ولید کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی یہ تصانیف حدیث، فقہ اور تاریخ سے متعلق تھیں۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے فن تاریخ میں بھی ان کی کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ "صنف التصانیف والتواریخ" علاوہ ازیں ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ ولید مغازی میں وکیع بن جراحؒ سے بڑے عالم تھے۔ ظاہر ہے، مغازی بھی تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

تاہم ولید کی تصنیفات کی مزید کوئی تصریح اور تفصیل نہیں ملتی اور نہ ان میں سے کسی کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ مشہور مؤرخ اسحاق بن ندیم نے دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔(۱)

۱۔ کتاب السنن فی الفقہ۔

۲۔ کتاب المغازی۔

(۱) الفہرست صفحہ ۳۱۸

حضرت وہیب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ وہیب نام، ابوبکر کنیت، والد کا نام خالد اور دادا کا عجلان تھا۔(۱) باہلہ بنت اعصر سے نسبت ولاء رکھنے کی وجہ سے باہلی کہلاتے ہیں۔ سمعانی کا بیان ہے کہ:

كانت العرب يستنكفون من الانتساب الىٰ باهله (۲)

عرب باہلہ کی طرف انتساب کو برائی تصور کرتے تھے۔

وطن اور ولادت:۔ ۱۰۷ ہجری میں قبۃ الاسلام بصرہ میں پیدا ہوئے۔(۳) غالباً کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اسی بناء پر کرابیسی اور صاحب الکرابیس کے القاب سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ سمعانی اس نسبت کے متعلق رقمطراز ہیں۔

هذه النسبة الىٰ بيع الثياب۔(۴) پہلی اور دوسری صدی کے متعدد علماء اس نسبت سے متصف ہیں۔

علم وفضل:۔ ان کی خوبی بخت نے انہیں نادرۂ روزگار تابعین کرام کی صحبت میں پہنچا دیا تھا۔ جن سے وہ پوری طرح مستفیض ہوئے۔ حدیث کی مہارت، رجال کی بصیرت اور حفظ واتقان میں نہایت ارفع واعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کا شمار بصرہ کے مشہور حفاظ اربعہ میں ہوتا تھا۔ احمد بن ابی رجاء کا قول ہے کہ:

هو في التفقه والعلم نظير حماد (۵)

وہ علم وتفقہ میں حماد کی نظیر تھے۔

عمر بن علی کہتے ہیں:

سمعت يحيى بن سعيد ذكره فاحسن الثناء عليه

میں نے یحییٰ بن سعید کو ان کا ذکر خیر کرتے سنا اور انہوں نے ان کی بڑی تعریف کی۔

شیوخ وتلامذہ:۔ وہیب نے اپنے عہد کی بکثرت متحرک درسگاہوں یعنی علماء وائمہ سے اکتساب علم کیا تھا، جن میں ممتاز ویگانہ فن تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل تھی۔ مشاہیر فضلاء میں ہشام بن عروہ، ایوب السختیانی، یحییٰ بن سعید الانصاری، جعفر الصادق، حمید الطویل، عبداللہ بن

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۴۶۔(۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۶۴۔(۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۴۱۔(۴) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۴۷۶۔(۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳

طاؤس، منصور بن المعتمر، داؤد بن ابی الہند، یحییٰ بن ابی اسحاق الحضرمی، خیثم بن عراک، موسیٰ بن عقبہ، ابن جریج، سہیل بن ابی صالح اور ابی حازم بن دینار وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

خود وہیب کے خوشہ چینیوں کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ جن میں بلند پایہ اتباع تابعین کی بھی ایک جماعت شامل ہے۔ نمایاں نام یہ ہیں:

اسماعیل بن علیہ، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن آدم، ابوداؤد الطیالسی، ابوہشام المخزومی، سلیمان بن حرب، موسیٰ بن اسماعیل، مسلم بن ابراہیم، یحییٰ بن حسان، سہل بن بکار، ہدبہ بن خالد۔

کتنی مبارک اور پاکیزہ تھیں وہ ہستیاں جنہیں ایسے ایسے آفتاب علم اساتذہ فن سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا اور کتنے سعید وخوش بخت تھے وہ لوگ جنہیں ایسے نادرۂ روزگار تلامذہ کی مشیخت نصیب ہوئی۔ اس سلسلہ میں وہیب کو بلاشبہ امتیاز خاص حاصل ہے۔

حدیث:۔ وہ حدیث کے مسلم الثبوت اساتذہ میں تھے۔ اس میں ان کے تثبت واتقان اور ثقاہت پر علماء کا اجماع ہے۔ ابن معین کا بیان ہے:

كان من اثبت شيوخ البصرين

ابوحاتم کہتے ہیں:

ماانقى حديثه لاتكاد تجده يحدث عن الضعفاء

ان کی حدیث کتنی صاف وشفاف ہوتی تھی، آپ انہیں کسی ضعیف راوی سے روایت کرتے نہیں پائیں گے۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة كثير الحديث حجة (۱)

وہ ثقہ کثیر الحدیث اور حجت تھے۔

رجال:۔ علوم اسلامیہ میں فن اسماء الرجال کو بڑی اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ احادیث کی صحت اور علوئے اسناد کا تمام تر مدار اسی علم پر ہے۔ اسی کی کسوٹی پر ناقدین فن حدیث کو جانچتے پرکھتے ہیں اور پھر اس کے پایہ ودرجہ کا تعین ہوتا ہے۔ یقیناً یہ محدثین عظام کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے، جس کی بناء پر آج ہم احادیث نبوی ﷺ کے اتنے عظیم ذخیرے کی پوری صحت کا

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔

یقین رکھتے ہیں۔

وہیب بن خالد اس میں پوری بصیرت رکھتے تھے۔ امام شعبہ کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔

لم یکن احد بعد شعبة اعلم الرجال منه (۱)

شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہیں تھا۔

امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

کان من ابصر اصحابه بالحدیث والرجال (۲)

وہیب اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ حدیث ورجال میں بصیرت رکھتے تھے۔

قوت حافظہ:۔ وہیب غیر معمولی قوت حافظہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ ایک حادثہ میں بصرت کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے، لیکن اپنے حافظہ کی بنیاد پر حدیثیں املا کرایا کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ:

کان قد سجن فذهب بصره کان یملی من حفظه

انہیں قید کر دیا گیا تھا پس ان کی بصارت جاتی رہی تھی اور اپنے حافظہ سے املا کراتے تھے۔

اس صفت میں ان کو متعدد دوسرے حفاظ حدیث پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ابن سعد ہی کا بیان ہے:

کان احفظ من ابی عوانة (۳)

وہ ابوعوانہ سے بڑے حافظ تھے۔

وفات:۔ ۱۶۵ ہجری میں راہی عالم جاوداں ہوئے۔ (۴) وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔ (۵)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۱۳۔ (۲) العبر فی خبر من غبر جلد ا صفحہ ۲۴۶۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۳۔ (۴) مرآۃ الجنان ج ا صفحہ ۳۵۲ و العبر فی خبر من غبر ج ا صفحہ ۲۴۶۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۲۱۳ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۳

حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ ہشیم نام اور ابو معاویہ کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے۔ ہشیم بن بشیر بن ابی حازم القاسم بن دینار۔ (۱) بنو سلیم کے غلام تھے، اس لئے سلمی کہلاتے ہیں۔ (۲) اور واسطی وطن کی طرف نسبت ہے۔

مولد ووطن:۔ ہشیم ۱۰۴ ہجری میں بمقام واسط پیدا ہوئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد مرکز علم و فن بغداد منتقل ہو گئے تھے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ (۳) بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ بخاری الاصل تھے۔ (۴)

تحصیل علم اور ابتدائی حالات:۔ ابتداء میں مقامی علماء سے مستفید ہوئے۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں دور دراز کے ممالک کے چشموں تک پہنچایا اور وہاں انہوں نے ممتاز اور کبار فضلاء کے معدن فضل وکمال سے اپنے ذہن ودماغ کو مالا مال کیا۔

چنانچہ مکہ میں انہوں نے امام زہری اور عمر بن دینار سے سماع حاصل کیا، ہشیم کے والد اموی خلیفہ حجاج بن یوسف ثقفی کے باورچی تھے، پھر اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ ہشیم بھی ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹائیں، اس لئے وہ ان کو طلب علم سے روکتے تھے، لیکن وہ ان کے علی الرغم تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول رہے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ ہشیم سخت بیمار پڑ گئے۔ قاضی واسط ابو شیبہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے تلامذہ اور عوام کے ایک جم غفیر کی ہمراہ عیادت کو تشریف لائے۔ بشیر بن ابی حازم کو حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ قاضی وقت ان کی غربت کدہ کو کبھی اپنی تشریف آوری سے زینت بخشے گا، اس لئے وہ اپنے اس غیر متوقع اعزاز پر فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ابلغ من امرک ان جاء القاضی الیٰ منزلی لاامنعک بعد ھذا الیوم من طلب الحدیث(۱)

تمہاری وجہ سے قاضی میرے گھر تشریف لائے، آج کے بعد میں تمہیں طلب حدیث سے

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۵۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۸۵۔
(۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۵۹۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔

نہ روکوں گا۔

فضل وکمال:۔ علم وفضل کے اعتبار سے ہشیم بلند مرتبہ حفاظ حدیث میں تھے۔ متعدد تابعین کرام سے صحبت اور کسب فیض کا شرف حاصل تھا، حفظ واتقان اور عبادت وللہیت میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے۔ بغداد میں اپنے زمانہ کے رئیس المحدثین تھے۔ اسی بناء پر "محدث بغداد" ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ علامہ ذہبیؒ انہیں **"الحافظ احد الاعلام"** لکھتے ہیں۔ (۱) حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ **"کان هشيم بن سادات العلماء"** (۲) ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ (۳) حافظ ذہبی نے تذکرہ میں **"الحافظ الكبير محدث العصر"** لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ (۴)

حدیث:۔ انہوں نے تحصیل علم کے لئے بہت سے دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور پھر حدیث میں انہیں اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ اساتذہ عصر میں شمار کیے جانے لگے۔ علامہ ابن سعدؒ نے **"كان ثقة الحديث حجة"** (۵) کے الفاظ سے ان کے کمال فنی کو سراہا ہے۔

جن علماء وائمہ سے وہ مستفید ہوئے ان میں کچھ ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں: قاسم بن مہران، یعلی بن عطاء، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، امام زہری، یونس بن عبید، ایوب السختیانی، ابن عون، اشعث بن عبدالملک، منصور بن زاذان، مغیرہ بن مقسم، سلیمان الاعمش، حمید الطویل، عطاء بن السائب اور یحییٰ بن سعید الانصاری۔

تلامذہ:۔ ان کے حلقہ بگوشوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے، کیونکہ ہشیم نے واسطہ کے علاوہ بغداد، بصرہ، کوفہ اور مکہ وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی بساط درس آراستہ کی تھی۔ ان سے مستفید ہونے والے جو علماء آسمان علم کا اختر تاباں بنے، ان میں امام مالک بن انس، سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، غندر، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوخیثمہ، ابوعبیدہ القاسم بن سلام، شجاع بن مخلد، حسن بن عرفہ، احمد بن منیع، علی بن حجر اور علی بن مسلم وغیرہ کے نام تاریخ علم وفن میں زندہ وجاوید ہیں۔ (۶)

ذہانت وفطانت:۔ ہشیم بڑے قوی الحفظ تھے۔ ابن قطان کا بیان ہے کہ میں نے سفیان

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۷۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۸۳۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۳۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۱۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۸۵ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۵۹، ۶۰

ثوریؒ اور شعبہ کے بعد ہشیمؒ سے زیادہ حافظہ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔(۱) امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ ہشیم کا مرتبہ حفظ حدیث میں امام ثوریؒ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔(۲) عبداللہ بن مبارک جو ہشیم کے شاگرد خاص تھے، بیان کرتے ہیں کہ مرور وقت کی بناء پر بہت سے محدثین کا حافظہ آخر عمر میں متاثر ہو جایا کرتا تھا، لیکن ہشیم کے قوتِ حفظ پر وقت کی پرچھائیں بھی نہ پڑ سکی۔(۳) اسحاق الزورقی کہتے ہیں:

مارأیت مع هشیم الواحا انما کان یجیئی الی المجلس ویقوم یعنی یکتفی بحفظه (۴)

میں نے ہشیم کے ساتھ کبھی کاپیاں نہیں دیکھیں۔ وہ مجلس درس میں شریک ہوتے اور اسی طرح اٹھ کھڑے ہوتے۔ یعنی اپنے حافظہ کو کافی سمجھتے۔

خود ہشیم کی زبانی منقول ہے کہ میں ایک مجلس درس میں سو حدیثیں زبانی یاد کر لیتا تھا اور پھر اگر ایک ماہ کے بعد بھی مجھ سے ان احادیث کے بارے میں سوال کیا جاتا تو میں جواب دے دیتا۔(۵) ابراہیم الحربی کا قول ہے:

کان حفاظ الحدیث اربعة کان هشیم شیخهم(۶)

حفاظ حدیث چار تھے، جن میں ہشیم سب کے استاد تھے۔

ثقاہت اور تدلیس:۔ ان کی عدالت وثقاہت مسلم ہے اور اس کا اعتراف علمائے جرح و تعدیل نے بھی کیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ بعض لوگوں نے ان پر تدلیس کا الزام عائد کیا ہے۔ یعنی وہ اپنے شیوخ کا نام لئے بغیر براہ راست اوپر کے ان رواۃ سے حدیث بیان کرتے تھے، جن سے انہیں سماع حاصل نہ تھا۔

اصولِ حدیث کے بعض علماء کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، لیکن مسلک جمہور میں ثقہ راوی کی مدلّس روایت اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی، جب تک اس روایت کے کسی طریق میں سماع وتحدیث کی تصریح نہ مل جائے۔

علامہ ذہبیؒ نے ہشیمؒ کی کثرت تدلیس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ''ہشیم کے نزدیک عن سے تدلیساً روایت جائز تھی۔''(۷) علامہ موصوف ہی تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

---

(۱) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۳۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۸۶۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۸۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۰۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۲۔ (۷) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۸

لانزاع انه كان من الحفاظ الثقات الا انه كثير التدليس فقد روى عن جماعة لم يسمع منهم(۱)

انہوں نے ایسے شیوخ سے روایات کی ہیں جن سے ان کو سماع حاصل نہ تھا۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن سعد کا خیال ہے کہ جو حدیث وہ لفظ اخبرنا سے روایت کریں، صرف وہی قابل حجت ہوگی۔ اس کے علاوہ نہیں "وما لم يقل فيه اخبرنا فليس بشيئى" (۲)

ذکر اللہ کی کثرت:۔ ہشیم کی زبان ہر وقت خداوند قدوس کے ذکر اور تسبیح سے تر رہتی تھی، یہاں تک کہ دوران درس بھی ان کا وردر ہا کرتا تھا۔ حسین بن حسن رومی کہتے ہیں:

مارأيت احداً اكثر ذكر الله عزوجل من هشيم (۳)

میں نے ہشیم سے زیادہ کسی کو خدائے عزوجل کا ذکر کرتے نہیں دیکھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

كان هشيم كثير التسبيح بين الحديث يقول لااله الاالله يمدبها صوته (۴)

ہشیم درس حدیث کے دوران بھی کثرت سے تسبیح پڑھتے تھے۔ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

مناقب:۔ بایں ہمہ جلالت علم ہشیم گوناگوں مناقب وفضائل کے حامل تھے۔ چنانچہ عمر بن عون کا بیان ہے کہ ہشیم نے وفات سے قبل دس سال تک مسلسل عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی تھی۔(۵) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پوری شب عبادت وریاضت میں گزرتی تھی۔ حماد بن زید کہتے ہیں:

ماريت محدثنا انبل من هشيم

میں نے ہشیم سے زیادہ شریف کوئی محدث نہیں دیکھا۔

ابوحاتم کا قول ہے:

لايسال عن هشيم فى صلاحه وصدقه وامانته (۶)

ہشیم کی نیکی اور صدق امانت کا کیا پوچھنا۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۲۶۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۱۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۶۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۸۹۔ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۸۲۔ (۶) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۷۔

بشارت:۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں سرور کائنات حضور اکرم ﷺ کی بہت سی ایسی منامی بشارتیں بھی منقول ہیں جو یقیناً ہشیم کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کا ایک بڑا ثبوت ہیں۔

اسحاق الزبادی سے مروی ہے کہ میں بغداد میں ہشیم کی صحبت میں برابر آیا جایا کرتا تھا۔ وہیں ایک ثقہ شخص نے بیان کیا کہ ایک شب اس نے خواب میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کس سے حدیث کا سماع حاصل کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہمیں ہشیم بن بشیر سے کسب فیض کی سعادت نصیب ہے؟ اس پر رسول اکرم ﷺ نے سکوت فرمایا۔ شخص موصوف نے اپنی بات دوبارہ عرض کی۔ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم اسمعوا من هشيم فنعم الرجل من هشيم (۱)

ہاں ہاں ٹھیک ہے، ہشیم سے سماع کرو، کیونکہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔

مشہور بزرگ معروف الکرخیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک شب حالت منام میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہشیم سے فرمارہے ہیں:

یاهشیم جزاک الله تعالیٰ من امتی خیراً (۲)

اے ہشیم تمہیں اللہ تعالیٰ میری امت کی طرف سے جزائے خیر دے۔

وفات:۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ شعبان ۱۸۳ ہجری کو بروز چہارشنبہ ہشیم کی وفات ہوئی۔ (۳) بغداد کے مشہور قبرستان خیزران میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے بعد ۷۹ سال کی عمر تھی۔ (۴)

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۳۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۶۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۳۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۱

حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ یحییٰ نام، ابوسعید کنیت اور والد کا نام زکریا تھا۔ جتنے سلسلہ نسب کا علم ہوا ہے، وہ یہ ہے:

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ بن میمون بن فیروز الہمدانی، اپنے دادا ابوزائدہ کی نسبت سے شہرت پائی۔ محمد بن المبشر الہمدانی سے تعلق ولاء رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ شیخ یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ خود بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے۔ اس لئے یحییٰ کو علمی خانوادہ میں پیدا ہونے کے باعث علم سے قدرتی وفطری مناسبت تھی، پھر ان کے والد کو بھی شروع ہی سے اپنے بیٹے کی تعلیم کا بڑا خیال تھا۔

عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے صغیر السن بچے کو مجالد سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے اور ان سے کہتے تھے: بیٹے ان حدیثوں کو یاد کرلو۔ مزید برآں یہ ہوا کہ یحییٰ کوفہ کے رہنے والے تھے، جو اس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ تھا۔ آپ نے ان قدرتی مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ آپ نے حدیث کا سماع اپنے والد ماجد زکریا بن ابی زائدہ کے علاوہ ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان الاعمش، حجاج بن الارطاۃ، ابن عون اور عاصم الاحول جیسے اساطین علم وفن سے حاصل کیا اور اپنے ذوق وشوق اور شیوخ کے فیض التفات سے علم وفضل میں وہ بلند وممتاز مقام حاصل کیا کہ منتخب علماء وقت میں شمار کئے جانے لگے۔

اساتذہ:۔ اوپر جن اکابر شیخ کا ذکر ہوا، ان کے علاوہ یحییٰ نے اور بھی بکثرت ائمہ سے کسب فیض کیا، جن میں کچھ نام یہ ہیں:

یحییٰ بن سعید الانصاری، عکرمہ بن عمار، ابومالک الاشجعی، ابن ابی غنیہ، عبدالملک بن عبدالحمید، مسعر بن کدام وغیرہ۔

علم وفضل:۔ یحییٰ کی جلالت علمی پر علمائے امت متفق الرائے ہیں۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں علم کے منتہاء تھے۔ ان کے بعد حضرت شعبیؒ اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے۔ پھر حضرت سفیان ثوری کا عہد آیا تو وہ امام وقت ہوئے۔ اسی

طرح حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ اپنے زمانہ میں علم کے منتہاء تھے۔

ایک دوسرے قول میں وہ مزید فرماتے ہیں کہ امام ثوریؒ کے بعد حضرت یحییٰ سے بڑھ کر کوئی شخص معتبر فی الحدیث نہیں تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان مشہور امام جرح وتعدیل ہیں، لیکن وہ بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی علمی جلالت ووجاہت کے اس درجہ معترف تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کی مخالفت میرے لئے یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزما اور شدید ہو۔

حدیث:۔ ان کا خاص فن حدیث تھا، جس میں وہ یکتائے عہد تھے۔ ابو خالد الاحمر بیان کرتے ہیں کہ "**کان یحیی جید الاخذ للحدیث**" یحییٰ کو حدیث کے انتخاب میں بڑی بصیرت حاصل تھی۔ ان میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ وہ عموماً کتاب دیکھے بغیر اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود کیا مجال تھی کہ کہیں خطا ہو جائے۔

یحییٰ بن معین نقد وجرح میں نہایت متشدد تھے، لیکن وہ بھی صرف ایک حدیث میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی غلطی کا دعویٰ کر سکے۔

فرماتے ہیں:

کان یحییٰ بن زکریا کیسًا ولا اعلمه اخطأ الا فی حدیث واحد

یحییٰ بن ابی زائدہ نہایت فہیم وعقیل تھے۔ ایک حدیث کے علاوہ مجھے ان کی کسی غلطی کا علم نہیں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ عبداللہ ابن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ ہم نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مدارِ اسناد:۔ یحییٰ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے۔ علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ اسناد کا دار ومدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا۔ آپ نے ان کے اسمائے گرامی بھی شمار کرائے، پھر ان چھ ارباب علم وفضل کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہو گیا جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا۔ (علی بن المدینی نے اس موقع پر بھی ان بزرگوں کا نام لیا) پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آ کر ختم ہو گیا۔

ایک ابوسعید یحییٰ بن سعید جو بنو تمیم کے غلام تھے اور جنہوں نے صفر ۱۹۸ ہجری میں وفات پائی اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں، کیا عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یہ

دونوں بزرگ نام اور کنیت میں یکساں ہیں، علم کی جامعیت و مرکزیت میں بھی ایک ہیں۔

ثقاہت:۔ ثقاہت اور تثبت کے لحاظ سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ تمام ائمہ حدیث ان کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ آپ کو ابن سہر زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ بن ابی زائدہ۔ بولے ''دونوں ثقہ اور قابل قبول ہیں۔''

امام نسائی اور عجلی بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن نمیر اتقان کے لحاظ سے ان کو امام شافعیؒ سے بھی فائق مانتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں وہ مستقیم الحدیث ثقہ اور صدوق ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی زائدہ کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔ وہ متقن ثبت اور صاحب سنت تھے۔

فقہ:۔ حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ ان کا شمار کوفہ کے فقہاء و محدثین میں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عجلیؒ کے سامنے یحییٰ بن ابی زائدہ کا ذکر آ گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ثقہ ہیں اور ان کے والد زکریا بن ابی زائدہ بھی ثقہ تھے۔ اور دونوں ان اکابر امت میں سے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے۔

حسن بن ثابت ایک مرتبہ یحییٰ سے ملاقات کرنے کے بعد لوٹے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ (یحییٰ بن ابی زائدہ) کے پاس مہمان تھا۔

افتاء:۔ فقہی کمال کے ساتھ وہ صاحب افتاء بھی تھے۔ ابن عماد حنبلی انہیں امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

عہدہ قضاء اور وفات:۔ کمال تفقہ اور تثبت فی العلم کی وجہ سے ان کو وفات سے چار ماہ پیشتر مدائن کی قضاء کا عہدہ پیش کیا گیا، جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ یہ زمانہ ہارون کی حکومت کا تھا۔ لیکن عمر نے وفا نہیں کی اور اسی عہدہ قضاء پر مامور ہونے کی حالت میں بماہ جمادی الاولیٰ ۱۸۳ ہجری میں مدائن میں وفات پائی۔ صاحب شذرات نے ۱۸۲ ہجری کے وفیات میں ذکر کیا ہے۔ اس وقت عمر ۶۳ سال کی تھی۔

تصنیفات:۔ یحییٰ بن ابی زائدہ کو دیگر محدثین میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ کوفہ کے سب سے پہلے امام ہیں جنہوں نے حدیث میں تصنیف کی۔ علامہ بغدادی، علامہ سمعانی اور حافظ ابن حجر تینوں لکھتے ہیں کہ:

وھو اول من صنف الکتب بالکوفة

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں۔

ان کا انداز تصنیف اتنا مقبول ہوا کہ ان کے بعد بعض اور ائمہ نے بھی تصنیف کی طرف توجہ کی تو انہیں کے نقش قدم کو دلیل راہ بنانا پڑا۔

چنانچہ منقول ہے کہ امام وکیع نے اپنی کتابوں میں یحیٰ بن ابی زائدہ کی ہی کتابوں کی پیروی کی۔

ان کی تصنیفات کی تعداد اور دیگر تفصیلات کے بارے میں اہل تذکرہ خاموش ہیں۔ ابن ندیم نے صرف ایک کتاب کتاب السنن کی تصریح کی ہے۔ اغلب ہے کہ جس طرح اور بہت سی ائمہ کی تصنیفات گوشہ خمول میں گم ہیں، ان کی بھی ناداراالوجود ہیں۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصمودی رحمۃ اللہ علیہ

مؤطا کو امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بقول شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ایک ہزار ہے۔ لیکن مؤطا کے جو نسخے مشہور و معتبر ہیں، ان میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا روایت کردہ نسخہ بھی ہے، بلکہ مصمودی کی روایت کو بالاتفاق معتبر ترین و مقبول ترین قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی شہرت کا اندازہ لگانے کے لئے اس بات کا ذکر کافی ہے کہ آج مؤطا کا نام ذہن میں آتے ہی اس سے مراد نسخہ مصمودی ہوا ہے۔ یحییٰ اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بناء پر امام مالکؒ کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے۔ اندلس میں مالکی مذہب کا چرچا ان ہی کی وجہ سے ہوا۔

نام و نسب:۔ یحییٰ نام اور ابو محمد کنیت تھی۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملل بن منغایا اللیثی (۱) طنجہ کے ایک مشہور بربری قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنولیث کے غلام تھے۔ ان کے اجداد میں وسلاس اور دوسری روایت کے مطابق منغایا، یزید بن عامر اللیثی کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ انہی بزرگ کی طرف منسوب ہو کر یحییٰ اللیثی کے نام سے شہرت پائی۔ (۲)

ولادت:۔ یحییٰ کے دادا کثیر نے جن کی کنیت ابوعیسیٰ تھی، اندلس کو اپنا وطن ثانی بنا کر قرطبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۵۲ ہجری میں یحییٰ کی ولادت ہوئی۔ (۳)

تحصیلِ علم:۔ شیخ یحییٰ نے سب سے پہلے قرطبہ ہی میں یحییٰ بن مضر الاندلسی سے احادیث کی سماعت کی اور پھر امام مالک کے تلمیذ رشید زیاد بن عبدالرحمٰن اللخمی سے پوری مؤطا کا سماع کیا۔ اس کے بعد طالب علم کے جذبہ شدید نے انہیں آمادۂ سفر کیا اور وہ کشاں کشاں دربار نبوی پہنچے، ابن فرحون اور حافظ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ (۴) لیکن صاحب اوجز کی تحقیق ہے کہ ان کی عمر ۲۸ سال تھی، اس لئے کہ شیخ یحییٰ کی ولادت ۱۵۲ ہجری میں ہوئی اور ۱۷۹ ہجری میں وہ سماع مؤطا کے لئے مدینہ آئے۔ اسی سال امام مالک کی وفات ہوئی۔ (۵)

مدینہ میں اس وقت امام مالکؒ اپنے فیض کا دریا رواں کئے ہوئے تھے، مصمودی نے ان

(۱) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۲۔ (۲) الدیباج المذہب صفحہ ۳۵۰۔ (۳) مقدمہ اوجز المسالک صفحہ ۶۶۔ (۴) الدیباج المذہب صفحہ ۳۵۰ والانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۵۸۔ (۵) مقدمہ اوجز صفحہ ۶۶

سے مؤطا کی سماعت کی، لیکن اسی اثناء میں امام مالکؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے اور کتاب الاعتکاف کے تین ابواب سماعت سے رہ گئے۔ اسی بناء پر یحییٰ ان ابواب کو زیاد سے روایت کرتے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ ابواب امام مالکؒ کی وفات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور مانع کی بناء پر سماعت سے رہ گئے۔ اور امام مالکؒ کی وفات شیخ یحییٰ کے دوسری مرتبہ مدینہ آنے کے وقت ہوئی۔ اس تحقیق کے مطابق ابن عبدالبر کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ سماع مؤطا کے وقت مصمودی کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور اغلب ہے کہ جب مصمودی امام مالکؒ کے انتقال کے وقت ان کی خدمت میں تھے، اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال ہی ہو۔

مصمودی نے تحصیل علم کے لئے اندلس سے دو مرتبہ مشرق کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ میں انہوں نے امام مالکؒ کے علاوہ سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب اور نافع بن نعیم القاری سے کسب فیض کیا۔ دوسرے علمی سفر میں انہوں نے ابن القاسم سے جو کہ امام مالکؒ کے اعیان تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، سماع حدیث کی۔(۱)

شیوخ:۔ امام مالکؒ کے علاوہ مصمودیؒ کو جن کبار ائمہ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، ان میں مشہور نام یہ ہیں:

یحییٰ بن مضر، زیاد بن عبدالرحمٰن، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن وہب ابن القاسم، قاسم بن عبداللہ العمری، انس بن عیاض۔

تلامذہ:۔ مصمودی کے منبع فیض سے جو لوگ مستفید ہوئے، ان میں بقی بن مخلد، محمد بن وصاح، محمد بن العباس، صباح بن عبدالرحمٰن العتقی وغیرہ شامل ہیں۔(۲)

علمی انہماک:۔ تحصیل علم کے لئے جس لگن، انہماک اور ذوق وشوق سے احتیاج ہوتی ہے، وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا، جب امام مالکؒ کی خدمت میں سماع مؤطا کے لئے حاضر ہوئے تو دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو کر انہوں نے کلی توجہ سماع حدیث پر صرف کی۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار اثناء درس میں کسی نے کہا: ''ہاتھی آ گیا۔'' تمام شرکاء درس ہاتھی دیکھنے چلے گئے، لیکن یحییٰ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ امام مالکؒ نے تعجب سے دریافت کیا کہ ''اندلس میں تو ہاتھی ہوتا نہیں، پھر تم کیوں نہیں دیکھنے گئے؟''

شیخ یحییٰ نے اس کا جو جواب دیا وہ بلاشبہ ہر عصر و عہد میں طالبان علم کے لئے دلیل راہ بنانے

(۱) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۵۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔

کے لائق ہے، فرمایا:

لم ارحل لانظر الفیل وانما رحلت لاشهدک واتعلم من علمک وهدیک

میں یہاں ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا، میں تو یہاں اتنی دور سے صرف آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم وسیرت سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں۔

اپنے لائق فخر شاگرد کا یہ جواب سن کر امام مالکؒ اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت شیخ یحییٰ کو "عاقل اهل الاندلس" کا خطاب عطا فرمایا۔(۱)

تفقہ:۔ روایت حدیث کے ساتھ شیخ یحییٰ کو فقہ میں بھی درجہ کمال حاصل تھا، یہ تفقہ ان کی ذاتی صلاحیت اور محنت کے ساتھ ساتھ امام مالک اور سفیان بن عیینہؒ کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اندلس میں فقہ مالکی کی اشاعت میں اسد بن فراتؒ، ابن حاتم اور عبداللہ بن وہبؒ وغیرہ کے ساتھ مصمودی کا بھی بڑا حصہ ہے۔ حافظ ابن حجر انہیں "وكان فقيهاً حسن الرای" لکھتے ہیں۔(۲)

افتاء:۔ مصمودی کے غیر معمولی تفقہ ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل اندلس ان کے فتووں پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ اس فن میں ان کی مہارت مسلم تھی، محققین کا اتفاق ہے کہ یحییٰ جب مختلف ممالک سے تحصیل علم کرنے کے بعد اندلس واپس آئے تو مسند علم کی صدارت ان کے حصہ میں آئی۔

ابن خلکان نے لکھا ہے:

إن يحيى عاد الى الاندلس وانتهت اليه رياسة بها وبه انتشر مذهب مالک فی تلک البلاد وتفقه به جماعة لايحصون عدداً (۳)

بلاشبہ یحییٰ اس حال میں اندلس واپس آئے کہ ان کی ذات علماء و مدرسین کا مرکز و منتہی بن گئی۔ یحییٰ ہی کے ذریعہ اندلس میں مالکی مذہب فروغ پذیر ہوا اور ان سے اتنے لوگوں نے تفقہ حاصل کیا جن کی تعداد کا شمار ممکن نہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رقمطراز ہیں:

قدم الى الاندلس بعلم كثير فدارت فتيا الاندلس بعد عيسى بن دينار اليه وانتهى السلطان والعامة الىٰ رأيه (۴)

---

(۱) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۲۰۷ و مقدمہ اجزء وغیرہ۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۲۔ (۴) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۵۹

یحییٰ کثیر علم کے ساتھ اندلس واپس آئے، پس اندلس کے منصب افتاء پر یحییٰ بن دینار کے بعد وہی فائز تھے اور عوام وخواص سب آپ ہی کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حق گوئی و بیباکی:۔ فقہ وفتاویٰ میں وہ اپنی رائے کا اظہار برملا کرتے تھے، اور اس میں کسی کے رعب و دبدبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دربار شاہی بھی انہیں مرعوب نہیں کرسکتا تھا، ایک بار اندلس کے حاکم عبدالرحمٰن بن حکم الاموی نے ماہ رمضان میں اپنی محبوب لونڈی سے مجامعت کی۔ امیر میں چونکہ دین کا احساس باقی تھا، اس لئے اپنی اس اضطراری حرکت پر اسے شرمندگی اور کفارۂ معصیت کی فکر دامنگیر ہوئی، اس نے شہر کے تمام فقہاء کو قصر شاہی میں طلب کر کے کفارہ کا مسئلہ دریافت کیا۔

یحییٰ مصمودی نے پوری بیباکی کے ساتھ فرمایا کہ امیر کو پے در پے دو مہینہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ شیخ یحییٰ کی جلالت شان کی وجہ سے وہاں کسی فقیہ کو ان سے اختلاف مجال نہ ہوسکی، لیکن دربار سے واپس آنے کے بعد بعض لوگوں نے عرض کیا کہ امام مالکؒ تو اس نوع کے مسائل میں خیار کے قائل ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک کفارہ صوم میں روزہ دار کو اختیار ہے، چاہے غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پھر آپ نے دو ماہ کے روزوں پر ہی کیوں اصرار کیا۔

یہ سن کر شیخ یحییٰ نے کتنا حکیمانہ جواب دیا:

لو فتحنا له هذا الباب سهل عليه ان يطأ كل يوم ويعتق رقبة فيه ولكن حملته على اصعب الامر لئلا يعود (۱)

اگر ہم نے امیر کے لئے یہ دروازہ کھول دیا تو اس کے لئے بہت آسان ہوگا کہ روز مجامعت کرے اور کفارہ میں کوئی غلام آزاد کردے۔ لیکن میں نے اس کے لئے مشکل صورت اختیار کی تاکہ آئندہ وہ اس فعل کی جرأت نہ کرے۔

جامعیت:۔ شیخ یحییٰ مصمودی کی شخصیت مختلف علمی، اخلاقی اور روحانی کمالات کا مجموعہ تھی۔ ان کے تبحر علمی اور جامعیت کو تمام محققین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وكان اماماً كثير العلم كبير القدر وافر الحرمة كامل العقل خير النفس كثير العبادة والعقل (۲)

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۲۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۲

وہ کثیر العلم، عظیم المرتبت اور نہایت ہی محترم و موقر امام تھے۔ ان کی عقل کامل تھی، نفس بہت نیک اور اچھا تھا، زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔

احمد بن خالد کا بیان ہے:

لم یعط احد من اھل العلم بالاندلس منذ وخلھا الاسلام من الخطورة وعظم القدر وجلالة الذکر ماعطیه یحیٰی بن یحیٰی (۱)

جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا، یہاں کے علماء میں سے کسی کو وہ جاہ و جلال اور عظمت و برتری حاصل نہیں ہوئی جتنی یحییٰ بن یحییٰ (مصمودی) کو حاصل ہوئی۔

ابوالولید ابن الفرضی کا قول ہے کہ یحییٰ مصمودی امام وقت اور یکتائے زمن تھے۔ (۲) ابن لبابہ کہتے ہیں کہ ''الیه انتھت الریاسة فی العلم بالاندلس'' (۳)

علامہ مقری نے لکھا ہے کہ شیخ یحییٰ کی روایت کو اس قدر مستند سمجھا جاتا تھا کہ مشرق کے علماء بھی اس سے استناد کرتے تھے۔ (۴)

جلالت شان:۔ یحییٰ مصمودی اپنے گوناگوں علمی کمالات کی بناء پر جس طرح عوام میں غیر معمولی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے، اسی طرح خواص میں بھی ان کی بڑی توقیر کی جاتی تھی، حکومت کی جانب سے ان کو بارہا منصب قضاء کی پیشکش کی گئی، مگر انہوں نے پوری شان استغناء کے ساتھ اسے نامنظور کر دیا۔ اس کی وجہ سے ان کی عزت اور مرتبہ میں دو چند اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ سلطان وقت کی نگاہ میں ان کا مرتبہ اس درجہ بلند ہو گیا کہ ان کے مشورہ کے بغیر ملک کا کوئی اہم معاملہ انجام نہیں پاتا تھا، یہاں تک کہ گورنروں کو عزل و نصب میں بھی ان کی رائے کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ یحییٰ اپنے بے لاگ عدل و انصاف کی وجہ سے اندلس کے بادشاہوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب تک وہ زندہ رہے، اندلس میں کوئی قاضی ان کے مشورہ کے بغیر مقرر نہیں ہوتا تھا۔ (۵)

علامہ ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی اشاعت قاضی ابو یوسف کے چیف جسٹس ہونے کی بناء پر ہوئی، کیونکہ اس بلند عہدہ اور مخصوص علمی وقار کی وجہ سے اقصائے

---

(۱) الانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۶۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) الدیباج المذہب صفحہ ۳۵۱۔ (۴) نفح الطیب ج ۱ صفحہ ۲۹۰۔ (۵) افتتاح الاندلس صفحہ ۵۸۔

مشرق سے لے کر اقصائے افریقہ تک صرف ہی لوگ ذمہ دار منصبوں پر فائز کئے جاتے تھے، جو قاضی ابو یوسف کے ہم خیال وہم رائے ہوتے تھے، اسی طرح بلاد اندلس میں مالکی فقہ کی اشاعت یحییٰ مصمودی کے ذاتی اثر ورسوخ کی وجہ سے ہوئی۔ سلطان وقت حکام کے عزل ونصب میں ان ہی کے مشورہ سے کرتا تھا، چنانچہ وہ عہدوں پر تقرری کے لئے انہی علماء کو ترجیح دیتے تھے، جو امام مالک کے مسلک کے پابند ہوتے تھے۔ (۱)

علامہ سیوطی نے ابن حزم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بلادِ مغرب میں صرف یحییٰ مصمودی کے روایت کردہ نسخہ مؤطا کے مشہور ومقبول ہونے کا اصل سبب یہی ہے۔ (۲)

مسلک:۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یحییٰ مصمودی کو امام مالکؒ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت تھی، اسی بناء پر وہ مالکی مسلک کی شدت سے اتباع کرتے تھے اور اس سے انحراف کو گوارا نہیں کرتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں کسی ایک مذہب کی پابندی کا دستوری رائج نہ تھا۔

لیکن یحییٰ مصمودی مالکی مسلک کی کامل اتباع کے باوجود چار مسائل میں امام مالکؒ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان مسائل میں ان کا جداگانہ مسلک یہ تھا:

۱۔ نماز فجر میں قنوت نہیں ہے۔

۲۔ شاہد مع الیمین اثباتِ حق کے لئے ناکافی ہے۔ مدعی کو اپنا حق ثابت کرنے کے لئے دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں پیش کرنا لازمی ہے۔

۳۔ شوہر اور بیوی کے نزاع واختلاف کی صورت میں حکمین کو صلح کرانے کا حق نہیں، مذکورہ بالا مسائل میں وہ لیث بن سعد کے مسلک کے قائل تھے۔ (۳)

حلیہ:۔ یحییٰ بن مصمودی شکل وہیئت کے اعتبار سے امام مالکؒ سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے۔ وہی سرخ سپید رنگ، بالا قد، بھاری بدن، کشادہ پیشانی، بڑی آنکھیں، اونچی ناک، گھنی اور لمبی داڑھی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:

در وضع لباس ونشست وبرخاست وہیئت ظاہری نیز تتبع حضرت امام مالک می نمود۔ (۴)

وضع قطع، اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقے، ظاہری شکل وصورت اور اتباع میں امام مالکؒ کی ہو بہو تصویر تھے۔

(۱) بحوالہ بستان المحدثین صفحہ ۱۱۔ (۲) تزئین الممالک صفحہ ۵۶۔ (۳) الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۶۰۔ (۴) بستان المحدثین صفحہ ۱۳

مؤرخ ابن خلکان اور ابن فرحون مالکی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ:

وكان قد اخذ في نفسه وهيئته ومقعده هيئة مالك(۱)

وہ اپنی شکل وصورت اور نشست وبرخاست میں امام مالک کے ہم صورت وتبع تھے۔

تقویٰ وطہارت:۔ یحییٰ مصمودی علمی فضل وکمال کے ساتھ عملی اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔نہایت متقی اور پرہیز گار تھے،ابن بشکوال کا قول ہے کہ:

"وكان مستجاب الدعوات" (۲)

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

وكان ياتي الجامع يوم الجمعة راجلا متعمماً (۳)

وہ جمعہ کے دن جامع مسجد عمامہ باندھ کر اور پیدل چل کر آتے تھے۔

وفات:۔ ۲۲ رجب ۲۳۴ ہجری کو علم وفضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہوگیا،جس نے اپنی ضیاباری سے نصف صدی سے بھی زائد عرصہ تک اندلس کو منور رکھا۔(۴)اس وقت عمر ۸۲ سال کی تھی۔(۵)ان کی قبر قرطبہ کے قبرستان بنی عامر میں زیارت گاہ خلائق اور مرجع عوام ہے۔(۶)

مؤطا نسخہ مصمودی کی خصوصیات:۔ شیخ یحییٰ مصمودی کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالکؒ کی مؤطا کی روایت وحفاظت ہے،جس نے بلاشبہ انہیں تاریخ علم وفن میں حیات جاوداں عطا کی ہے۔

امام مالکؒ سے یوں تو سینکڑوں لوگوں نے مؤطا کا سماع حاصل کیا،لیکن ان سب نے امام صاحبؒ کی مرویات کو محفوظ نہیں کیا،صرف سولہ تلامذہ نے اپنی روایت کے مطابق مؤطا کو جمع کیا ہے،جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی،عبداللہ بن وہب،ابن القاسم،عبداللہ بن مسلم قعنبی،معین بن عیسیٰ، یحییٰ بن بکیر،سعید بن عفیر،ابومصعب زہری،مصعب بن عبداللہ زبیری،سلیمان بن برد، ابوحذافہ اسہمی،سوید بن سعید،امام محمد حسن شیبانی،یحییٰ بن یحییٰ التیمی،عبداللہ بن یوسف دمشقی،محمد بن مبارک۔

مذکورہ بالا سولہ نسخوں میں مشہور اور متداول صرف دو نسخے ہیں۔ایک مصمودی کا دوسرا امام محمد

---

(۱)ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۲۷۴۔الدیباج المذہب صفحہ ۳۵۱۔(۲)تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔(۳)الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ ۶۰۔(۴)ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۴۴۔(۵)العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۴۱۹۔(۶)ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۴۵

کا، لیکن ان دونوں میں بھی نسخہ مصمودی کو زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ حتیٰ کہ آج ساری دنیا میں موطا کا اطلاق نسخہ مصمودی ہی پر ہوتا ہے۔

اس نسخہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالکؒ کے وفات کے وقت زیر سماعت تھا، کیونکہ جیسا اوپر مذکور ہوا، یحییٰ مصموی نے اس کا سماع امام مالکؒ سے اسی سال کیا، جس سال ان کی رحلت ہوئی، اس طرح وہ موطا کے تمام نسخوں میں آخری قرار پاتا ہے، اور ظاہر ہے، آخری سماع کو مرجح قرار دیا جائے گا۔

دوسری نمایاں خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ بہت سے ایسے فرعی مسائل پر مشتمل ہے جو کہ باب میں مذکور روایات کے مطابق ہیں، ان خصوصیت کے باوجود یحییٰ مصمودی کی روایت صحاح ستہ میں نہیں پائی جاتی ہیں، اس کا سبب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ بتایا ہے کہ یحییٰ کی روایات میں اوہام زیادہ ہیں، اس لئے وہ کتب ستہ میں جگہ نہ پاسکیں۔(۱)

بعض محققین موطا امام محمدؒ کو نسخہ مصمودی پر کوئی وجوہ سے فوقیت دیتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں محدث زاہد الکوثری کی یہ رائے نہایت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نسخے اپنی جداگانہ خصوصیت میں باہم دگر فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں:

واشهر روايات فى هذا العصر رواية محمد بن الحسن بين المشارقة ورواية يحيى الليثى اللمصودى بين المغاربة فالا ولى تمتاز ببيان ما اخذبه اهل من احاديث اهل الحجاز المدونة فى المؤطا ومالم ياخذ وبه لادلة اخرى سافها محمد فى مؤطنه وهى نافعة جداً لمن يريه المغاربة بين آراء اهل المدينة وآراء هل العراق وبين ادلة الفريقين والثانية تمتاز من نسخ المؤطا كلها باحتوائها علىٰ آراء مالک البالغة نحو ثلاث آلاف مسئلة فى ابواب الفقه وهاتان الرواتيان فى غايات الكثرة فى خزانات العالم شرقاً و غرباً(۲)

اس دور میں موطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحییٰ اللیثی کی روایت، پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اہل عراق نے موطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بناء پر جو امام محمد اپنی موطا میں لائے ہیں، نہیں لیا ہے۔ ان کا بیان ہے، اور یہ چیز ان لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے جو اہل

(۱) اوجز المسالک صفحہ ۲۷۔ (۲) مقالات الکوثری صفحہ ۷۹، ۸۰۔ طبع مصر بحوالہ موطا امام محمدؒ

مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسر؟ وایت موطا کی تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالکؒ کے ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے، جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانوں میں شرقاً وغرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

تاہم آج موطا امام مالکؒ کے نام سے جو کتاب بالخصوص ہندوستان میں مروج ہے، وہ یحییٰ مصمودی ہی کی روایت ہے اور اسی کی شرحیں زرقانی، ابن عبدالبر، سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہ وغیرہم نے لکھی ہیں، یہ بات بجائے خود ان کی مقبولیت اور شہرت کی روشن دلیل ہے۔

حضرت یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ یحییٰ نام، ابوزکریا کنیت اور والد کا نام یمان تھا۔(۱) عجلی خاندانی نسبت ہے۔(۲)
ولادت:۔ خود اپنے بیان کے مطابق ۱۱۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔(۳)
فضل وکمال:۔ علمی اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز تبع تابعین میں تھے۔ حدیث کے علاوہ فقہ اور علوم قرآن میں بھی بلند مرتبہ حاصل تھا۔ عبادت وریاضت، سادگی وتواضع اور ذہانت و فطانت کا پیکر تھے، حافظ ذہبی ''الحافظ الصدوق'' لکھتے ہیں۔(۴)
قرآن:۔ ابن یمان کو قرأت قرآن میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اس کی تعلیم انہوں نے حمزہ بن حبیب الزیات (۸۰ ہجری، ۱۵۸ ہجری) سے حاصل کی تھی۔(۵) جو اپنے عہد میں علم قرأت کے ماہر اور امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔
حدیث:۔ اگرچہ ان کے پایہ حدیث پر علماء نے کافی جرح کی ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس فن میں وہ کافی دسترس رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کے حافظہ میں کوئی ضعف تھا (جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے) تو وہ بھی عمر کے آخری حصہ میں اور کچھ خارجی اسباب کی بناء پر پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ حدیث میں انہوں نے ہشام ابن عروہ، سلیمان الاعمش، اسماعیل بن ابی خالد، معمر بن راشد، منہال بن خلیفہ، حمزہ بن حبیب الزیات اور سفیان ثوری جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا تھا۔(۶)
تلامذہ:۔ ابن یمان نے اپنے وطن کوفہ کے علاوہ بغداد میں بھی حدیث کا چشمہ جاری کیا تھا، جس سے فیض یاب ہونے والوں میں محمد بن عیسیٰ الطباعی، یحییٰ بن معین، حسن بن عرفہ، محمد بن نمیر، داؤد بن یحییٰ بن یمان، ابوہشام الرفائی، اسحاق بن ابراہیم بن حبیب، علی بن حرب الطائی کے نام لائق ذکر ہیں۔(۷)
جرح وتعدیل:۔ ان کی ثقاہت وعدالت پر کافی کلام کیا گیا ہے، تمام بیانات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ابن یمان کی صداقت مسلم تھی، لیکن پھر مرض فالج میں مبتلا ہوجانے کے بعد ان کے ذہن ودماغ کی پہلی والی کیفیت باقی نہیں رہ گئی تھی، اس لئے روایت

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۳ صفحہ ۱۲۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۲۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ا صفحہ ۲۶۰۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۲۰

حدیث میں تشابہ اور اختلاط پیدا ہونے لگا۔ بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کا حافظہ جتنا زیادہ تیز تھا، ویسا ہی وہ سریع النسیان بھی تھے۔ اور ان سے بلاشبہ راوی کا پایہ تثبت و اتقان مجروح ہوتا ہے۔ ابن مدینی کا بیان ہے "صدوق فلج فتغیر حفظه"۔(۱) یعنی وہ صدوق ہیں، لیکن فالج زدہ ہونے کے بعد ان کے حافظہ کی کیفیت بدل گئی تھی۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان كثير الحديث لايحتج به اذا خولف (۲)

وہ کثیر الحدیث تھے، لیکن جب ان کی روایت کسی دوسری روایت سے مختلف ہو تو وہ لائق حجت نہیں۔

یعقوب بن شیبہ کا قول ہے:

وكان صدوقاً كثير الحديث وانما انكر عليه اصحابنا كثرة الغلط وليس بحجة اذا خولف (۳)

وہ صدوق اور کثیر الحدیث تھے، ہمارے بعض احباب نے ان کو ناپسند کیا ہے، وہ بکثرت غلطیاں بھی کرتے تھے، اس لئے مخالفت کی صورت میں قابل حجت نہیں۔

ان تمام آراء سے ابن یمان کی صداقت و عدالت کی بین شہادت تو ملتی ہے، لیکن ساتھ ہی کثرت خطا اور تغیر حفظ کا بھی پتہ چلتا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ ضعف و نقص آخر عمر میں فالج کے ناگہانی حادثہ کا نتیجہ تھا، ورنہ حاشا کذب عمد کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اس کی تائید ابن عدی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

وهو فى نفسه لايتعمد الكذب الا انه يخطئ ويشبه عليه(۴)

وہ فی الحقیقت کذب عمد کا ارتکاب نہ کرتے تھے، بلکہ تشابہ و غلطی ہو جایا کرتی تھی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے سوا محدثین کی ایک بڑے جماعت نے ان سے روایت کی تخریج کی ہے۔(۵) عجلی کا بیان ہے:

كان من كبار اصحاب الثورى وكان ثقة جائزاً الحديث متعبداً معروفاً

---

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۴۔ (۲) خلاصہ تذہیب و تہذیب الکمال صفحہ ۳۲۹ و تہذیب الکمال ج ۳۲۹ و تہذیب الکمال ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۳۰۷۔ (۴) تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۶۔ (۵) ایضاً۔

بالحديث صدوقاً الا انه فلج فتغير حفظه (۱)

وہ امام سفیان ثوری کے ثقہ کبار تلامذہ میں تھے، علاوہ ازیں جائز الحدیث عبادت گزار اور صدوق تھے۔ الا یہ کہ فالج زدہ ہونے کے بعد قوت حافظہ میں کچھ تغیر ہو گیا تھا۔

قوت حافظہ: ۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا، اس کا پورا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ امام وکیع جو اپنی غیر معمولی قوت حفظ کی بناء پر عدیم النظیر تھے، بیان کرتے ہیں:

ما کان احد من اصحابنا احفظ للحدیث من یحیی بن الیمان کان یحفظ فی المجلس الواحدة خمسائة حدیث۔ (۲)

ہمارے ساتھیوں میں حدیث کا حافظ یحییٰ بن الیمان سے بڑا کوئی نہ تھا، وہ ایک مجلس میں پانچ سو حدیثیں یاد کر لیتے تھے۔

خود انہی کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر کے باب میں سفیان ثوریؒ سے چار ہزار حدیثیں زبانی یاد کی تھیں۔ (۳)

محمد بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمار کے مفلوج ہو جانے کے بعد ان سے سماع کیا تھا۔ وہ کسی کتاب سے نہیں بلکہ اپنے حافظہ کی بنیاد پر ہم سے روایت بیان کرتے تھے۔ (۴)

عبادت: ۔ زیورِ علم کے ساتھ دولتِ عمل سے بھی مالا مال تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ "وکان من العلماء العابدین" (۵) حتیٰ کہ دنیا سے بے تعلقی اور کثرت ریاضت کی بناء پر ابن عیاشؒ نے انہیں راہب تک کہا ہے۔ (۶)

سادگی: ۔ ان کی زندگی انتہائی سادہ اور متواضع تھی، بشر بن حارث عینی شاہد ہیں کہ ایک مرتبہ میں یحییٰ بن یمان کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ ان کے جبہ میں بڑی کثرت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (۷)

عجلی کا قول ہے: **وکان فقیراً صبوراً۔** (۸)

وفات: ۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رجب ۱۸۹ ہجری میں بمقام کوفہ عالم بقاء کو رحلت فرمائی۔ (۹)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۰۲ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۲۲۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۲۱۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۹) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲

حضرت یزید بن زریع العیشی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:۔ یزید نام، ابو معاویہ کنیت اور والد کا اسم گرامی زریع تھا۔(۱) بصرہ کے مشہور خاندان بنو عائش سے نسبت رکھنے کے باعث عیشی کہلاتے ہیں۔اس خاندان کو ائمہ سلف کی ایک بڑی جماعت کے انتساب کا شرف حاصل ہے۔(۲)

ولادت اور وطن:۔ ۱۰۱ ہجری میں بمقام بصرہ میں پیدا ہوئے۔(۳)

فضل و کمال:۔ علم و فضل اور مہارت فنی کے اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تثبت و اتقان، ثقاہت و عدالت، زہد و اتقاء، استغناء و تواضع اور عبادت و ریاضت کی بھی ایک اعلیٰ مثال تھے۔

ابو عوانہ ان کی صحبت فیض اثر سے چالیس سال تک مسلسل مستفید ہوتے رہے، وہ اس طویل ترین رفاقت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''یزید کے چراغ علم سے ہر سال میرے علم و دانش کو جلا اور روشنی ملتی تھی۔''(۴)

امام احمدؒ کا بیان ہے:

کان یزید ریحانۃ البصرۃ ما اتقنہ و ما احفظہ (۵)

یزید بصرہ کے ناز بو تھے، وہ بڑے ہی متقن اور حافظ تھے۔

ابن عماد حنبلیؒ انہیں ''**الحافظ الثبت المتقن محدث اھل البصرۃ**'' علامہ خزرجی ''**الحافظ احد العلام**'' اور امام یافعی ''**الحافظ اللبیب**'' کہتے ہیں۔(۶)

حدیث:۔ ان کا خاص فن حدیث تھا، اس میں انہیں اتنی مہارت اور قدرت حاصل تھی کہ زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر محدث البصرہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا، انہوں نے ایوب السختیانی، سعید بن ابی عروبہ، حمید الطویل، شعبہ اور سفیان ثوری جیسے نادرۂ زمن محدثین کے خزانہ علم سے بہرۂ وافر پایا تھا۔ ان کے بعض دوسری ممتاز شیوخ و اساتذہ کے نام یہ ہیں۔ سلیمان التیمی سعید بن زیدی، عمرو بن میمون، سعید بن ایاس الجریری، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، ابن عون، معمر بن

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۵۔(۲) اللباب فی الانساب ج ۳ صفحہ ۱۶۲۔(۳) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۴۳۱۔(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔(۵) العبر ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔(۶) شذرات ج ۱ صفحہ ۲۹۸ و خلاصہ صفحہ ۴۳۱ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۸۲

راشد، روح بن القاسم۔

خود ان کے آفتاب علم سے مستیز ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ کیونکہ شیخ یزید کی پوری زندگی تدریس و روایت حدیث میں گزری تھی، ان کے تلامذہ کی طویل فہرست میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، زکریا بن عدی، عبدالاعلیٰ بن حماد، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، علی بن المدینی، عباس الولید، عمر بن عبدالوہاب الریاحی، محمد بن عبداللہ بندار، قتیبہ اور معلی بن اسد وغیرہم کے نام نمایاں ہیں۔(۱)

ثقاہت و اتقان:۔ طویل العمر مشغلہ درس کی وجہ سے انہیں حدیث کی صحت وسقم کو پرکھنے کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا تھا، اور اس میں ان کا تثبت و اتقاق باتفاق علماء مسلم تھا، بشر الحافیؒ فرماتے ہیں:

كان يزيد حافظا متقناً ما اعلم انى رايت مثله و مثل صحة حديثة(۲)

شیخ یزید حافظ متقن تھے، میں نے ان جیسا صحیح الحدیث نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ:

لم يكن ههنا احد اثبت منه(۳)

ان سے زیادہ ثبت رکھنے والا بصرہ میں کوئی نہیں دیکھا۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة كثير الحديث حجة (۴)

وہ ثقہ، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔

امام احمدؒ شہادت دیتے ہیں کہ:

ما اتقنه وما احفظه صدوق متقن (۵)

وہ بہت متقن، حافظ اور صدوق تھے۔

علاوہ ازیں ابن معین، ابوحاتم اور دوسرے بہت سے علماء ان کی ثقاہت کا بصراحت اعتراف کرتے ہیں۔

زہد و اتقاء:۔ ان کے والد زریع بصرہ کے والی تھے، اس لئے انہیں راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان فراہم تھے، لیکن یزید مال و زر اور ثروت عزت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور غایت

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔ (۳) العبر ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۴۔ (۵) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۷۷

تقویٰ کی بناء پر اپنے باپ کے مال میں سے ایک حبہ بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ کھجور کے پتوں کا کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔ ابو سلیمان الاشقر بیان کرتے ہیں کہ زریع نے وفات کے وقت پانچ لاکھ درہم وراثت میں چھوڑے تھے، مگر یزید نے اس میں سے ایک درہم بھی نہ لیا۔ (۱)

ابن حبان کا قول ہے:

كان من أورع اهل زمانه (۲)

وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے متقی تھے۔

مناقب:۔ علمی فضائل وکمالات کے ساتھ ان کی دنیائے عمل بھی آراستہ تھی۔ خاص طور پر نماز کا بہت اہتمام رکھتے اور نوافل کثرت سے پڑھتے تھے۔ اسی بناء پر عالم بالا میں خداوند قدوس نے ان کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا۔ جیسا کہ نصر بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات یزید بن زریعؒ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کیا، کن اعمال کی بناء پر؟ فرمایا: کثرت نماز کی وجہ سے۔ (۳)

وفات:۔ ۸ شوال ۱۸۲ ہجری بروز چہارشنبہ بصرہ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔ (۴)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۷۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۲۷۷۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۸۲۔ (۴) ابن سعد ج صفحہ ۴۴، العبر ج ۱ صفحہ ۵۴، تہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۷۔

حضرت حافظ یزید بن ہارون اسلمی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جن اتباع تابعین نے علم وعمل کی قندیلیں فروزاں کیں، ان میں ایک ممتاز نام حافظ یزید بن ہارون اسلمیؒ کا ہے۔ جو فقہ وحدیث میں مہارت تام رکھنے کے ساتھ سیرت وکردار کے اعلیٰ مرتبہ پر بھی فائز تھے۔ زہد وتقویٰ، بے نفسی وخشیت الٰہی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے، ان کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے چند ممتاز ترین شیوخ وتلامذہ کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تابعین کرام میں سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد یحییٰ بن سعیدؒ اور سلیمان بن طرخان تیمیؒ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ یحییٰ حدیث کی روایت کے ساتھ تفقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔ یزید بن ہارونؒ نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔ (۱) سلیمان تیمی المتوفی ۱۴۳ ہجری طغرائے امتیاز، زہد وورع اور عبادت وریاضت تھا۔ وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ (۲)

حافظ یزید زمرہ اتباع تابعین میں امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشونؒ، حماد بن زیدؒ اور حماد بن سلمہؒ سے مستفید ہوئے تھے۔ امام شعبہ کا شمار اگرچہ کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے، مگر وہ اپنے علم وفضل، دیانت وتقویٰ اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے دو صحابیوں حضرت انس بن مالکؓ اور عمرو بن مسلمہ کو دیکھا تھا۔ رویت صحابہ کا یہ فضل ان کی تابعیت کے لئے کافی ہے۔ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے وہ امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے ہیں۔ (۳)

امام سفیان ثوریؒ زمرۂ اتباع تابعین کے گل سرسبد تھے، علم وفضل کے لحاظ سے ان کا شمار ان ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، جو ایک جداگانہ فقہی مسلک کے بانی تھے۔ گو ائمہ اربعہؒ کے مسلک کی سامنے اس مسلک کا چراغ زیادہ دنوں تک نہ جل سکا، تاہم فقہ وحدیث کی تمام کتابوں میں ائمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوری کی آراء ومجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (۴) اس عہد میں جن علماء کو قرآن اور اس کی تفسیر وتاویل سے خاص شغف تھا اور جنہوں نے اس فن میں اپنی تاریخی یادگاریں

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۳) ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۵ صفحہ ۱۶۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۴۳۔

بھی چھوڑی ہیں، ان میں امام موصوف بھی ہیں، ان کی یہ تفسیر ابھی حال میں چھپ گئی ہے۔

عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشونؒ (المتوفی ۱۰۴ہجری) ایسے جلیل القدر فقیہ تھے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے ان کو اس فن میں امام مالکؒ پر بھی فوقیت دی ہے۔ اسی بناء پر مدینہ میں سرکاری طور پر صرف دو ہی آدمی فتوے دینے کے مجاز تھے۔ ابن الماجشونؒ اور امام مالکؒ۔ علم و فضل کے ساتھ جواہر عمل سے بھی مالا مال تھے۔ زہد و تقویٰ کے بلند مقام پر متمکن تھے۔ خطیب بغدادیؒ نے احکام و مسائل میں ان کے صاحب تصنیف ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۱)

حماد بن زیدؒ (المتوفی ۱۷۹ہجری) حصول علم کے بعد اگر چہ حالت بینائی سے محروم ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا۔ ابو عاصم بیان کرتی ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا۔ (۲) یزید بن زریع ان کو سید المحدثین کہہ کر پکارتے تھے۔ (۳) وہ بے مثل قوت حافظہ کے مالک تھے۔ عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (۴)

حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۶۷ہجری) اپنے علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقاء اور تدوین حدیث میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ بقول حافظ ذہبیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سعید بن ابی عروبہؒ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں حصہ لیا تھا۔ (۵)

حدیث کے تمام مجموعوں میں حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں۔ خصوصیت سے ابو داؤد الطیالسی نے، جو ان کے تلمیذ رشید ہیں، اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ اسی طرح یحییٰ بن خریس کے پاس ان کی دس ہزار مرویات تھیں، تجر علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل آپ کو موت آجائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کو ضرورت نہ ہوتی۔ (۶) ان

---

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۲۰۴

کی ساری زندگی منظم تھی، کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے تھے۔

مذکورہ بالا سطور میں حافظ یزید بن ہارون کے چند اساتذہ وشیوخ کے علمی وعملی علوے مرتبت کی ایک اجمالی جھلک پیش کی گئی۔ ان منتخب روزگار فضلاء سے اکتساب وضوکر کے حافظ یزید بن چشمک زن آفتاب بن گئے تھے اور پھر خود ان کے دبستان علم سے جن اساطین دہر نے استفادے کی سعادت حاصل کی، ان میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن مدینیؒ اور آدم بن ابی ایاسؒ کے نام قابل ذکر ہیں اور یُعرف الشجر ہ بثمر ہ کے مصداق ہیں۔ ان ائمہ وحفاظ حدیث میں سے ہر ایک اپنے استاذ یزیدؒ کے فضل وکمال کا شاہد عدل ہے۔

مذکورہ بالا تلامذہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی شخصیت محتاج نہیں ہے، وہ نہ صرف ایک فقہی مسلک کے بانی اور ایک ضخیم مسند کے جامع تھے، بلکہ ایک فہم وتدبر، نزاہت نفس، اخلاص عمل، صبرو استقلال، زہد وتقویٰ اور تواضع وانکسار کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ انہوں نے فتنہ خلق قرآن میں جس استقامت اور جرأت حق گوئی کا اظہار کیا، وہ ان کا قابل تقلید اسوہ ہے، عجب کیا ہے کہ ان کے یہ اوصاف عالیہ حافظ یزید بن ہارونؒ کے فیضان صحبت کا نتیجہ ہوں وہ مامون الرشید کے منشاء کے علی الرغم پوری جرأت واستقامت کے ساتھ تمام عمر یہ اعلان کرتے رہے کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔(۱)

امام المسلمین اسحاق بن راہویہؒ (المتوفی ۲۳۸ ہجری) کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جنہوں نے دینی علوم، خصوصاً تفسیر وحدیث کی بے انتہاء خدمات انجام دیں اور ان دونوں میں تحریری یادگاریں بھی چھوڑیں۔ قوت حافظہ بھی بے مثال تھی۔ ابوداؤد خفاف (جو ان کے تلامذہ میں ہیں) کا بیان ہے کہ ایک بار ابن راہویہؒ نے گیارہ ہزار حدیثیں املا کرائیں اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔ (۲) امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور احمد بن حنبلؒ جیسے جلیل المرتبت ائمہ ان سے شرف تلمذ رکھتے تھے اور ان سب نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات نقل کی ہیں۔

حافظ یزید کے تلامذہ میں یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ ہجری) جیسے فن اسماء الرجال کے ماہر بھی شامل تھے۔ پہلی صدی ہجری میں جب پیشہ ور واعظوں اور قصہ گویوں نے گرمی مجلس کی خاطر بکثرت بے سروپا روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں تو وہ زبان زد خاص وعام ہوگئیں۔ محدثین نے

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) تاریخ ابن عساکر ج ۲ صفحہ ۴۴۰۔

اپنی خداداد فہم وبصیرت سے اس فتنہ کی اہمیت کو سمجھا اور پوری جرأت وہمت کے ساتھ اس کے سدِ باب کے لئے میدان میں آ گئے۔

اس کام کی داغ بیل تو پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں پڑ گئی تھی، مگر دوسری صدی میں محدثین نے باقاعدہ ایک نئے فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈال کر اس فتنہ کا سد باب کردیا، انہوں نے اصول وقوانین مرتب کئے، رواۃ کی سیرت وکردار کا معیار مقرر کیا اور پھر اسی کے مطابق روایات کے رد وقبول کا فیصلہ کیا۔

یحییٰ بن معین نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت کی اس کی تفصیل تہذیب التہذیب اور تاریخ بغداد میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بقول صالح بن محمد وہ معاصر ائمہ حدیث میں سب سے زیادہ رجال سے واقف تھے۔(۱) مراتب حدیث اور جرح وتعدیل میں ان کے فرط احتیاط اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ اس خوف سے کہ روایت میں کہیں غلطی نہ ہوگئی ہو، یا کسی راوی کی تعدیل وتنقید میں حق وصواب کا دامن نہ چھوٹ گیا ہو، ان کی رات کی نیند حرام ہوجاتی تھی۔(۲)

علی بن مدینیؒ بھی ابن معین کی طرح جرح وتعدیل کے امام شمار ہوتے ہیں۔ بقول سفیان بن عیینہ وہ حدیث کا مرجع وماویٰ تھے۔ امام بخاریؒ جن کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی کے علاوہ کسی کے سامنے خود کو حقیر نہیں سمجھا۔(۳)

ابن ماجہ اور نسائی نے ان سے بالواسطہ روایتیں کی ہیں۔ وہ محض حدیث کے حافظ اور راوی نہیں تھے بلکہ اس کے عارف وماہر بھی تھے۔ سند ومتن رواۃ، ہر چیز پر ان کی نظر تھی، خامیوں اور نقائص کا پورا علم رکھتے تھے۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ علی معرفت حدیث وعلل میں ایک علامت ونشان تھے۔(۴)

حافظ یزید کے ایک اور ممتاز ترین شاگرد امام آدم بن ابی ایاسؒ ہیں جو امام شعبہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم قرآن کی کامل معرفت اور اس کی مختلف قرأتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علماء کی اکثریت نے حدیث میں ان کے پایہ ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ جلالت علم کے ساتھ عمل اور تقویٰ اور صالحیت کا بھی مجسم پیکر تھے۔

عجلی کا قول ہے:

کان من خیار عباداللہ (۵)

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۸۳۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۱۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۵۲۔ (۴) ایضاً۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۵۔

ان کی زندگی سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

وكان من الصالحين متمسكاً بالسنة (۱)

خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

كان احد عباد الله الصالحين.

حافظ یزید کے اساتذہ وشیوخ کے مقام بلند کی طرف اوپر جو اشارات کئے گئے ہیں اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس نے ایسے یگانۂ عصر اور ماہرین فن سے کسب فیض کیا ہو، اور جس کے حلقۂ اثر میں ایسے بے نظیر اہل فضل وکمال شامل ہوں، خود اس کے علوئے شان کا کیا عالم ہوگا۔ اس لئے ذیل میں ہم حافظ یزید بن ہارون کے حالات وکمالات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

نام ونسب:۔ یزید نام اور ابو خالد کنیت تھی۔ اصل وطن واسط (عراق) تھا۔ بنو اسلم کے غلام ہونے کے باعث اسلمی اور وطن کی نسبت سے واسطی کہے جاتے ہیں۔ (۲) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت۔ (۳)

ولادت اور تعلیم وتربیت:۔ اپنے وطن واسط میں ۱۱۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا، اس لئے اغلب ہے کہ ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی ہوگی۔ اس وقت واسط میں شعبہ بن الحجاج اور امام مالک وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ امام یزید نے ان ائمہ سے اکتساب فیض کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور ہر خرمن علم سے خوشہ چینی کی کوشش کی۔

شیوخ وتلامذہ:۔ ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ مشہور اشخاص کے حالات اوپر بیان ہوچکے ہیں۔

شیخ یزید کے شیوخ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تمام ہی ملکوں کے شیوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

واسط سے باہر جانے کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حاسدوں کی وجہ سے واسط میں رہ کر علم و فضل میں امتیاز پیدا کرنا نہایت مشکل ہے اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں رہ کر کوئی بھی علم میں امتیاز پیدا

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۶۷۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۶۷ میں ہے کہ قیل اصلہ من بخاری ان کا خاندانی تعلق بخاری سے تھا۔ اس طرح خطیب نے بھی واسطی لکھ کر پھر قیل کا لفظ لکھ کر بخاری کی طرف نسبت کی ہے۔
(۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۳۱

نہ کرسکا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا، کیا آپ بھی واسط میں رہ کر بلند پایہ عالم نہ ہوسکے۔ فرمایا، ہاں!

ماعرفت حتی خرجت من واسط (۱)

میں بھی اس وقت تک معرفت حاصل نہ کرسکا جب تک واسط سے باہر نہیں آیا۔

قوت حافظہ:۔ گو امام یزید فقہ میں بھی بلند پایہ مقام رکھتے تھے، لیکن ان کا اصل طغرائے کمال فن حدیث تھا اور بلاشبہ اس میں انہوں نے غیر معمولی درک بہم پہنچایا تھا۔

خداوند قدوس نے انہیں ذہانت اور قوت حافظہ کی غیر معمولی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ اس حیثیت سے وہ اپنے بہت سے ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ حتیٰ کہ بعض محققین نے انہیں قوت حفظ میں امام وکیع پر بھی فوقیت دی ہے۔ (۲) خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ ازبر ہیں اور اس پر غرور نہیں۔

بالخصوص شامیوں کی روایتیں ان کو کثرت سے حفظ تھیں۔ کہتے تھے کہ مجھے شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ ان کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ امام جرح و تعدیل علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے زیادہ قوی الحفظ کسی کو نہیں دیکھا۔ (۳) ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

مارأیت احداً احفظ من الصغار والکبار من یزید بن هارون (۴)

میں نے صغار و کبار میں یزید بن ہارون سے زیادہ قوت حفظ رکھنے والا نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے کہ عراق کے حفاظ حدیث چار ہیں۔ دو شخص ادھیڑ عمر کے اور دو سن رسیدہ۔ مؤخر الذکر تو ہشیم اور یزید بن ربیع ہیں اور ادھیڑ عمر کے وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون ہیں، لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

واحفظ الکهلین هارون (۵)

ان دونوں ادھیڑوں میں یزید بن ہارون زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں۔

عمر کے آخری حصہ میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے، اس لئے کتابوں کا مطالعہ نہیں کرسکتے تھے۔ جب کسی حدیث کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوتا تو اس کی توثیق و تصدیق کے لئے اپنی تربیت

(۱) تذکرہ ج اصفحہ ۲۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۲۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۳۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۶۰۔ (۵) ایضاً۔

یافتہ لونڈی سے پڑھوا کر اطمینان کر لیتے تھے۔ بعض محدثین اس بات کو ان کے ضعف حفظ کی دلیل قرار دیتے تھے۔

لیکن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ متعدد ائمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کے غیر معمولی حفظ کا اعتراف کیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ انہیں اپنی روایت کی ہوئی حدیثیں خواب یاد تھیں۔ البتہ بڑھاپے میں فرط ضعف اور نابینائی کی وجہ سے ان کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد نہ تھا۔ اس لئے جب حدیث کے بارے میں تردد ہوتا تھا، تو اس کی توثیق لونڈی سے کتاب پڑھوا کر کر لیتے تھے، ان کا یہ فعل کمال احتیاط کی دلیل ہے نہ کہ ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی۔(۱)

ان کا حافظہ بڑھاپے میں ممکن ہے کچھ کم ہو گیا ہو، مگر اس کی وجہ سے ان کے اتقان فی الحدیث میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ متعدد ائمہ حدیث نے ان کے اتقان فی الحدیث کی تعریف کی ہے۔ حضرت ابوزرعہؒ فرماتے ہیں **والاتقان اکثر من حفظ السرد** اتقان فی الحدیث سندوں کے یاد رکھنے سے زیادہ قیمتی ہے۔

خود یزید بن ہارونؒ کو بھی اپنے حافظہ پر پورا وثوق اور اعتماد تھا، ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ ہارون السلمی آپ کے پاس اس لئے آ رہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں ردوبدل کر کے آپ کے حافظہ کا امتحان لے۔ اسی اثناء میں ہارون آ موجود ہوا۔ یزید نے اس کی آواز سن کر کہا "ہارون مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری قوت حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھ پر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی جیسی کوشش کر لیجئے، خدا مجھ کو قیامت کے دن کھڑا نہ کرے، اگر میں اپنی روایت کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں۔"

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزیدؒ نے فرمایا۔ میں بیس ہزار احادیث رکھتا ہوں، جس کا جی چاہے ان میں سے کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے۔(۲)

درس حدیث:۔ شیخ یزید کا مستقل حلقہ درس واسط میں تھا، مگر وہ کبھی کبھی بغداد میں بھی اکثر تشنگان علم کو سیراب کرتے تھے۔

خطیب کا بیان ہے کہ:

قدم یزید بغداد حدث بها ثم عاد الیٰ واسط (۳)

شیخ یزید بغداد آئے، وہاں درس حدیث دینے کے بعد واسط چلے گئے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۶۶۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۳۷

کبار ائمہ حدیث ان سے کسب فیض کو باعث شرف و افتخار تصور کرتے تھے۔ ان کی مجلس درس میں طالبان علم کا بے حد ہجوم رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی طلبہ کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ یحییٰ بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی مجلس میں شریک تھا۔

وکان یقال ان فی المجلس سبعین الفاً (۱)

کہا جاتا ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار لوگ شریک تھے۔

فقہ:۔ حدیث کے ساتھ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابو عبداللہ سے کسی نے دریافت کیا: یزید بن ہارون فقیہ بھی تھے؟ فرمایا ان سے زیادہ ذہین و فہیم میری نظر سے نہیں گزرا۔ سائل نے پھر کہا، اچھا ابن علیہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ بولے وہ فقیہ تو ضرور تھے لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں، جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔ (۲)

زہد و عبادت:۔ علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقاء اور عبادت و ریاضت کی صفات بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے اور خوف خدا سے ہمہ وقت لرزتے رہتے تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا، جن کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ (۳)

احمد بن نسان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو یزید بن ہارونؒ سے زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو، وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی ستون ہے، جو بے حس و حرکت اپنی جگہ پر نصب ہے۔ فرصت ہوئی تو وہ مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کے درمیان نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اس عہد میں یزید بن ہارون اور ہشیم دونوں طویل نماز پڑھنے میں مشہور تھے۔ کثرت نوافل اور کثرت تلاوت کے باوجود یہ خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا تھا کہ مبادا قرأت قرآن میں کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت میں قابل مواخذہ قرار پائیں۔ فرمایا کرتے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ قرآن میں کسی غلطی کے صادر ہو جانے میں ان خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة (۴)

وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں، لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا، وہ دین سے اس

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۵۱ _ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۰ _ (۳) ایضاً صفحہ ۳۴۱ _ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۱

طرح بے خبر ہو جاتے ہیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

عاصم بن علیؒ کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے پاس رہے، اس اثناء میں، میں نے یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گذار دیتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت یزیدؒ سے پوچھا: آپ شب میں کتنی دیر سوتے ہیں؟ بولے، اگر میں رات میں سوتا ہوں تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کر دے۔(۱)

خوف خدا:۔ یزید بن ہارون پر خشیت الٰہی کا غلبہ اس درجہ ہوتا تھا کہ ان کی آنکھیں ہر وقت پرنم رہتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی سے محروم ہو گئے۔ کسی نے دریافت کیا، آپ کی دونوں خوبصورت آنکھیں کیسے ضائع ہو گئیں؟ فرمایا:

ذهب بهما بكاء الاسحار (۲)

گریہ صبحگاہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں۔

عزت و وقار:۔ ان کے علم وفضل، زہد واتقاء اور جذبہ امر بالمعروف کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ خلفائے وقت تک کوئی کام غلط اقدام کرنے سے ڈرتے تھے۔

خلق قرآن کے مسئلہ کی ابتداء تو دوسری صدی کے آغاز میں ہو چکی تھی، مگر امام احمد بن حنبلؒ کے عہد میں اس نے ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ معتزلہ کے اثر سے مامون بھی اس کا قائل ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ واشاعت کرے، لیکن حضرت یزید بن ہارون کے خوف سے اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا:

ولا مكان يزيد بن هارون لاظهرت القرآن مخلوق(۳)

اگر یزید بن ہارون کے مرتبہ اور اثر کا خیال نہ ہوتا (جو لوگوں کی نگاہ میں ان کا ہے) تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔

کسی درباری نے پوچھا امیر المومنین! یہ یزید بن ہارون کون ہیں، جن سے آپ بھی اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں؟ مامون نے جواب دیا: میں ان سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت یا اقتدار ہے، بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ اگر میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر دوں اور وہ

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۴۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۶۹۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۲۹۲

میری تردید کردیں تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوگا اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ شخص بولا۔ اچھا میں تصدیق کرتا ہوں۔

چنانچہ شخص مذکور واسط آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارونؒ تشریف رکھے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، امیر المومنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کے کلام مخلوق ہونے کا اعلان کردوں۔

یہ سن کر یزید بن ہارونؒ بولے: تم امیر المومنین پر بہتان طرازی کرتے ہو، وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کرسکتے، جس کو وہ نہیں جانتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو مجلس میں دوسروں کی آمد کا انتظار کرو اور جب لوگ آجائیں تو اس بات کا اعادہ کرو۔

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز مجلس گرم ہوگئی، تو یہ شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے پہلے روز والی بات دہرائی کہ امیر المومنین کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا اظہار کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یزید بن ہارونؒ نے پوری دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ تم امیر المومنین پر تہمت باندھتے ہو، وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرسکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں اور جس کا قائل کوئی ایک شخص بھی نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: امیر المومنین آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ بالکل بجا اور درست تھا، اس معاملہ میں بلاشبہ آپ کا علم بہت زیادہ تھا۔ (۱)

یزید بن ہارون کو معلوم تھا کہ مامون الرشید کا رجحان خلق قرآن کی طرف ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہوکر اعلان کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ (۲)

بے نفسی: ۔ انسان فطرتاً خود پسند واقع ہوا ہے، لیکن ائمہ کرام کی زندگیوں کا یہ درخشاں ورق ہے کہ انہیں ہمیشہ اپنی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، وہ اپنی تعریف وتوصیف پر بجائے خوش ہونے کے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ یزید بن ہارونؒ عمر بھر اس عجز وفروتنی کا کامل نمونہ رہے۔

علی بن الجندی العراقی اس عہد میں ایک پرگو شاعر تھا، اس کو ان سے قلبی عقیدت تھی، ایک مرتبہ اس نے حاضر ہوکر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا، جس میں تشبیب کے بعد وہ کہتا

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۲۔

ہے:

الی یزید بن هارون الذی کملت
فیه الفضائل او اشفی علیٰ ختن
حتی اتیت امام الناس کلهم
فی العلم الفقه والآثار والسنن
والدین والزهد والاسلام قد علموا
والخوف للّٰه فی الاسرار والعلن
براً تقیاً نقیاً خاشعاً ورعاً
مبراً من ذوی الأفات والابن
ماذاک من کان طفلاً فی شبیبة
حتی علاه مشیبت الراس والدقن

شاعر نے اس قصیدہ کو نہایت دلسوزی اور محبت کے ساتھ لکھا تھا، اس لئے طبیعت پر جبر کر کے سن تو لیا، مگر بقول راوی ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب شاعر نے وہ اشعار پڑھے، جن میں شیخ کی مدح کی گئی تھی تو آپ نے اس کو روک دیا اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگے۔ (۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ عہد صحابہ اور تابعین میں عام تھا، یزید بن ہارون بھی اس کا مجسم نمونہ تھے، مامون جیسا باجبروت خلیفہ بھی اس بارے میں شیخ سے خوفزدہ رہتا تھا۔ محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ہارونؒ ان بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

وکان یعدّ من الأمرین بالمعروف والناهین عن المنکر (۲)

مرجع خلائق:۔ یزید بن ہارونؒ اپنے علمی فضائل اور عملی کمالات کے باعث عوام وخواص کے مرجع بن گئے تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی مجلس میں بسا اوقات ستر ستر ہزار کا مجمع رہتا تھا۔ (۳)

ابوبکر بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یزید بن ہارونؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے،

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) ایضاً صفحہ ۳۴۴۔ (۳) التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۶۹۔

لوگ ان پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بارش کر رہے تھے، لیکن وہ خود خاموش تھے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ جب سب خاموش ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم واسط کے رہنے والے ہیں اور واسط کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ یعنی ہم لوگ ایسی باتوں کا جواب دے کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔ (۱)

وفات:۔ بالآخر ۲۰۶ ہجری میں واسط میں علم وفضل کی یہ شمع خاموش ہو گئی۔ اس وقت ۸۸ برس کی عمر تھی۔ (۲)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۵۔ (۲) العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۵۰ وشذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۶۔

حضرت یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ یعقوب نام، ابومحمد اور ابو یوسف کنیتیں تھیں۔ پورا نسب نامہ یہ ہے: یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبداللہ بن ابی اسحاق۔(۱) حضرمیوں سے نسبت ولار رکھنے کے باعث حضرمی اور وطناً بصری کہلاتے ہیں۔

مولد:۔ ۱۱۷ ہجری میں علم وفن کے عالمی مرکز بصرہ میں پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:۔ علم وفضل کے اعتبار سے امام یعقوبؒ اتباع تابعین کی جماعت میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ قرآن وحدیث، فقہ اور نحو میں ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔ خصوصاً فن قرأت میں اپنی مہارت وکمال کے باعث قراء عشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بصرہ میں امام القراء ابوعمرو بن العلاء کے بعد باتفاق امت شیخ الفن تسلیم کئے گئے۔ ابن عماد الحنبلی ''احد الاعلام'' لکھتے ہیں۔(۲) علامہ یاقوت رومی رقمطراز ہیں:

الامام فی القراءات والعربیة ولغة العرب والفقه(۳)

وہ قرأت، عربیت، لغت اور فقہ میں امام تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

كان اعلم الناس فی زمانه بالقراءات والعربية وكلام العرب والرواية والفقه (۴)

کلام عرب، حدیث اور فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ابوحاتم بجستانی جنہیں امام یعقوب الحضرمی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، بیان کرتے ہیں کہ:

كان اعلم من ادركنا ورأينا بالحروف والاختلاف فی القرآن الكريم وتعلله ومذاهبه ومذاهب النحويين فی القرآن الكريم (۵)

جن شیوخ کو ہم نے دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ان میں امام یعقوب اختلاف قرآن اس کی تعلیل اور مذاہب اور قرآن میں نحویوں کے مسالک کے سب سے بڑے عالم تھے۔

---

(۱) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲ وبغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۸۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴۔ (۳) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔
(۴) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۸۔ (۵) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۳۰

قرأت :۔ ان کی کلاہِ افتخار کا اصل طرۂ امتیاز فن قرأت میں غیر معمولی مہارت تھی، صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین عظامؒ کے طبقہ میں صاحب اختیار ائمہ قرأت کی تعداد بکثرت ہے۔ بقول امام ابومحمد مکی قراء سبعہ نے جن ائمہ قرأت سے روایت کی، صرف ان ہی کی تعداد ستر ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اختیار قرأت کا جو سلسلہ صدیوں کے عرصہ پر محیط رہا ہو، اس میں کس قدر بے شمار ماہرین فن پیدا ہوئے ہوں گے۔

لیکن ان تمام روایات میں صرف دس قرأتیں متواتر قرار پائیں، اور ان میں بھی حسن قبول اور شہرت عام کی سند سات قرأتوں کے نصیب میں آئی، وہی آج قرأت سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

دوسری صدی کے اوائل میں فن قرأت کے جو مراکز مرجوعہ خلائق رہے، ان میں مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کے نام ممتاز ہیں۔ قراء سبعہ میں امام ابوعمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۴ ہجری) سرزمین بصرہ ہی کے لعل شب چراغ تھے اور اسی مردم خیز زمین سے امام یعقوب بن اسحاق بھی پیدا ہوئے، جن کی روایت کو اپنی اہمیت وعظمت کی وجہ سے قرأت عشرہ میں آٹھواں مقام حاصل ہوا، اور حقیقت یہ ہے کہ امام یعقوب کی شہرت ومقبولیت کی اساس یہی فن بنا۔ یہاں تک کہ قاری اہل بصرہ اور المقری ان کے نام کے لازمی جزو بن گئے۔

انہوں نے قرأت کی تحصیل سلام بن سلیمان الطویل، مہدی بن میمون اور ابوالاشہب العطاردی سے کی اور قراء سبعہ میں امام ششم حمزہ بن حبیب الزیات اور امام ہفتم ابوالحسن علی الکسائی سے نکات فن کی روایت اور سماع کا شرف حاصل کیا اور پھر جب وہ خود باکمال ہو کر مسند قرأت پر جلوہ افروز ہوئے تو حرمین، عراق اور شام کے اکابر علمائے فن نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ چنانچہ ان سے قرأت کی روایت کرنے والوں میں روح بن عبدالمومن، محمد بن المتوکل اور ابوحاتم سجستانی کے نام نمایاں ہیں۔ (۱)

ابن عماد نے لکھا ہے کہ بصرہ کے تقریباً تمام ائمہ قرأت امام ابوعمرو بن العلاء کے بعد ان ہی کی روایت کے متبع ہیں۔ (۲) تمام تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق ان کے صحیفہ کمال کے اس باب کو نہایت واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ یافعی رقمطراز ہیں:

انه كان امام البصرة فی عصره فی القراءة (۳)

وہ اپنے عہد میں اہل بصرہ کے فن قرأت میں امام تھے۔

(۱) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۳۰۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۳۱

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

وله رواية مشهورة به وهي احدى القراات العشر (۱)

قرأت میں ان کی ایک مشہور روایت ہے اور وہی دس قرأتوں میں سے ایک ہے۔

علامہ یاقوت رومی فرماتے ہیں:

ثامن قراء العشرة الامام في القراات (۲)

قراء عشرہ میں آٹھویں نمبر پر وہ فن قراءت کے امام تھے۔

ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ جن علماء سے ہمیں شرف لقاء حاصل ہوا، ان میں امام یعقوب الحضرمی قرآن کے رموز و نکات اور اس کے حروف کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۳)

کسی شاعر نے اپنے اشعار میں امام یعقوب کو زمرۂ قراء میں مہر جہاں تاب کے الفاظ میں خراج عقیدہ پیش کیا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

(ترجمہ) ان کے والد اور جد امجد ممتاز قراء میں تھے اور یعقوب تو قراء کے درمیان مہر تاباں کی حیثیت رکھتے تھے، وہ اپنے فن میں منفرد و یکتا تھے، ان کی نظیر نہ صرف ان کے عہد بلکہ تا قیامت نہ مل سکے گی۔(۴)

علامہ یافعیؒ نے قرأت میں رسول اکرم ﷺ تک امام یعقوب الحضرمی کی سند نقل کی ہے، جو اس طرح ہے: یعقوب عن سلام عن عاصم عن ابوعبدالرحمٰن السلمی عن علی، عن رسول اللہ ﷺ(۵) اس سے ان کی عالی سند ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث:۔ قرأت میں باکمال ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں بھی بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ اس میں انہیں حضرت انس بن مالکؓ، امام شعبہ، سالم بن عبداللہ بن عمر، سلیمان بن یسار اور حماد بن سلمہ جیسے یگانہ عصر ائمہ سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کے علاوہ جن لائق ذکر شیوخ سے انہوں نے روایت حدیث کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

زید بن عبداللہ (جو ان کے جد امجد تھے) اسود بن شیبان، سہیل بن مہران، سلیمان بن ۔اذ الضبی، زائدہ بن قدامہ، سلیم بن حیان، عبدالرحمٰن بن میمون، عقبہ بن عبدالغفار، ابوعقیل الدورقی۔

(۱) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۸۔ (۲) معجم الادباء ج ۲ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴۔ (۴) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۸۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۰

تلامذہ: ۔ ان کے دامن فیض سے فیض حاصل کرنے والوں میں سفیان ثوریؒ، وہیبؒ، یزید بن زریع عمر بن علی فلاس، اسماعیل بن علیہ، بشر بن الفضل، ہشیم بن بشیر، عبدالاعلیٰ بن مسہر، عقبہ بن مکرم العمی، حسین بن علی الصدائی، محمد بن سیرین اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ جلیل القدر علماء شامل ہیں۔(۱)

جامعیت: ۔ ان کی ذات مختلف علمی وعملی کمالات کا مجموعہ تھی۔ قرأت وحدیث میں ان کی مہارت کا ذکر گذر چکا ہے۔ علاوہ ازیں وہ نحو عربیت، فقہ اور لغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ علامہ یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں نحو کے مختلف مکاتب اور ان کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۲)

عبادت میں انہماک: ۔ اس علمی تفوق کے ساتھ وہ عمل کا بھی پیکر مجسم تھے۔ کثرت عبادت، زہد وورع اور انابت الی اللہ ان کے خاص اوصاف تھے۔ نماز میں ان کے انہماک، خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ ایزدی میں کھڑے ہونے کے بعد پھر انہیں کچھ ہوش نہ رہتا تھا۔ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں:

سرق رداءه وهو فی الصلوة ورد الیه ولم یشعر لشغله فی الصلوٰة(۳)

حالت نماز میں ان کی چادر چوری ہوگئی اور پھر واپس بھی آ گئی، لیکن نماز میں مشغولیت کے باعث ان کو احساس تک نہ ہوا۔

نقد وجرح: ۔ امام یعقوبؒ کی عدالت اور ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، لیکن اکثر جلیل القدر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے۔ چنانچہ ابن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابوحاتم مطلقاً ان کی مرویات کو حجت اور سند مانتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی اپنی تصنیف میں انکا ذکر کیا ہے۔(۴)

صرف علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

لیس هو عندهم بذاک التثبت یذکرون انه حدث عن رجال لقیهم وهو صغیر (۵)

وہ تثبت میں بلند پایہ نہیں تھے، علماء کا خیال ہے کہ انہوں نے ان شیوخ سے روایتیں کی

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۸۲۔ (۲) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۱۸۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۸۲۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۵

ہیں، جن سے وہ صغرسنی میں ملے تھے۔

صاحب طبقات کے اس بیان کا ضعف اس طرح واضح ہے کہ انہوں نے ''یذکرون'' کے قائلین کو مجہول و نا معلوم کر دیا ہے۔

تصنیف:۔ وہ صاحب تصنیف بھی تھے، علامہ یاقوت اور خیر الدین زرکلی نے ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب الجامع، وقف التمام۔ اول الذکر میں مصنف نے وجوہ قرأت کے اختلافات کو جمع کیا ہے۔(۱)

وفات:۔ ذی الحجہ ۲۰۵ ہجری میں اپنے وطن مالوف بصرہ میں وفات پائی، انتقال کے وقت ۸۸ سال کی عمر تھی۔ (۲) صاحب معجم الادباء نے ذی الحجہ کے بجائے ماہ جمادی الاولیٰ کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔ (۲) بغیۃ الوعاء صفحہ ۴۱۸۔